مجاہد کی اذاں

تصنیف

امام حسن البنّا شہیدؒ

ترجمہ

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ اُمّت
جو
جینے کا عزم کرلے،
اُس کے
مٹنے کا کیا سوال؟
اس سے تو
موت دور بھاگتی ہے!

امام حسن البنّاؒ

تحریک کی جان

امام حسن البناؒ شہیدؒ دعوت کی بنیادیں استوار کر کے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ وہ چلے گئے مگر اپنی شہادت سے تحریکِ اسلامی کے جسم میں ایک نئی جان ڈال گئے۔ ان کی شہادت سے دعوت کی بنیادیں اور زیادہ استوار ہو گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام شہیدؒ کے ہزار ہا ہزار خطبے اور رسالے بھی اخوان کے دِلوں میں ایمان و یقین کی وہ حرارت پیدا نہیں کر سکتے تھے جو ان کے خونِ معصوم کے گرم گرم قطروں نے پیدا کر دی ہے۔

ہمارے الفاظ بے جان اور عبارتیں بے روح ہوتی ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے موم کی کوئی گڑیا ہو۔ البتہ جب ہم ان کی راہ میں قربان ہو جاتے ہیں تو ان کے اندر زندگی کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ لافانی ہو جاتی ہیں۔

(سیّد قطب شہیدؒ)

ترتیب

ہم دونوں کی منزل ایک تھی	۱۱	مردِ مجاہد کے فرائض	۵۷
امام حسن البنا شہیدؒ	۱۶	خلاصۂ گفتگو	۶۲
چراغ تو چراغ ہی سے جلتے ہیں	۲۰	اسلامی کنبہ	۶۴
شیخ بنّا کی شخصیت ایک معنوی تاج محل	۲۳	تعارف	۶۴
یہ وہ وقت ہوگا	۳۷	باہمی احتساب	۶۵
زادِ راحلہ	۳۸	باہمی تعاون	۶۶
فہم	۴۰	فرشتوں کی دعا	۷۰
اخلاص	۴۵	فریضۂ جہاد	۷۱
عمل	۴۶	جہاد ہر مسلم پر واجب ہے	۷۲
جہاد	۴۸	جہاد کی چند آیات	۷۳
قربانی	۴۹	جہاد کی چند احادیث	۸۰
اطاعت	۵۱	جہاد کا حکم فقہائے امت کی نگاہ میں	۹۵
ثابت قدمی	۵۲	مسلم جنگ کیوں کرتا ہے؟	۹۹
یک سوئی	۵۳	جہاد اسلامی میں اخوت انسانی کا جلوہ	۱۰۲
بھائی چارہ	۵۴	ایک غلط فہمی	۱۰۳
کامل اعتماد	۵۵	حرف آخر	۱۰۵

ہماری دعوت ایک نئے قالب میں ۱۰۷
خدائی اور آفاقی ۱۰۹
مادہ اور روح ساتھ ساتھ ۱۱۲
قومیت، عربیت، مشرقیت، آفاقیت ۱۱۴
روح کی بیداری ۱۲۰
مسلم فرد، مسلم گھرانہ، مسلم امت ۱۲۶
کعبہ بھی کلیسا بھی ۱۲۸
ہمارے عام وسائل ۱۳۳
نظریہ اور تنظیم ۱۳۳
چند سوالات ۱۳۶

ہماری تحریک

ہماری تحریک ۱۳۷
بالکل صاف صاف ۱۳۸
نہایت صاف ستھری ۱۳۸
جذبۂ بے تاب ۱۳۹
خدا ہی کا احسان ہے ۱۳۹
چار طرح کے لوگ ۱۴۰
اہل ایمان ۱۴۰
تردّد کے شکار ۱۴۰
منفعت کے غلام ۱۴۱
جنگ جو طبیعتیں ۱۴۱
فنائیت ۱۴۲
وضاحت ۱۴۳
دو ایمان ۱۴۳
دعوتیں اور تحریکیں ۱۴۴
دعوتوں کے کارکن ۱۴۵
اسباب و وسائل ۱۴۵
ہمارا اسلام ۱۴۶
دیگر دعوتوں کے سلسلے میں ہمارا موقف ۱۴۶
وطنیت ۱۴۷
حب وطن ۱۴۷
وطن کی آزادی و سر بلندی ۱۴۸
وطن کا اجتماعی استحکام ۱۴۹
دینی سیادت ۱۴۹
خانہ جنگی اور طوائف الملوکی ۱۵۰
ہماری وطنیت کے حدود ۱۵۰
ہماری وطنیت کی غایت ۱۵۱
وحدت ۱۵۱
قومیت ۱۵۲
حصول مجد کی کوشش ۱۵۲
قوم کی خدمت ۱۵۳
منصوبہ بندی ۱۵۳
جاہلیت کی تجدید ۱۵۴
دوسروں پر دست درازی ۱۵۴
دو بنیادیں ۱۵۵
عربی خصوصیات ۱۵۶
عقیدے کا رشتہ ۱۵۶

فقہی اختلافات کا مسئلہ ۱۵۸
اجتماعیت نہ کہ فرقہ واریت ۱۵۸
اختلاف تو ناگزیر ہے ۱۵۹
فروعی مسائل میں اجماع ناممکن ہے ۱۶۰
اختلاف کا انھیں حق ہے ۱۶۰
بدی سے جنگ کرو ۱۶۲
علاج ۱۶۳
تشخیص ۱۶۳
تن ہمہ داغ داغ شد ۱۶۳
امید کی کرن بیداری کی لہر ۱۶۵

ہماری دعوت ۱۶۹

تمہید ۱۷۰
ہمارا پیمانہ ۱۷۰
اے ہماری قوم! ۱۷۱
قرآن میں زندگی کی غایت ۱۷۱
مسلم کی سرپرستی قربانی نہ کہ نفع اندوزی ۱۷۳
صلاح کار کجا و من خراب کجا ۱۷۴
غایت ہی اصل اور اعمال اس کی فرع ہیں ۱۷۴
ہماری غایت کے سرچشمے ۱۷۵
ایک ضمنی بات ۱۷۵
مال کہاں سے آتا ہے؟ ۱۷۶
ہم اور سیاست ۱۷۷
ہماری قومیت اور اس کی اساس ۱۷۸
عزت و بلندی کا سدرۃ المنتہیٰ ۱۸۱
قوت کا سب سے بڑا سرچشمہ ۱۸۱
عالمی نسبت ۱۸۲
آج جو خواب ہے کل وہ حقیقت تھا ۱۸۲
مسلم کی ذمے داریاں ۱۸۳
انسانیت کا حق ۱۸۵
حق کی حفاظت قوت سے ۱۸۵
رات میں راہب دن میں مجاہد ۱۸۶
اصلاحی اور تعمیری تگ و تاز ۱۸۷
وقت آ گیا ہے کہ ہم ہوش میں آئیں ۱۸۹
ابتدا کہاں سے ہو؟ ۱۹۰
دو قوتوں کے درمیان ۱۹۲
راستہ روشن ہے ۱۹۳
پیروی ناگزیر ہے ۱۹۴
انحراف سے بچو ۱۹۵
قانون کی اصلاح کرو ۱۹۵
اجتماعیت کے مظاہر درست کرو ۱۹۶
اباحیت سے جنگ کرو ۱۹۶
تعلیم کو منظّم کرو ۱۹۷
بھائیوں کی اخوت سے فائدہ اٹھاؤ ۱۹۸
عملی تصویر ۱۹۹
اخوت جو انسانیت کی پیامی ہے ۲۰۰
وطن اسلامی کے حدود ۲۰۲

راستہ لمبا ہے ۲۰۲
ماہرین عمرانیات کا بیان ۲۰۳
تاریخ کی شہادت ۲۰۳
کیا کوئی اور بھی راہ ہے ۲۰۵
قرض کی ادائی پہلے ۲۰۵
ایک اٹھتی ہوئی امت کی کہانی ۲۰۶
ضعف وناتوانی ۲۰۶
قیادت ۲۰۷
کش مکش ۲۰۸
ایمان ۲۰۹
غلبہ وکامرانی ۲۰۹

نور کی طرف

۲۱۰
پیش لفظ ۲۱۱
امیر کی ذمے داری ۲۱۲
کچھ ابتدائی باتیں ۲۱۳
تبدیلی کا دور ۲۱۳
دوراہے پر ۲۱۴
اسلامی نظام کے فائدے ۲۱۴
مغربی تمدن کی زبوں حالی ۲۱۶
اسلام ترقی پذیر قوم کی ضروریات کا کفیل ہے ۲۱۷
اسلام اور عزم ویقین ۲۱۸
اسلام اور قومی مجد ۲۲۰
اسلام اور فوجی طاقت ۲۲۲
اسلام اور صحت عامہ ۲۲۷
اسلام اور اخلاق ۲۲۹
اسلام اور معیشت ۲۳۰
عام نظام ہائے اسلام ۲۳۲
اسلام اقلیتوں کی حمایت اور.......... ۲۳۳
اسلام تعلقات کو گدلا نہیں کرتا ۲۳۶
ترقی کے جو اصول مغرب میں......... ۲۳۷
افراد کا نام دین نہیں ۲۳۸
جرأت مندانہ قدم ۲۳۹
عملی اصلاح کی طرف چند ابتدائی قدم ۲۴۱

ہمارا ماضی وحال

رسول امین کا پیغام-قرآن کریم کا نظام ۲۵۰
مکمل اجتماعی اصلاح کے قرآنی اصول ۲۵۱
قرآنی نظام کے عملی شعائر ۲۵۲
پہلی اسلامی سلطنت ۲۵۳
دولت اسلامیہ کا نظام درہم برہم کیوں کر ہوا ۲۵۵
سیاسی کش مکش ۲۵۸
شیر جاگ اٹھا ۲۵۹
یورپ میں ترقی کا آغاز ۲۶۰
نیا حملہ ۲۶۰
از سر نو اقتدار کا حصول ۲۶۲
اک نئی جنگ ۲۶۳
اجتماعی کش مکش ۲۶۴

اسلامی ممالک پر مادیت کی یلغار ۲۶۶
بیداری ۲۷۰
ہماری دعوت نشأۃ جدیدہ اور نجات کی......... ۲۷۰
ہمارے عام مقاصد ۲۷۱
ہمارے خصوصی مقاصد ۲۷۲
ہمارے مستقل وسائل ۲۷۲
اضافی وسائل ۲۷۳
حوصلہ شکنی ۲۷۳
ہماری راہ کی رکاوٹیں ۲۷۴
کامیابی کے عوامل ۲۷۵
وصیت ۲۷۶
فرائض ۲۷۷

پانچویں کانفرنس

اخوان کی غایت اور دعوت کی خصوصیات ۲۸۰
تحریک اخوان چار روحوں کا خواب ۲۸۱
اخوان المسلمون کا اسلام ۲۸۴
اخوان المسلمون کا فکر....... ۲۹۱
اخوانی دعوت کی کچھ خصوصیات ۲۹۴
صاف صاف سن لو! ۲۹۸
ہمارا عملی قدم کب اٹھے گا؟ ۲۹۹
غایت اور وسیلہ ۳۰۸
اخوان - طاقت اور بغاوت ۳۰۹
اخوان المسلمون اور حکومت ۳۱۱
اخوان المسلمون اور مصری دستور ۳۱۳
اخوان المسلمون اور قانون ۳۱۵
قومی، عربی اور اسلامی وحدتوں........ ۳۱۷
اخوان المسلمون اور خلافت ۳۲۲
مختلف تنظیموں کے سلسلے میں اخوان کا موقف ۳۲۳
اخوان المسلمون اور اسلامی تنظیمیں ۳۲۳
اخوان اور شبان ۳۲۴
اخوان المسلمون اور سیاسی پارٹیاں ۳۲۴
اخوان اور مصر الفتاۃ ۳۲۷
صلیبی حکومتوں کے سلسلے میں اخوان کا موقف ۳۲۹
حرف آخر ۳۳۲

ہم دونوں کی منزل ایک تھی

چند ماہ قبل اخوانی رہنما الاستاذ حسن الہضیبیؒ کی وفات پر حجۃ الاسلام مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی صدارت میں لاہور کے اندر ایک تعزیتی جلسہ ہوا تھا۔ اس موقع پر مولانا موصوف نے ایک نہایت پُرسوز تقریر فرمائی تھی، جس کا عربی ترجمہ کویت کے ایک ہفت روزہ "المجتمع" میں شائع ہوا تھا۔ اسی عربی ترجمے کو ہم اردو کا جامہ پہنا کر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولانا کی اصل تقریر نہیں مل سکی ورنہ ظاہر ہے اس کی لذّت کچھ اور ہوتی۔ اس تقریر سے قارئین کو امام حسن البنّا شہیدؒ کی شخصیت اور ان کی تحریک کے سنہری کارناموں کے بارے میں صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ (مترجم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

معزّز سامعین!

یہ کیسا حسنِ اتفاق ہے کہ جن ایّام میں امام حسن البنّا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں احیائے اسلام کی تحریک چلائی، یہ تقریباً وہی ایّام تھے جن میں پاکستان کے اندر تحریکِ اسلامی کی داغ بیل پڑی۔ ان دونوں تحریکوں کی عمر میں کچھ زیادہ فرق نہیں، زائد سے زائد دو سال کا فرق ہے۔ البتہ جن حالات اور جن مراحل سے یہ دونوں تحریکیں گزریں وہ تمام تر یکساں ہیں۔ پھر باوجود یکہ ہماری منزل بھی ایک تھی اور راستہ بھی ایک، شروع میں چند سالوں تک ہم اخوان سے بے خبر رہے اور انھیں بھی ہماری کوئی خبر نہ ہوئی۔ پھر یکا یک ہمارے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔ انتہائی پُرسوز اور دلِ کش آواز۔ جو دِل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔ دیکھا تو وہ امام حسن البنّا شہیدؒ کی

آواز تھی۔ پُر شکوہ زبان، دل نشین اسلوب اور شرابِ معرفت کی حلاوتوں سے پُر۔ یہ آواز اٹھی تھی قاہرہ سے، جو اس وقت جفا کار انگریزی سامراج اور ظالم ملکی نظام کے جوئے تلے سسک رہا تھا۔

اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ اس حق بیں وحق آگاہ مرد بزرگ نے اخوان المسلمون کے نام سے ایک تحریک قائم کی ہے جو بعینہٖ ان ہی اصول ومقاصد کے لیے کوشاں ہے جن اصول و مقاصد کے لیے ہندو پاک میں جماعت اسلامی کوشاں ہے۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد اخوان بھی جماعتِ اسلامی کی دعوت، غایت اور پروگرام سے روشناس ہوگئے۔ اس طرح دونوں تحریکیں ایک دوسرے سے قریب ہوئیں، افراد ایک دوسرے سے متعارف ہوئے، دِلوں میں الفت ومحبت کے چراغ جلے، اشتراک وتعاون کے رشتے قائم ہوئے اور ایک ہی منزل کی جستجو میں ہم گامزن رہے۔ چناں چہ ہم آج تک ایک ہی فکر کے علم بَردار اور ایک ہی غایت کے طلب گار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت ومشیت ہے کہ تحریکِ اخوان کے بانی ومرشدِ اوّل امام حسن البنّاؒ باطل سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے شہید ہوگئے، پھر اخوان کے دوسرے رہ نما میدان میں آئے اور وہ بھی قیادت کی ذمہ داریاں باحسن طریق انجام دیتے ہوئے آج اپنے رب سے جا ملے۔ البتہ جس نے ہندو پاک میں تحریکِ اسلامی کا چراغ جلایا وہ اپنے ان معزز ساتھیوں کا غم سہنے کے لیے ابھی تک زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور کروَٹ کروَٹ انھیں جنت دے۔ آج ہم شیخ ہُضیبی ہی کے ماتم میں مصروف ہیں۔ آنکھیں اشک بار ہیں، دِل بے قرار ہے۔ اے شیخ ہُضیبی! ہمیں آپ کی جدائی کا بڑا ملال ہے۔

یہ بات کتنی افسوس ناک ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے کم ہی لوگ ہوں گے جو اخوان المسلمون اور ان کی خدمات کے صحیح معنوں میں قدر دان ہوں، کیوں کہ مخالف اسلام طاقتوں کے ناپاک پروپیگنڈے نے عام ذہنوں کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو صحیح صورتِ حال سے واقف اور معاملے کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ان کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ اس دور میں مختلف ممالک بالخصوص عربی ممالک میں اسلام کا کام جو آگے بڑھا ہے، دینی واخلاقی شعور بیدار کرنے کے لیے وہاں جو کوششیں ہوئی ہیں اور مسلم عوام وخواص کے سامنے اسلام کی صحیح اور کامل تصویر پیش کرنے کی جو سعی وجہد ہوئی ہے، وہ سب نتیجہ ہے اسی اسلامی تحریک کی دِل سوزیوں اور سرفروشیوں کا جو امام حسن البنّا شہیدؒ نے

قائم کی۔اور پھر استاذ حسن ہُضیبیؒ، استاذ عبدالقادر عودہؒ اور استاذ سیّد قطب شہیدؒ نے اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی۔

معزّز بھائیو! اگر آپ میں سے کسی کو عالم عربی کی سیاحت کا موقع ملے تو آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ خلیج سے لے کر سمندر تک بسنے والے وہ سارے افراد جو اپنے سینوں میں اسلامی غیرت وحمیت رکھتے ہیں، جو اس کے اصولوں پر پوری پامردی و مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں، جو اسلام کا صحیح فہم اور دین کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور جو پاکیزہ اسلامی زندگی بسر کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں وہ تمام تر اخوان سے وابستہ ہیں۔وہ یا تو تحریکِ اخوان کے رُکن ہیں یا اُن کی دعوت سے متاثر ہیں۔یا کم ازکم ان سے کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں۔حتیٰ کہ امریکہ و یورپ میں مقیم وہ سارے عرب جوان، جو اسلامی روح سے سرشار نظر آتے ہیں، ان میں سے بیشتر اسی تحریک سے منسلک ہیں، یہاں تک کہ وہاں ''اخوانیت'' اسلامیت کا رَمز بن گئی ہے۔چنانچہ وہاں کسی کے اندر اگر جدید ثقافت کے ساتھ ساتھ دین داری اور مذہبیت بھی پائی جاتی ہے تو اسے لوگ بلا تامل اخوان کا ہی ایک فرد سمجھتے ہیں، خواہ اس حیثیت سے کہ وہ اس سے وابستہ ہے یا اس سے متاثر ہے یا اس سے کسی طرح کی بھی کوئی نسبت رکھتا ہے۔اسی لیے جب بعض عرب ممالک میں قومیت، لادینیت اور دوسرے مخالف اسلام نظریات کی وبا پھیلی تو وہاں صورت یہ تھی کہ اگر کوئی جوان جامع مسجد کی طرف جاتا ہوا نظر آجاتا یا نمازوں کی پابندی کرتا تو سی، آئی، ڈی اس کے پیچھے لگ جاتی اور طرح طرح سے اسے تنگ کرتی۔عرب ممالک پر اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا عظیم احسان ہے کہ اس نے تاریخ کے ایسے نازک ترین دور میں ان کی رہ نمائی کے لیے اخوان کو بھیج دیا جب کہ وہ بُری طرح قومیت، لادینیت اور اخلاقی بے قیدی کے شکار ہورہے تھے۔آج بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان ملکوں کا انجام کیا ہوگا اگر اخوان نے دوبارہ ابھر کر یہ مورچہ نہیں سنبھالا اور اس سیلاب پر بند نہیں لگایا جو تمام فکری اور اخلاقی قدروں کو بہائے لیے جارہا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے جب تحریکِ پاکستان کی دھوم مچی تھی، اس وقت عرب ممالک کے وہ سارے لوگ جو اسلامی شعور سے خالی تھے، یا قومیت اور لادینیت کے دھارے میں بہہ رہے تھے، وہ ''آل انڈیا

کانگریس کمیٹی'' کے مؤید اور اس کے سرخیل گاندھی جی کے حامی تھے، جو قیامِ پاکستان کے نظریے کے سخت مخالف تھے۔ رکیک نظریات اور باطل تحریکات کے اس ہجوم میں تنہا ''اخوان المسلمون'' ہی نظریۂ پاکستان کے ہم نوا اور اس کے داعی تھے، بلکہ وہ تو آج تک مصائب میں پاکستان کی پُشت پناہی کرتے اور ہر موڑ پر اس کا دفاع کرتے رہے ہیں۔ علّامہ مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ کلمات آج تک ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں جو اس موقع پر انھوں نے ایک اسلامی کانفرنس میں فرمائے تھے، انہوں نے فرمایا تھا:

''پاکستان کو عرب ممالک میں اپنے سفراء مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہم تمام اخوانی پاکستان کے سفراء ہیں۔ اس پاکستان کے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔''

ان ساری باتوں کے پیشِ نظر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب اخوان پر مسلسل مظالم ہوتے رہے، اور مدتوں وہ جاں کاہ اذیتوں کا ہدف بنے رہے، تو بہت ہی کم لوگ تھے جنھوں نے ان کے ساتھ ہم دردی وغم خواری کی ورنہ اکثر لوگ دشمنوں کے پروپیگنڈوں سے متاثر رہے اور جو جھوٹے الزامات اور غلط تہمتیں ان پر لگائی گئیں، ان سب پر یقین کرتے رہے۔ پھر جب اخوان کے ساتھ وہ سنگ دِلانہ حرکتیں کی گئیں، وہ سنگ دِلانہ حرکتیں جن سے انسانیت کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور شرافت ومروّت کی جبیں عرق آلود ہوگئی جب کہ ان سے ان کے منتخب رہ نما اور عمدہ کارکن چھین لیے گئے تو اس وقت بھی یہ ملک پاکستان ایسے لوگوں سے خالی نہ تھا جنھوں نے ان وحشیانہ اقدامات کو سَراہا اور ظالموں کی مدح وتحسین کی۔

ہم نہایت اخلاص ودِل سوزی کے ساتھ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ''شیخ حسن ہضیبی'' پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ انھیں جنت میں اونچے سے اونچا مقام بخشے۔ انھیں ان کی خدمات اور قربانیوں کا بھرپور صلہ عطا فرمائے اور ان لوگوں پر اپنے قانونِ عدل کے کوڑے برسائے جنھوں نے مکمل بیس سال تک ان پر اور ان کے پاک ساتھیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔ اور اخوان کو اپنی بخششوں سے نہال کرے کہ انھوں نے کیسی کیسی زہرہ گداز آمائشوں میں صبر واستقلال کی نہایت زریں مثال قائم کی۔ پوری خندہ جبینی کے ساتھ ایسی ایسی اذیتیں جھیلیں کہ ایک انسان ان کے تصور سے ہی کانپ اٹھے۔ اور وہ قید وبند کی مشقتوں اور جیل کی تاریکیوں میں بھی تحریکِ اسلامی کا پرچم لہراتے رہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ان اخوانی مجاہدین کے درجات بلند فرمائے جنھوں نے معرکۂ فلسطین میں جان کی بازیاں لگائیں اور شجاعت وبسالت کی نہایت شاندار مثالیں قائم کیں۔ حتیٰ کہ یہود اور یہود نواز طاقتیں، مصری فوجوں اور عرب سپاہیوں سے زیادہ ان مجاہدین سے ہی خائف رہتیں تو جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے اور خدا سے انھوں نے جو عہد باندھا تھا اس پر آخر دم تک قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں انعام واکرام کی وہ نورانی خلعت عطا فرمائے جو بس مجاہدین کے لیے خاص ہے۔

اے اللہ! تو ملأ اعلیٰ میں امام حسن البناؒ کی روح کو خوش رکھ اور انھیں مقرب ترین بندوں میں شامل فرما، کہ یہی وہ مردِ مجاہد ہے جس نے اخوان جیسی زبردست تحریکِ اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ اس نے ہزار ہا ہزار انسانون کی کایا پلٹ دی۔ ان کے اندر جہاد وسرفروشی کی نئی روح پھونک دی، اور ایک ایسی مومن، باعزم اور فولاد صفت نسل تیار کی کہ دشمنانِ اسلام نے گرچہ جور وستم کے بے تکان تیر چلائے اور جبر وتشدد کی خوب بھٹیاں دہکائیں مگر وہ جادۂ حق سے نہ ہٹے اور اسی شان کے ساتھ تحریکِ اسلامی کا پرچم لہراتے رہے۔

خدایا! تو ان سعید روحوں کی خدمات قبول فرما جنھوں نے محض تیری رضا کی خاطر دار ورسن کی دھمکیاں قبول کیں۔ استاذ عبدالقادر عودہؒ، شیخ محمد فرغلیؒ، استاذ یوسف طلعتؒ اور ان کے نیک دِل ساتھیوں، اسی طرح استاذ سید قطبؒ اور ان کے ساتھیوں عبدالفتاحؒ اسماعیل اور محمد ہواشؒ کو اپنی ردائے رحمت سے ڈھانپ لے۔

خدایا! تو انھیں ان بلند رتبوں سے سرفراز کر جو بس شہداء وصالحین کے لیے مخصوص ہیں۔ انھیں ان انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی صفوں میں جگہ دے جن پر تیرا خصوصی انعام ہوا۔

آخر میں، میں سارے اخوانی بھائیوں اور استاذ ہُضیبیؒ کے تمام عزیزوں، رشتہ داروں کی خدمات میں یہ تعزیتی پیغام بھیجتے ہوئے نم ناک آنکھوں اور غم زدہ دِل کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ وہ انھیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

امام حسن البنّا شہیدؒ

اٹھارہویں صدی سے مسلمانانِ عالم پر جو ہمہ جہتی زوال طاری ہونا شروع ہوا تھا، بیسویں صدی کے اوائل میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ کسی بھی قوم یا مِلّت کے زوال کا نقطۂ عُروج اس کے لیے ایک اہم تاریخی موڑ بھی ہوا کرتا ہے۔ اس وقت یا تو وہ بحیثیتِ قوم ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو جاتی ہے، یا یکا یک اس کی خود شناسی بیدار ہو اُٹھتی ہے اور اس کی زبوں حالی اس کے احساسِ خودی کے لیے تازیانہ بن جاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ازسرِ نو عزت واقبال کی زندگی حاصل کرنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ یہ خوش آئند انقلاب ان قوموں کی تاریخ میں آیا کرتا ہے، جن کی ایک طرف تو بنیادوں میں بھی توانائی موجود ہوا کرتی ہے۔ دوسری طرف قدرت کا بھی ارادہ اپنی کسی بالاتر اسکیم کے پیش نظر ان کے حق میں فضل واحسانِ نو کا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی نمایاں ترین مثال ہمیں بنی اسرائیل کی تاریخ میں ملتی ہے۔ جس کی تعبیر قرآن حکیم کے اندر وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ کے جامع الفاظ سے کی گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے بارے میں بھی اس وقت کچھ ایسا ہی ارادۂ الٰہی ظہور میں آیا ہے۔ جنگ عالم گیر ثانی کا شرِ عظیم ان کے حق میں جیسے ایک غیر مترقبہ خیر بن گیا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے کوئی تین درجن مسلم ممالک آزاد قوموں کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ اور اب اسی طرح کے ایک دوسرے غیر متوقع واقعہ۔ تیل کی بے پناہ دولت کے ظہور۔ نے ان میں سے کتنی ہی قوموں کے لیے اقتصادی آزادی اور سیاسی عظمت کے دروازے کھول دیے ہیں۔ دوسری طرف تجدید حیات کا ایک اور بھی انقلاب ان کے اندر پرورش پا رہا ہے۔ جس کی اہمیت اہل نظر کی نگاہوں میں اس سارے اقتصادی اور سماجی عروج سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس انقلاب سے

مرادوہ علمی اور دینی تحریکیں ہیں جو اکثر ممالک اسلامیہ کی اندر مختلف انداز میں اور مختلف سطحوں پر احیاء اسلام کے لیے سرگرم ہیں۔ دینی اصلاح کی انفرادی کوششوں سے تو یہ امّت بحمد للہ کبھی بھی غافل نہیں رہی۔ اسی طرح سیاسی اور اجتماعی سطح کی مساعی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں۔ مگر اسلام کے پورے نظام کو انسانی زندگی پر غالب و نافذ کر دینے کی عام، ہمہ گیر، منظّم اور فکری اسلحوں سے مسلح جدوجہد کا ظہور جس طرح ماضی قریب سے ہوا ہے، وہ ایک خاص نوعیت رکھتا ہے۔

اقامت و غلبۂ اسلام کی ان منظّم تحریکوں میں سرزمین مصر سے برپا ہونے والی تحریک۔ الاخوان المسلمون۔ اپنے وسیع حلقۂ اثر، اپنی تیز رفتار ترقی اور اپنے جذبۂ ایثار و قربانی کے لحاظ سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس تحریک کے بانی حسن البنا شہیدؒ تھے۔ آپ نے ایک علمی خاندان میں آنکھیں کھولی تھیں۔ والد ماجد ایک ذی علم بزرگ تھے۔ اس طرح دین کا گہرا علم حسن البنا کو گویا وراثت میں ملا تھا۔ مگر یہ ان کی شخصیت کا اصل جمال نہ تھا۔ ان کا اصل جمال وہ غیر معمولی جوش و اضطراب تھا، جو دین کو مسجدوں اور خانقاہوں کی محدود فضا سے آگے۔ بہت آگے لے جا کر اسے پوری زندگی پر محیط کر دینے کے لیے ان کے سینے میں موجزن رہا کرتا تھا۔ وہ بڑی مؤثر اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ علم و معرفت، اخلاص و انابت، حرکت و عمل، تحریکیت اور تنظیم، تعلیم و تربیت، سعی و جہد، دل سوزی و جاں نوازی، قربانی و جاں فروشی، ان سب چیزوں کے مجموعے کا نام حسن البنا تھا۔ ان کی تحریک احیائے دین بڑی تیزی سے اطراف ملک میں پھیلتی گئی اور جلد ہی مصر کے باہر دوسرے عرب ممالک میں بھی اسے اچھی خاصی مقبولیت حاصل ہوگئی اور مصر میں تو اس کے وابستگان کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی تھی لیکن جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ تحریک کا حلقہ جوں وسیع ہوتا گیا، اقتدار وقت کی پیشانی پر بل پڑتا گیا اور مظالم کا سلسلہ جاری ہوگیا، جس کی ابتدا خود حسن البنا کی شہادت سے ہوئی۔ مصر کی مسلمان حکومت کے ایماء پر تحریک اخوان کے اس جلیل القدر بانی اور مرشد عالم کو دن دہاڑے خاک و خون میں تڑپا دیا گیا۔ (رحمہ اللہ و رضی عنہ) تحریک کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے متوسلین کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ بعد میں جب شیخ حسن الہضیبیؒ اخوان کے مرشد عام منتخب ہوئے تو ان حالات میں قدرے اعتدال پیدا ہوگیا اور اخوان کو کچھ عرصہ کے لیے اپنا مشن جاری رکھنے کے مواقع پھر میسر آگئے۔ لیکن جب کرنل جمال عبدالناصر برسر اقتدار آئے تو تحریک کا افق پھر تاریک بلکہ تاریک تر ہوگیا۔ وہ

غیر قانونی اور اس کے نام لیوا گردن زدنی قرار پا گئے۔ جیلوں میں ان پر ایسے ایسے مظالم کئے گئے جن کے تصور سے انسانیت اور جمہوریت کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں۔

حسن ہضیبی مرحوم کا خود اپنا بیان ہے کہ جیلوں میں ان پر اور ان کے ساتھیوں پر تعذیب کے لیے خوں خوار کتے چھوڑے جاتے تھے۔ اور یہ کہ انھیں صرف ایک برتن دیا گیا، جس کو پانی پینے کے لیے بھی استعمال کرنا ہوتا تھا اور پیشاب کرنے کے لیے بھی۔

پھر عبدالقادر عودہ شہیدؒ اور سید قطب شہیدؒ جیسے دینی وملّی اساطین کو جس طرح تختۂ دار کی نذر کر دیا گیا اور اس سلسلے میں انصاف کے بنیادی تقاضوں تک کو جس طرح پامال کیا گیا، اس سے پوری دنیا واقف ہے۔ سید قطب شہیدؒ کی تو لاش تک ان کے ورثاء کو نہیں دی گئی۔ حتیٰ کہ یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی قبر کہاں بنائی گئی۔ اور بنائی بھی گئی یا نہیں!

دوسرے عرب ممالک میں اس ظلم و بربریت کا مظاہرہ تو نہیں کیا گیا۔ مگر جہاں تک تحریک کو خلاف قانون قرار دینے کا تعلق ہے۔ کوئی ملک پیچھے نہیں رہا۔

تحریک اخوان کی یہ سرگزشت جب بھی یاد آتی ہے، وقت کے مشہور صاحب نظر کا یہ قول ذہن کے پردے پر ابھر آتا ہے کہ احیائے دین کی جس جدوجہد کے جرم میں غیر مسلم حکومتیں قید و بند کی سزا دیں گی، مسلم حکومتیں پھانسی سے کم پر راضی نہ ہوں گی۔

کرنل ناصر کے بعد انور سادات برسر اقتدار آئے تو اخوانیوں کی معتوبیت کی شدت بڑی حد تک کم ہوگئی لیکن ان کی تحریک اور جماعت پر پابندی بدستور عائد ہے۔ اور اب بھی کوئی دو سو کے قریب اخوانی جیلوں میں بند ہیں۔ جن کی رہائی کے لیے مکہ معظّمہ میں ۶/اپریل سے ۱۰/اپریل ۱۹۷۴ء تک منعقد ہونے والی تنظیمات اسلامیہ کی عالمی کانفرنس نے اپیل کی ہے، بلکہ مطالبہ کیا ہے، خدا کرے اسے قبول کر لیا جائے۔ اور تاریخ اسلامی کا یہ تکلیف دہ باب بند ہو جائے۔

تحریک اخوان کے ساتھ اتنا بھیانک اور نامعقول رویہ کیوں اپنایا گیا؟

اس سوال کا جواب تاریخ یہی دیتی ہے کہ جاہلیت نے چاہے وہ خالص ہو یا مخلوط، خالص حق اور ٹھیٹھ اسلام کو کبھی برداشت نہیں کیا ہے اور یہی اس کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ چنانچہ جب بھی اللہ کے دین نے قدم آگے بڑھایا ہے اس نے سختی سے اور ہر ممکن طریقے سے اس کی راہیں روکی ہیں۔ ایک طرف تو جبر و تشدد کا بازار گرم کیا ہے دوسری طرف تہمتوں، افتراء پردازیوں

اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے اس کا چہرہ مسخ کرنے کی دیوانہ وار کوششیں کی ہیں۔

تحریک اخوان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ غیروں سے کہیں بڑھ کر خود اپنوں کی طرف سے ہوا۔ اس کے خلاف سازشیں ہوئیں۔ جھوٹے الزامات تصنیف کیے گئے، اسے بدنام کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں اور قوم وملت کی سب سے بڑی خدمت یہ سمجھی گئی کہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے۔

یہ کتاب۔ مجاہد کی اذاں۔ بانی تحریک حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل ومقالات کا اردو ترجمہ ہے، جو امام موصوف نے اپنی دعوت کی وضاحت اور تحریک کے تعارف کے لیے سپرد قلم فرمائے تھے۔ جو لوگ بھی تحریک اخوان کو روس، امریکہ اور یورپ کی متعصب اور اسلام دشمن خبر رساں ایجنسیوں اور ناصر ازم کی زبان سے نہیں، بلکہ خود اس کی اپنی زبان سے سمجھنا چاہتے ہیں، انھیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا ترجمہ عزیزی مولوی محمد عنایت اللہ اسد سبحانی نے کیا ہے، جو ایک فاضل عربی داں ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس ترجمے کے بارے میں صحت کا اطمینان نہ رکھا جائے وہ اس سے پہلے بھی سید قطب شہیدؒ کی مشہور عالم کتاب ''معالم فی الطریق'' کا ترجمہ کر کے نقوش راہ کے نام سے اُردو دانوں کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ جس سے ذوق مطالعہ رکھنے والے ناواقف نہ ہوں گے۔ امید ہے اب ان کی یہ دوسری پیش کش بھی مقبول ہوگی۔ دعا ہے کہ یہ نہ صرف مقبول ہو، بلکہ لوگوں کے دلوں میں حسن البنا شہیدؒ کے قلب مضطرب کی دھڑکنیں پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

۲۸/مئی ۱۹۷۴ء صدرالدین

چراغ تو چراغ ہی سے جلتے ہیں

علمی یادگاروں اور تصنیفی کارناموں کے اعتبار سے امت مسلمہ کسی بھی قوم سے ہرگز فروتر نہیں۔ ہر دور میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے بیشتر تو اپنے مصنفین کی بے سروسامانیوں اور زمانے کی ناقدریوں کے باعث ضائع ہوگئیں لیکن ان کا بہت تھوڑا حصہ جو بچ رہا ہے وہ بھی اتنا زیادہ ہے کہ بڑی سے بڑی ترقی یافتہ قوم کے مقابلے میں بلا تکلف اسے پیش کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اس قلمی سرمایہ میں سے بہت کم حصہ ایسا ہے جو انسان کے قلب و دماغ پر انقلاب آفریں اثر ڈالتا ہو۔ جس نے دلوں کی دنیا بدل دی ہو، جس سے اخلاق و کردار کی کایا پلٹ گئی ہو۔ ایسے خوش قسمت اہل قلم انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جن کی تحریریں براہ راست دل میں اتر جاتی ہیں۔ جن کے قلم کی کاٹ تلوار سے زیادہ ہوتی ہے اور جن کی قوت تسخیر بڑے بڑے لشکروں پر سبقت لے جاتی ہے۔

بڑے بڑے علمی دقائق اور بیش بہا رموز و نکات کو کاغذ کے صفحات پر پھیلا دینا بالکل دوسری بات ہے، اور ان میں زندگی کی حرارت اور عمل کا ولولہ سمو دینا بالکل دوسری بات ہے۔ اس کے لیے محض لائبریریوں کو کھنگال لینا اور قدیم و جدید علمی سرمایوں کو ہضم کر لینا کافی نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس نکتے کو ایک تمثیل کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتوں کی بارش کرے۔ خوب بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

شنیدم شبے در کتب خانۂ من — بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
بہ اوراق سینا نشیمن گرفتم — بسے دیدہ ام نسخۂ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمت زندگی را — ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی

تپش می دہد بال و پر زندگی را
تپش می کند زندہ تر زندگی را

حقیقت یہی ہے کہ کاغذ پر بکھری ہوئی سیاہی سے دلوں کی دنیا نہیں روشن ہوتی۔ چراغ تو چراغ ہی سے جلتے ہیں۔ اگر صاحب قلم کے دل میں تپش نہ ہوتو اس کے الفاظ بے جان و بے اثر ہوں گے۔

اگر ایں کار را کار نفس دانی چہ نادانی

دم شمشیر اندر سینہ باید نے نوازی را

اس ملت پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار عنایتوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی بھی دور ایسے اہل قلم سے خالی نہیں رہا۔ قریب ترین ماضی میں امام حسن البنا شہیدؒ کا شمار بلا خوف تردید ایسے ہی نوادر روزگار میں کیا جا سکتا ہے۔ امام شہیدؒ بلا شبہ اس صدی میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ ان کی شخصیت کی دلآویزی، ان کی تقریروں کی سحر آفرینی اور ان کی تحریروں کی انقلاب انگیزی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اس کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں، کسی بھی ایسے شخص سے دو منٹ کے لیے مل لیجئے جو امام شہیدؒ کا صحبت یافتہ ہو۔ ان کی کوئی چھوٹی بڑی تحریر پڑھ ڈالیے، آپ کو یقین ہو جائے گا کہ امام موصوف کے دل میں کوئی برقی قوت تھی جس کی رو ہر اس شخص میں سرایت کر جاتی تھی جو ان سے ایک دفعہ بھی مل لیتا تھا، اور ان کی تحریروں میں ایسا جادو ہے جو پڑھنے والے کو مسحور کیے بغیر نہیں رہتا۔

امام حسن البنا شہیدؒ کے متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل کا ایک مجموعہ ''رسائل حسن البنا'' کے نام سے شائع ہوا ہے جو اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ ان میں اسلامی زندگی کے بہت سے عملی پہلوؤں کی بے لاگ اور جرأت مندانہ وضاحت کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ تمام مسلمانوں کے لیے کارآمد ہے۔ ساتھ ہی اس میں دور حاضر کی سب سے جان دار تحریک ''الاخوان المسلمون'' کے مقصد، طریق تبلیغ و تربیت وغیرہ کی وضاحت بھی ہے اور چوں کہ براہ راست بانی تحریک کی جانب سے ہے۔ اس لیے ان رسائل کی حیثیت ''الاخوان المسلمون'' کے سلسلے میں معتبر ترین تاریخی دستاویز کی بھی ہوگئی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیز گرامی مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی نے ان کا ترجمہ اردو میں کر دیا ہے۔ موصوف اس سے پہلے سید قطب شہیدؒ کی کتاب ''معالم فی الطریق'' کا ترجمہ ''نقوش راہ'' کے نام سے کر چکے ہیں، جو بہت زیادہ مقبول ہوا، ان ہی رسائل میں سے ایک

رسالہ ''رسالۃ التعلیم'' کا ترجمہ ''زادوراحلہ'' کے نام سے شائع کر کے بھی نیک نام ہو چکے ہیں۔اب پورے مجموعے کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔مترجم پوری اردو خواں دنیا کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں، کیوں کہ یہ اردو زبان کے دینی لڑیچر میں اہم اضافہ ہے۔میں نے ترجمہ پڑھا ہے۔بہ حیثیت مجموعی بہت کامیاب ہے۔مجھے پوری امید ہے کہ ''نقوش راہ'' کی طرح یہ کتاب بھی شرف قبول حاصل کرے گی۔

اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریریں مصر میں لکھی گئی ہیں۔تحریر میں اپنے زمانہ اور مخاطب کے لحاظ سے بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔اس لیے ان کو سمجھنے میں بھی اور ان سے استفادہ کرنے میں بھی اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف اور مترجم دونوں کو ہی اپنے فضل سے نوازے، اور مجھے اور سارے مسلمانوں کو اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

عبیداللہ رحمانی مبارک پوری ۲رذی الحجّہ ۱۳۹۳ھ

شیخ بنا کی شخصیت

ایک معنوی ''تاج محل''

اس وقت جو ''علمی وفکری تحفہ'' ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ دراصل اس دور کے سید الشہداء امام حسن البنا شہیدؒ کے روشن اور تابناک دل و دماغ کی چند نورانی شعائیں ہیں۔ حسن البنا شہیدؒ تاریخ کی ان مایۂ ناز ہستیوں میں سے تھے جنہیں ہم انسانیت کا عطر کہہ سکتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ان ہمالہ صفت شخصیتوں میں سے تھے جو آسمانوں اور زمین کی ہزاروں گردشوں کے بعد کہیں نمودار ہوا کرتی ہیں۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

قدرت نے ان کو علم و فضل، فکر و نظر، دعوت و عزیمت، سعی و طلب، اخلاق و کردار، غرض ظاہر و باطن کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جمال و کمال کی گوناگوں تجلیاں ان کی ذات میں مرکوز تھیں، انھوں نے اپنی ایک زندگی میں نہ جانے کتنی پر جمال و پر جلال زندگیاں سمولی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے شہرت و عظمت کی تاجداری اور دیدہ و دل کی فرماں روائی کی۔ ان کی زندگی علم و عمل، فکر و نظر، دعوت و تبلیغ اور سعی و جہد کے مختلف میدانوں میں شہ سواری کرتی اور شکوہِ قیادت دکھاتی رہی اور زیادہ شگفتہ اسلوب میں یوں کہہ لیجئے:

زندگی - ایک عروس فضل و کمال!

ان کی زندگی دراصل ایک عروس فضل و کمال تھی، جو مختلف رنگوں، مختلف خوشبوؤں، مختلف رعنائیوں اور مختلف لطافتوں کے حسین امتزاج سے ایک نمونۂ حسن و جمال بن کر رہ گئی تھی، جس نے

دیکھتے دیکھتے عالم اسلام کی بے شمار سلیم الفطرت روحوں کو اپنی جمال آرائیوں، اعجاز پاشیوں اور بہار آفرینیوں سے مسحور کرلیا تھا۔ وسیع و روشن دماغ، فصیح و بلیغ زبان، پرسوز اور دردمند دل، سحر انگیز اور دل ربا اخلاق، پر جمال اور جاں نواز شخصیت۔

اے آسمان مصر کے تارو!
اے سرزمین نیل کے کہسارو!

تمہاری نگاہوں نے بھی تو تاریخ انسانی کے اس ہیرو کا نظارہ کیا ہوگا؟ تمہارے کانوں نے بھی تو امت اسلامیہ کے اس بلند نگاہ، دل نواز اور دردمند رہ نما کی باتیں سنی ہوں گی، کس قدر خوش نصیب ہو تم! کیا ہمیں بھی تم اس محبوب رہ نما کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟

ہماری تمنا تھی کہ اس دلآویز شخصیت، آہن ربائی شخصیت، ہمالیں شخصیت، تاریخ ساز شخصیت، مسلم وقانت شخصیت کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہوتی۔ اس کی شخصیت کا کوئی پہلو ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتا۔ مگر زمانے کی نیرنگی کہیے یا ابنائے ملت کی ستم ظریفی کہ اس عظیم رہ نما کی شخصیت وسیرت کا کوئی مفصل تذکرہ اب تک ہمارے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکا۔ مگر پھر بھی ایک قمیص کے طول وعرض کو سامنے رکھ کر جس طرح صاحب قمیص کے قد وقامت کا اندازہ لگالینا مشکل نہیں، اسی طرح امام شہیدؒ کی تڑپتی ہوئی پرسوز تقریروں، لافانی تحریروں اور زندہ جاوید تاریخی کارناموں کے آئینے میں ان کی دلآویز شخصیت کا پورا عکس دیکھ لینا ایک صاحب نظر کے لیے کچھ دشوار نہیں، بلکہ سچ پوچھیے تو تحریروں اور علمی کارناموں کی شہادت زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہوگی کہ ایک تذکرہ نویس کے راہوار قلم سے تو لغزش ہوسکتی ہے مگر تحریروں یا عملی کارناموں کی زبان کبھی خطا نہیں کرسکتی۔

امام شہیدؒ کی پرسوز تحریروں اور لافانی کارناموں کے آئینے میں جب ہم ان کی شخصیت کا نظارہ کرتے ہیں تو یقین مانیے ہم اپنے آپ کو یہ کہنے پر مجبور پاتے ہیں کہ شیخ کی شخصیت اس دور کا ایک معنوی "تاج محل" تھی کہ جس رخ اور جس زاویے سے بھی دیکھیے

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

پرکشش شخصیت

یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت میں بڑی ہی تاثیر، بڑی ہی کشش اور ایک عجیب وغریب

قوتِ تسخیر تھی، جس سلیم الفطرت انسان کی بھی نگاہ ان پر پڑتی وہ ان کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہتا۔ دوستوں اور نیاز مندوں کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ تو شیخ پر اپنی جان چھڑکتے۔ چنانچہ کسی مصری اخبار نے ایک بار بطورِ طنز لکھا تھا جو دراصل انتہائی اعتراف تھا ان کی اسی ہر دل عزیزی کا، کہ "اگر شیخ حسن البناؒ کو اسکندریہ میں چھینک آئے تو اسوان (مصر کی جنوبی سرحد) میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کی صدائیں سنی جائیں۔"

حکایت بڑی لذیذ تھی، اور جی چاہتا تھا کہ ہم یہاں پوری درازنفسی سے کام لیتے اور امام شہیدؒ کی زندگی، ان کی خصوصیات اور عظیم الشان کارناموں پر کھل کر بحث کرتے، لیکن یہاں ان تفصیلات کا موقع نہیں۔ اس لیے ہم مجبوراً امامؒ کی بوقلموں شخصیت کے صرف ایک نمایاں پہلو پر ہی روشنی ڈالیں گے۔ اور اس میں بھی حتی الامکان اختصار سے کام لیں گے۔

زندگی کا سب سے دل نواز پہلو

ہمارے نزدیک امام موصوف کی زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز اور دل نواز پہلو یہ ہے کہ وہ بچپن ہی سے فسق و فجور اور بے حیائی کے خلاف احتجاج کی ایک چنگاری تھے، زبردست چنگاری۔ ایسی چنگاری جو کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی سرد نہ ہو، ان کو یہ بجھا ہوا ایمان کبھی راس نہ آیا، جو صاحب ایمان کو متحرک اور بے تاب نہ کر دے۔ پھر جوں جوں ان کی عمر بڑھتی گئی، ایمان کی یہ چنگاری بھڑکتی اور دہکتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ایک شعلۂ جوالہ بن گئی جس نے انھیں سرتاپا سوز و تپش سے بھر دیا، اور پھر یہی سوز و تپش بعد میں ان کی تحریروں میں منتقل ہو کر لوگوں کے سینوں کو گرماتی اور ان کے خرمنِ غفلت کو خاکستر کرتی رہی۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے اور دوسروں کے درمیان فرق صرف یہ ہے کہ ان کا ایمان اونگھ رہا ہے، سو رہا ہے، وہ اس کی نہ کوئی بات ماننے کے لیے تیار ہیں نہ اس کے مطابق سرگرم عمل ہونے کے لیے جب کہ یہی ایمان اخوان کے پہلوؤں میں زندہ و بیدار اور دہکتا ہوا پُرسوز ایمان ہے۔"

بچپن سے ہی قیادت

محسوس ایسا ہوتا ہے کہ قدرت نے حسن البنا کو ایک داعی، ایک مبلغ، ایک قائد اور ایک رہ نما کی حیثیت سے پیدا ہی کیا تھا۔ ان کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ وہ باطل کے خلاف صف آرا

ہوں، اور ایک صالح اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ طالب علمی ہی کے زمانے میں مڈل اسکول کے اندر طلبہ کی قیادت کے لیے نامزد ہو جاتے ہیں۔ اسکول میں ''انجمن اخلاق حسنہ'' کی تشکیل ہوتی ہے تو صدارت کے لیے ساتھی موصوف ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔ پھر یہاں سے فارغ ہونے کے بعد بھی امام موصوف نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور اس سلسلے میں مختلف مدرسوں اور اسکولوں میں رہنے کا موقع ملا، مگر جہاں کہیں بھی وہ رہے مقامی طور پر ایک اصلاحی تنظیم قائم کی اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

یہ دعوتی کام موصوف نے مسجدوں اور مدرسوں میں بھی کیا اور ساتھیوں کو لے کر ہوٹلوں اور چائے خانوں میں بھی گئے اور وہاں بھی عوام کو وعظ و تلقین کی۔ جن لوگوں سے گفتگو کا موقع ملا ان سے براہ راست گفتگوئیں کیں۔ اور جن سے براہ راست ملنا ممکن نہ ہوا ان کو خطوط کے ذریعے برائیوں اور معصیت کاریوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔

دو تمنّائیں

امام موصوف کو دعوت و تبلیغ کی کس قدر دھن تھی، اور کس طرح ہر آن ان کے ذہن و دماغ پر یہ فکر مسلط رہتی تھی؟ اس کا اندازہ ہم اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ کالج کے دوران قیام جب امتحان میں مقالہ لکھنے کے لیے انھیں یہ موضوع دیا گیا۔ ''یہاں سے فراغت کے بعد آئندہ زندگی کے لیے تمہاری بڑی سے بڑی تمنا کیا ہے؟'' تو امام موصوف نے پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ اپنی دو تمناؤں کا اظہار کیا، انھوں نے لکھا:

''میری ایک خواہش تو یہ ہے کہ میں اپنے اعزہ و اقرباء کے لیے سرتاسر باعث خیر و برکت ثابت ہوں۔ اور انھیں آرام پہنچانے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کروں۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ معلم اور مصلح بنوں، دن میں بچوں کو تعلیم دوں اور رات میں ان کے سرپرستوں کی تربیت کروں، اور ان کو سرچشمۂ سعادت سے روشناس کرا کے زندگی کی حقیقی لذتوں سے شاد کام کروں اور اس سلسلے میں موقع بہ موقع تقریر و گفتگو، تصنیف و تالیف اور گشت و سفر ہر ایک سے کام لوں۔''

عالم اسلام میں شدید فکری بحران

امام حسن البناؒ ابھی دار العلوم میں طالب علمی ہی کی زندگی گزار رہے تھے کہ پورا ماحول

شدید ذہنی وفکری بحران میں مبتلا ہو گیا۔ آزادی رائے اور حریت فکر ونظر کے نام سے باطل افکار، غلط نظریات، زہریلے عقائد اور فاسد تخیلات نے پورے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ شخصی آزادی کے نام پر لوگوں نے اخلاق وشرافت سے ناطہ توڑ لیا اور الحاد ودہریت اور آوارگی و بے راہ روی کے عفریت ہر چہار سو دندنانے لگے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں ترکی میں انقلاب آ گیا اور اس نے خلافت کو تاراج کر کے بے دین سیاست کا پرچم لہرایا اور پھر انجام سے غافل عوام مغرب کے مادی افکار کی طوفانی لہروں کے ساتھ بہنے لگے۔ آلات نشر واشاعت حرکت میں آ گئے اور ایسے رسائل واخبارات اور کتابوں کی بھرمار ہو گئی جو رہزن دین وایمان بن کر عوام کی دینی حس کو غارت کر سکیں، اور اس طرح انھیں عملی وفکری ہر لحاظ سے آوارہ و بے مہار بنا کر چھوڑ دیں۔

شیخ بنّا کا اضطراب

گرچہ اس نازک صورت حال سے دینی حلقوں میں ایک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن مصر کی اکثریت یا تو ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تھی جو ان رنگینیوں پر ہی فریفتہ تھے یا ان عوام کالانعام کی تھی جو کسی صحیح قیادت سے محروم ہونے کی وجہ سے ان امور پر کچھ سوچنے کے ہی روادار نہ تھے۔ یہ صورت حال حسن البناؒ کے ذہن ودماغ پر غم واندوہ کی بجلی بن کر گری۔ وہ شدید ذہنی کوفت میں مبتلا ہو گئے۔ اور پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ اپنے مخلص اور نیک دل دوستوں کو حالات کی نزاکت کا احساس دلائیں۔

اس وقت ''المکتبة السلفية'' خوددار اور غیرت مند علمائے اسلام کا مرکز تھا۔ امام حسن البناؒ کثرت سے وہاں جاتے اور ان لوگوں سے ملاقاتیں کرتے۔ الاستاذ رشید رضا کی مجلسوں میں بھی برابر شرکت کرتے، وہاں دوسرے اہل علم اور اصحاب فضل سے بھی ملاقاتیں ہوتیں۔ ان سارے ہی لوگوں سے مل کر حسن البناؒ انھیں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے اور حالات کی نزاکت کا احساس دلاتے اور اس طرح کچھ انھیں بھی تسکین ہو جاتی۔

راتوں کی نیند اڑ گئی

لیکن الحاد ودہریت کے اس زبردست ریلے کا مقابلہ کرنے کے لیے بس اتنا ہی تو کافی نہ تھا۔ چنانچہ شیخ حسن البناؒ برابر فکر مند رہے، اور یہ فکر مندی بڑھتی ہی گئی، یہاں تک کہ وہ ماہیِ بے آب

بن کر تڑپنے لگے۔ اس سال کا تقریباً نصف رمضان انتہائی بے کلی کی حالت میں گزرا۔ آنکھوں سے جیسے نیند اڑ گئی اور سونا مطلق حرام ہو گیا۔

اس وقت انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلم سربراہوں سے ملاقاتیں کریں، انھیں اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر آمادہ کریں۔ ان سے اپیل کریں کہ وہ اس طوفان کے مقابلے کے لیے اٹھیں۔ چنانچہ ان سربراہوں سے بار بار ملاقاتیں کیں۔ اسی سلسلے میں شیخ یوسف دجوی سے جو حسن البنّاؒ کے محبوب استاذ بھی تھے اور نابینا تھے، تند و تلخ گفتگوئیں بھی ہوئیں۔ امام حسن البنّاؒ نے جب شیخ دجوی کے سامنے اپنی باتیں رکھیں تو شیخ نے بڑے رنج و افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ان پرفتن حالات میں امت واقعی بڑے نازک موڑ پر کھڑی ہے۔ پھر ان شر پسند اور فتنہ انگیز عناصر کے مقابلے میں اپنی بے سروسامانی اور ضعف و ناتوانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''علمائے ''ازہر'' نے کتنی ہی کوششیں کیں اس موج بلا کو روکنے کے لیے، لیکن ان کی ایک نہ چلی۔'' آخر میں شیخ دجوی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کوششوں کا کوئی حاصل نہیں۔ اس وقت تو کسی شخص کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ خود اپنے دامن کو تر ہونے سے بچا لے۔

شیخ بنّا کی پُرسوز تقریر

حسن البنّاؒ نے جواب دیا:

''میرے محترم! مجھے آپ کی باتوں سے اتفاق نہیں، میرا خیال ہے کہ یہ محض آپ حضرات کی کمزوری ہے۔ یہ میدانِ عمل سے فرار اور ذمہ داریوں سے گریز ہے۔ آپ حضرات کو کس سے اندیشہ ہے؟ حکومت سے یا ازہر سے؟ گزر اوقات کے لیے آپ کے پاس بہت ہے، گھر میں بیٹھیے اور اسلام کے لیے جدوجہد کیجیے۔ یقین کیجیے اگر آپ لوگ میدان میں اتر آئیں تو رعایا آپ کے ساتھ ہے، کیوں کہ رعایا مسلم ہے۔

میں نے مسجدوں، قہوہ خانوں اور بازاروں میں جا جا کر اس کا جائزہ لیا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ ایمانی ولولوں سے سرشار ہے۔ البتہ انتہا پسند کمیونسٹوں اور الحاد و دہریت کے علم برداروں کے ہاتھوں اس کی قوتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ان کمیونسٹوں اور دہریت پسندوں کا یہ زور صرف اس لیے ہے کہ آپ لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ بیدار ہو جائیں تو یہ بلوں میں روپوش ہو جائیں۔

میرے محترم استاذ! اگر آپ لوگ خدا کے نام پر اٹھنے کے لیے تیار نہیں، تو اپنی روزی روٹی کے لیے ہی حرکت میں آجائیں، کیوں کہ یہ امت اگر اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھی تو نہ یہ ازہر رہے گا اور نہ یہ علماء، اس وقت نہ کھانے کو روٹی ملے گی نہ عیش کے یہ سامان۔ تو آپ لوگ کم از کم اپنی ہی فکر کیجیے، اگر اسلام کی فکر نہیں کرتے، دنیا ہی کے لیے حرکت میں آیئے۔

اگر آخرت کے لیے متحرک نہیں ہوتے ورنہ دنیا بھی جائے گی اور عقبیٰ بھی۔''

حسن البناؒ کے لہجہ میں اس وقت بڑا ہی گداز، بڑا ہی جوش وخروش اور بڑی ہی شدت تھی۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے اس پر انھیں ملامت بھی کی اور شیخ کی دلآزاری اور اسلام اور علمائے اسلام کی بے حرمتی کا الزام دیا۔ مگر ایک شخص نے حسن البناؒ کی حمایت کی۔ اس طرح مجلس دو فریقوں میں بٹ گئی۔ اس موقع پر کچھ دیر تک تو شیخ پر سکوت طاری رہا، پھر بات ختم کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا، بہر صورت اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی خوش نودی کے کام کرنے کی توفیق دے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسی بھی مقصد کا حصول جدوجہد پر ہی منحصر ہے، اور سارے معاملات اللہ کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ شیخ محمد سعد سے ملاقات کا وقت ہو گیا، چلیں اب ان سے مل آئیں۔

اس طرح سب لوگ شیخ محمد سعد کی قیام گاہ پر چلے آئے۔ وہاں بھی جوان حسن البنا نے شیخ دجوی کے قریب ہی بیٹھنا پسند کیا تا کہ ان سے اپنی گفتگو جاری رکھ سکیں۔ مہمانوں کی ضیافت کے لیے شیخ محمد سعد نے کچھ شیرینی منگائی، شیخ دجوی جب اسے کھانے کے لیے آگے بڑھے تو حسن البناؒ بھی ان کے ساتھ تھے مگر شیخ دجوی کو اس کا پتا نہ تھا۔ اس لیے کہ وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ پھر شیخ دجوی کو کچھ محسوس ہوا کہ ان کے پہلو میں کوئی اور بھی ہے۔ پوچھا ''کون ہے؟'' جواب ملا حسن۔'' فرمایا۔ ''اچھا، تم بھی ہمارے ساتھ آ گئے؟'' حسن البناؒ نے جواب دیا۔ ''ہاں، میرے محترم! اور میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، جب تک بات کسی نتیجہ پر نہ پہنچ جائے۔'' شیخ دجوی نے ہاتھ میں شیرینی لی اور حسن البناؒ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا، لو، یہ کھاؤ، ان شاء اللہ غور کریں گے۔ اس جوان صالح کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

دوسری پرسوز تقریر

''سبحان اللہ! موجودہ صورت حال مزید غور وفکر کی متحمل کیوں کر ہو سکتی ہے، وہ تو

جہد و عمل کا مطالبہ کرتی ہے۔ مجھے اگر اس شیرینی ہی کی خواہش ہوتی تو میں یہاں تک آنے کی زحمت کیوں اٹھاتا، ایک قرش میں تو بیٹھے بٹھائے لذت کام و دہن کا سامان ہو جاتا۔ میرے محترم! اسلام کتنی زبردست کشمکش سے دوچار ہے، مگر اسلام کے سپاہی اور مسلمانوں کے سربراہ کس طرح عیش و تنعم کی سرمستیوں میں غرق ہیں۔ کیا آپ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں فرمائے گا؟ اگر آپ لوگوں کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ اسلام کے حامی و ناصر اور مسلمانوں کے سربراہ ہوں تو بتائیے، میں ان ہی سے جا کر ملوں۔ ہوسکتا ہے وہاں وہ چیز مل جائے جس کی مجھے تلاش ہے کہ آپ لوگوں کے جیب و دامن تو اس سے بالکل خالی نظر آتے ہیں!!''

درد و کرب اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی اس گفتگو نے پوری مجلس کو ہلا کر رکھ دیا۔ شیخ دجوی کی آنکھوں سے جیسے آنسوؤں کے دوسوتے پھوٹ پڑے۔ روتے روتے ان کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ بھی اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

پھر شیخ نے مہر سکوت توڑتے ہوئے انتہائی دل گیر اور پر سوز لہجے میں فرمایا، حسن! میں کیا کروں؟

حسن البنا نے جواب دیا، میرے مہربان، پریشانی کی کوئی بات نہیں، خدا کسی پر طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا۔ میری تجویز ہے کہ جن ارباب علم و فضل اور اصحاب جاہ و منزلت کے سینوں میں ہم دینی غیرت و حمیت محسوس کریں۔ ان کے نام لکھ لیں، پھر انھیں وقت کے تقاضوں کی طرف متوجہ کریں اور ان سے کہیں کہ وہ الحاد اور کمیونزم کے ترجمان رسائل و اخبارات کے مقابلے میں کم از کم کوئی ہفت روزہ نکالیں، ان کی زہر آلود کتابوں کے بخیے ادھیڑنے کے لیے کچھ لٹریچر تیار کریں، نوجوانوں کو یک جا کرنے کے لیے کچھ تنظیمیں قائم کریں اور وعظ و تلقین کے کاموں کو تیز سے تیز تر کردیں......''

شیخ دجوی نے جواب دیا۔ ''بہت خوب۔'' اور پھر انھوں نے شیرینی کی طشت اندر بھجوادی اور قلم و قرطاس منگا کر فرمایا، لکھو! اس طرح اسی وقت اصحاب علم و فضل کی ایک لمبی فہرست تیار ہوگئی۔ پھر شیخ دجوی نے فرمایا۔ ''ہم میں سے ہر ایک اپنے حلقۂ تعارف میں کام کرے۔ پھر ان شاء اللہ ایک ہفتہ بعد ہم ملیں گے۔''

اس کے بعد بار بار ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور اس طرح ایک جمعیت کی

تشکیل ہوگئی ـــــ عیدالفطر کے بعد پابندی سے ان کے اجتماعات بھی ہوتے رہے۔

مجلۃ الفتح کا اجراء

اور پھر کچھ ہی دنوں بعد اسلامی اقدار کا بے لاگ ترجمان ''مجلۃ الفتح'' نہایت آب وتاب کے ساتھ منصۂ شہود پر نمودار ہوا۔ اس کے چیف ایڈیٹر شیخ عبدالباقی سرورنعیم تھے اور ایڈیٹر سید محبّ الدین خطیبؒ۔ پھر کچھ دنوں بعد چیف ایڈیٹر بھی وہی ہوگئے۔ ان کی جدت آفریں طبیعت نے اس رسالے کو خوب ترقی دی۔ یہاں تک کہ بہت جلد ہی وہ آسمان صحافت پر نیر تاباں بن کر چمکنے لگا۔ غیرت مند تعلیم یافتہ جوانانِ اسلام کے لیے تو وہ مشعل نور اور قندیل ہدایت ثابت ہوا۔

ان چند متبرک ہستیوں نے اپنی عملی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ حسن البنا کے وہاں سے چلے جانے کے بعد بھی کام میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر یہی پرخلوص دعوتی سرگرمیاں آگے چل کر ''جمعیۃ الشبان المسلمین'' (تنظیم جوانانِ اسلام) کی تشکیل کا سبب بنیں۔

جون ۱۹۲۷ء میں حسن البنا نے دارالعلوم سے ڈپلوما حاصل کیا جب کہ ان کی عمر صرف اکیس سال تھی اور اس کے بعد ہی ''اسماعیلیہ'' کی ایک درس گاہ میں درس وتدریس کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں، چنانچہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۲۷ء کو بروز دوشنبہ وہ ''اسماعیلیہ'' کے لیے روانہ ہوئے۔ ''اسماعیلیہ'' پہنچ کر کچھ دنوں تک تو حسن البنا وہاں کے دینی ومعاشرتی حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

قہوہ خانوں میں درس

پھر انھوں نے بڑے بڑے قہوہ خانوں کا انتخاب کیا، جہاں ہزاروں افراد کا جمگھٹا ہوتا۔ ہر قہوہ خانے میں انھوں نے ہفتہ میں دوبار درس دینے کا پروگرام بنایا اور پھر پابندی کے ساتھ درس کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابتداء میں تو اس انداز کے وعظ وتدریس سے لوگوں کو کچھ اجنبیت سی محسوس ہوئی۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد یہ کیفیت دور ہوگئی اور لوگ ذوق وشوق کے ساتھ ان پروگراموں میں حصہ لینے لگے۔ ان مواعظ نے ہر سننے والے کان کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ اور جن لوگوں نے پابندی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا، ان پر تو اس نے جادو کا اثر کیا۔ غفلت ومدہوشی کے طلسم ٹوٹنے شروع ہوگئے۔ عقل وہوش کے بند دریچے اب کھلنے لگے، اور لوگوں کے ذہنوں میں مختلف سوالات ابھرنے لگے:

ان کی سرگرمیاں کس انداز کی ہونی چاہییں؟
خدا کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انھیں کیا کرنا چاہیے؟
دینی وملی ذمہ داریوں کو انھیں کس طرح نباہنا چاہیے؟
عذاب الٰہی سے بچنے اور جنت کی لازوال نعمتوں سے شادکام ہونے کے لیے انھیں کیا تدابیر کرنی چاہییں؟

بالآخر انھوں نے طے کیا کہ روز ایک جگہ جمع ہو کر دین اور احکام دین سیکھنے کا باقاعدہ نظم کریں۔ اس کے لیے انھوں نے ایک دور دراز مقام پر ایک عمارت کا انتخاب کیا جو خاصی کہنہ وشکستہ تھی۔ اور بہت کافی اصلاح ومرمت کے بعد ہی اس لائق ہوسکتی تھی کہ وہاں تعلیم وتدریس کے پروگرام چلائے جاسکیں چنانچہ ان غیور اور نیک فطرت نوجوانوں کے پرشوق اور مقدس ہاتھوں نے خود ہی اس کی مرمت کی، اور دوراتوں کی مسلسل محنت وکاوش کے بعد جاکر وہ کچھ لائق استعمال ہوسکی۔

تعلیم دین کا باقاعدہ نظم

شیخ حسن البنا وہاں بیٹھ کر نہایت حکمت کے ساتھ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ انھیں وضو اور نماز کے طریقے سکھاتے، عمدہ عمدہ دعائیں اور قرآن پاک کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کراتے، ان کے ذہنوں میں خدا کے عظمت وجلال اور اس کی کبریائی کے نقش بٹھاتے، انتہائی سوز وگداز کے ساتھ روز محشر کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے ان کے اندر خوف آخرت پیدا کرتے، ان کے ذہن ودماغ سے غلط عقائد کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے ان میں صالح عقائد کی تخم ریزی کرتے۔ اس طرح یہ پروگرام برابر چلتے رہے۔

مبارک صبح

یہاں تک کہ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ (مطابق مارچ ۱۹۲۶ء) کی مبارک صبح طلوع ہوئی۔ اس روز چھ نفوس قدسیہ جن کے سینوں میں شیخ حسن البنا کی ان مؤثر اور پرجوش تقریروں سے ایمانی غیرت وحمیت کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور ان سے کچھ دیر باتیں کیں۔ اس وقت ان کی آوازوں میں غیر معمولی شکوہ تھا۔ آنکھوں میں بڑی ہی دل نواز اور روح پرور چمک تھی اور چہروں پر جیسے ایمان ویقین کی انتہائی دل ربا اور تابناک

چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔انھوں نے کہا: ”ہم نے آپ کی باتیں شوق کے کانوں سے سنیں، اور کانوں سے گزر کر وہ دل کے نہاں خانوں میں اتر گئیں۔مگر ہمیں نہیں معلوم کہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بہبودی کے لیے عملی راہ کیا ہوسکتی ہے۔

خودی جاگ اٹھی

اب ہم ذلت ومحکومی کی اس زندگی سے اکتا چکے ہیں۔آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس شہر میں مسلمانوں کے لیے نہ عزت ہے، نہ کوئی قدرومنزلت، آج بس یہ اغیار کے خدمت گار بن کر رہ گئے ہیں۔اس وقت ہمارا کل اثاثہ بس یہ خون ہے جو غیرت وحمیت کی حرارت لیے ہوئے ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔یہ روحیں ہیں جو ایمان ویقین کے نور سے چمک رہی ہیں اور یہ چند سکے ہیں جو بچوں کے سدرمق کے لیے ہیں۔اس وقت ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کا فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔دین وملت اور وطن کے حق میں ہم کیوں کر مفید ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں بھی بہتر مشورہ آپ ہی دے سکتے ہیں۔اس وقت ہم چاہتے ہیں کہ اپنا سارا اثاثہ آپ کے قدموں میں ڈال دیں تاکہ خدا کے ہاں جواب دہ ہونے سے بچ جائیں۔اور ہمارے سلسلے میں بھی جواب دہ آپ ہی ہوسکیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر کوئی جماعت پورے اخلاص کے ساتھ محض خدا کی رضا کی خاطر دین ہی کے لیے جینے اور اسی کی راہ میں مر مٹنے کا فیصلہ کرلے تو غلبہ وکامرانی اسی کے لیے ہے خواہ وہ کتنی ہی بے سروسامان اور عددی لحاظ سے کتنی ہی پیچھے ہو۔

یہ آوازیں۔۔اخلاص اور سوز میں ڈوبی ہوئی یہ آوازیں جوان حسن البناؒ کے دل میں اتر گئیں اور وہ اس ذمہ داری سے گریز کی کوئی گنجائش نہ پا سکے جب کہ ان کی ساری تگ ودو کا محور بھی یہی چیز تھی، اور اس کام کے لیے لوگوں کو جمع کرسکنا ہی ان کی سب سے بڑی آرزو تھی۔چنانچہ حسن البناؒ نے بڑی دل سوزی کے ساتھ جواب دیا:

تحریک اخوان کی تشکیل

”ان پاکیزہ جذبات کو خدا مبارک کرے۔اس اخلاص اور نیک نیتی کو شرف قبول بخشے اور نیکوکاری کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔خود بھی ہم سے راضی ہو اور لوگوں کو بھی ہم سے خوش رکھے۔کام کرنا ہمارا کام، کامیاب کرنا خدا کا کام۔ہم خدا سے عہد کریں کہ آج سے ہم اسلام کے

سپاہی ہوں گے کہ اسی میں وطن کی زندگی اور امت کی سر بلندی ہے۔''

چنانچہ بیعت ہوگئی ـــــــ

اور لوگوں نے عہد کیا کہ آج سے ہم اسلام کے خادم ہوں گے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے کبھی پیچھے نہ ہٹیں گے۔

پھر کسی نے سوال کیا۔ ہم کس نام سے اپنے کو موسوم کریں کہ ایک منظّم تحریک کی حیثیت سے جانے جاسکیں؟ حسن البنا نے جواب دیا، ہمارے اس اجتماع کی بنیاد ایک مخصوص طرز فکر ہے، اور اسلام کی خدمت میں ہم باہم دگر بھائی بھائی ہیں، اس لیے ہم ''الاخوان المسلمون'' ہیں۔ اس طرح اچانک جو خیال ذہن میں آیا، اس نے مستقل نام کی صورت اختیار کرلی۔ اور ان چھ مقدس افراد سے تحریک الاخوان المسلمون کی تشکیل ہوگئی۔ پھر ان لوگوں کی مخلصانہ کوششوں سے یہ دعوت پورے شرق اوسط میں پھیل گئی، اور لاکھوں سرفروش مجاہدین حق وصداقت امام موصوف کے پرچم تلے اکھٹے ہوگئے۔ صرف مصر میں اس کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ جب کہ منسوب ممبروں اور ہمدردوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ نیز مصر، سوڈان اور ان کے علاوہ دیگر ممالک عربیہ وغیر عربیہ مین ان کے بہت سے مراکز قائم ہوگئے اور ہر طرف تحریک کا ایک جال بچھ گیا۔

تحریک کی یہ حیرت انگیز مقبولیت اور اس کی دقیق عصری تنظیم، ان دونوں باتوں سے باطل کے ایوانوں سے کھلبلی مچ گئی۔ اور پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد آنے والی مصری حکومتوں نے اخوان پر سخت داروگیر شروع کردی۔

مصیبتوں کا سیل بے کراں

اور پھر اخوان کے لیے مصیبتوں اور ابتلاؤں کا ایک سیل بے کراں امڈ پڑا۔ لیکن امام حسن البناؒ اور ان کے پاک دل ساتھی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان آزمائشوں کو جھیلتے رہے اور بزبان حال نشۂ اقتدار سے بدمست ظالموں کو چیلنج کرتے رہے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

وہ سب کچھ سہتے رہے اور برداشت کرتے رہے، مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی۔ لغزش ہونے کا سوال بھی کیا تھا کہ یہ آزمائشیں ان کے لیے خلاف توقع نہ تھیں، ان کی دوررس نگاہیں تو پردۂ غیب میں چھپی ہوئی ان آزمائشوں کو پہلے ہی سے دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ حسن البناؒ نے بہت پہلے ہی اخوانی مجاہدین کو ان سارے ہول ناک مراحل سے آگاہ کر دیا تھا۔ امام موصوف نے پہلے ہی ان کو بتا دیا تھا کہ:

''یہ وہ وقت ہوگا جب تم ابتلاء و آزمائش کے دور میں داخل ہو گے، تمہاری گرفتاریاں ہوں گی، تبادلے کیے جائیں گے، دور دراز علاقوں میں پھینک دیے جاؤ گے، گھروں کی تلاشیاں لی جائیں گی، دار و رسن کی دھمکیاں دی جائیں گی، اور ممکن ہے کہ ابتلاء و آزمائش کی یہ مدت کافی دراز ہو، دعوت حق کے علم برداروں کی راہ میں اس مرحلے کا آنا ناگزیر ہے۔ اس سے ہو کر ہمیشہ انھیں گزرنا پڑا ہے۔ مجاہدین اور انبیائے سابقین کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بالآخر وہ مجاہدین کی مدد فرمائے گا۔''

شیخ بنّا کی شہادت

غرض حسن البنا اور ان کے بے باک ساتھی نہایت پامردی کے ساتھ راہ حق پر جمے رہے۔ پوری طاقت سے ڈٹے رہے، یہاں تک کہ ابراہیم عبدالہادی کی وزارت میں ایک دن پرفریب طریقے سے انھیں ریوالور کے ذریعے شوٹ کر دیا گیا۔ اس طرح نہ صرف سرزمین مصر، بلکہ پورا عالم اسلام اس مخلص، دردمند، پاک دل، پاک سیرت، دوررس، باتدبیر اور مثالی رہنما سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔

یہ دردانگیز کہانی چھیڑ کر اس پر ماتم کرنا ہمارا مقصود نہیں، کہ یہ حادثہ تاریخ انسانی کی نظروں کے لیے ذرا بھی عجیب و نادر نہ تھا۔ انسان نے اپنی حاکمانہ قوت کے گھمنڈ میں ہمیشہ فطرت کے قانون امن و محبت کو توڑا ہے، زور آوروں نے کمزوروں کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کیا ہے۔ تاریخ عالم میں الفت و اخوت کے واقعات تو کم ہیں، مگر خوں ریزی و بہیمیت کی سرگزشتوں سے صفحات کے صفحات رنگین ہیں۔

دیکھنے کی چیز

یہاں اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس مردشہید نے تجدید واحیائے دین کی ایک تحریک چلائی اور پھر کس طرح اس کے لیے صعوبتیں جھیلیں اور اذیتیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ آخر میں اپنا سر بھی اس پر نثار کردیا۔ اس نے کبھی غلط مصلحت بینی سے کام نہ لیا، نہ خطرات اور اندیشوں کی کوئی پروا کی۔

اگر ہم بھی تجدید واقامت دین کی تحریک چلانی چاہتے ہیں تو ہم کو بھی اسی سرفروشی و جان نثاری کے نمونے پیش کرنے ہوں گے۔ ہم کو بھی اسی دیوانگی شوق کا ثبوت دینا ہوگا۔

ایں چنیں کار بہ تمکین وسکوں برناید
اندکے نیز دریں شیوہ جنوں می باید

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہی امام شہیدؒ کے چند قیمتی رسائل کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب آپ کو تحریکی مقاصد کے لیے تیار کرے گی، یہ بتائے گی کہ تحریک اسلامی چلانے کے لیے کن کن شرائط کو پورا کرنا ناگزیر ہے، یا وہ کون کون سے تحریکی یا تربیتی اصول ہیں جن کو اپنا کر ہم لشکر اسلام کے ایک کام یاب سپاہی یا راہ دین حق کے ایک بامراد راہی بن سکتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا تقاضا ہے — جس کا فیصلہ قارئین خود بھی کریں گے — کہ اسے ایک بار نہیں، بار بار پڑھا جائے اور اس کے اصولوں کی روشنی میں اپنی اصلاح وتربیت کی پیہم کوشش کی جائے۔ خدائے تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے، اور اس کے فائدے کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

۱۲؍ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ — محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

یہ وہ وقت ہوگا!

''......... یہ وہ وقت ہوگا جب تم ابتلاء وآزمائش کے دور میں داخل ہوگے۔ تمہاری گرفتاریاں ہوں گی، تبادلے کیے جائیں گے، دور دراز علاقوں میں پھینک دیے جاؤ گے، گھروں کی تلاشیاں لی جائیں گی اور ممکن ہے کہ ابتلاء وآزمائش کی یہ مدت کافی دراز ہو، دعوت حق کے علم برداروں کی راہ میں اس کا آنا ناگزیر ہے۔ ہمیشہ اس سے ہوکر ہی انھیں گزرنا پڑا ہے۔

مجاہدین اور انبیائے سابقین کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ بالآخر مجاہدین کی مدد فرمائے گا۔''

حسن البنا شہیدؒ

(۱)
زادوراحلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ،وَقَائِدِ الْمُجَاھِدِیْنَ،مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَ ھُدَاھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

میرا یہ رسالہ اخوان المسلمون کے ان سرفروش مجاہدین کے لیے ہے جو اپنی دعوت کی بلندی اور فکر کی پاکیزگی پر ایمان رکھتے ہیں، جنھوں نے سچے دل سے اس بات کا عزم کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہی جییں گے یا اسی کی راہ میں جان دے دیں گے۔ بس ان ہی بھائیوں سے یہ چند باتیں کہنی ہیں۔

یہ کوئی اسباق نہیں ہیں جو رٹ لیے جائیں، یہ ہدایات ہیں جنھیں نافذ ہونا ہے۔ تو اے مخلص بھائیو! عمل کرو، عمل! عنقریب خدا اور رسول اور اس کے مومنین تمہارا عمل دیکھیں گے اور عنقریب تمھیں اس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس وقت وہ تمھیں تمہاری ساری کارگزاریوں سے آگاہ کرائے گا، یہی اس کی سیدھی راہ ہے۔ تم اسی کو اختیار کرو، اور دوسری راہوں کی طرف نہ جاؤ کہ وہ تمھیں اس کی راہ سے دور ڈال دیں گی۔ خدا کی طرف سے تمھیں اسی بات کی وصیت ہے۔ توقع ہے تم تقویٰ کی روش اختیار کرو گے۔

رہے دوسرے لوگ تو ان کے لیے بھی دروس ہوں گے، تقریریں ہوں گی، کتابیں اور مقالے ہوں گے، علمی اداریے اور عملی نمونے ہوں گے اور ہر ایک کا ایک رخ ہوتا ہے۔ جسے وہ اختیار کرتا ہے۔ تو تم نیکیوں کا رخ اختیار کرو، انہی کی طرف پیش قدمی کرو اور یقین رکھو خدا کی طرف سے ہر نیکوکار کے لیے حسن انجام کا وعدہ ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ حسن البنا

مخلص بھائیو!

ہماری تحریک میں شامل ہونے کے لیے دس باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔انھیں اچھی طرح یادرکھو۔وہ یہ ہیں:

فہم،اخلاص،عمل، جہاد،قربانی،اطاعت،ثابت قدمی،یکسوئی،بھائی چارہ،کامل اعتماد۔

(۱) فہم

میرے مخلص بھائیو!

فہم سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمھیں اس بات کا یقین ہو کہ ہماری فکر ''خالص اسلامی'' فکر ہے۔نیز اسلام کے سلسلے میں مختصراً جن اساسی بنیادوں کو ہم مانتے ہیں،ان سے بھی تمھیں کامل اتفاق ہو،اوروہ یہ ہیں:

۱-اسلام جہاں ایک سچا عقیدہ ہے ایک عبادت ہے،وہیں وہ ایک ہمہ گیر نظام بھی ہے جس کے دائرے سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج نہیں۔چنانچہ وہ حکومت وریاست کی باگ ڈور بھی سنبھالتا ہے اور تعمیر وطن اور تشکیل امت کے لیے بھی جدوجہد کرتا ہے،وہ اخلاق اور رأفت و رحمت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور قوت اور قانون عدل کا تازیانہ بھی ہاتھ میں رکھتا ہے،وہ علم و ثقافت کے گیسو بھی سنوارتا ہے اور فصل وقضا کی کرسی پر بھی نظر آتا ہے،وہ حصول رزق اور کسب مال کی راہیں بھی نکالتا ہے،اور دولت وثروت کے خزانے بھی فراہم کرتا ہے۔وہ ایک دعوت اور ایک نظریہ بھی ہے اور ایک جہاد اور ایک لشکر بھی ہے۔

۲-اسلام کے احکام معلوم کرنے کے لیے ہر مسلمان کو بس قرآن کریم اور رسول خداؐ کی پاک سنت کا رخ کرنا ہوگا،پھر قرآن فہمی کے سلسلے میں عربی زبان کے قواعد اور اس کے اصولوں کا لحاظ رکھنا ہوگا۔آیات کا مفہوم لینے میں کسی قسم کی موشگافی یا تاویل کی گنجائش نہ ہوگی،نیز احادیث رسول کو سمجھنے کے لیے قابل اعتماد علمائے حدیث سے مدد لینی ہوگی۔

۳-خدا کی جن خوش نصیب بندوں کا ایمان سچا، عبادتیں بے لوث، اور سرگرمیاں دین کے لیے وقف ہوتی ہیں اللہ ان کے سینے روشن کر دیتا ہے، اور ان کی شخصیت میں بے پناہ مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کا کشف والہام ہو یا خواب، ان میں سے کوئی چیز بھی احکام شرعیہ کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ چیزیں تو بس اسی وقت قابل لحاظ ہوں گی جب کہ دین کے احکام اور شریعت کے اصولوں سے ان کا تصادم نہ ہو۔

۴-گنڈے تعویذ استعمال کرنا، منتر کرنا، گلے میں کوڑی ڈالنا، ریت پر لکیریں کھینچ کر یا ستارے دیکھ کر آئندہ کے احوال معلوم کرنا، غیب دانی کے دعوے کرنا، غرض اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں سب بدی یا منکر ہیں، جن کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہمارا فرض ہے۔ البتہ قرآن پاک کی کوئی آیت ہو یا کوئی ایسا تعویذ ہو جو سنت سے ثابت ہو تو اس کی بات اور ہے۔

۵-جن باتوں کے سلسلے میں شریعت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو، اور ان میں مختلف صورتوں کا احتمال ہو یا جن کا تعلق عام مصالح سے ہو ان کے بارے میں امیر یا نائب امیر کی رائے پر عمل ہوگا۔ بشرطیکہ وہ شریعت کے کسی اصول سے ٹکرائے نہیں، ہاں اس میں کبھی حالات، عادات یا عرف کے اعتبار سے تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔۔ عبادات کے سلسلے میں بنیادی اہمیت معنی و مقصد کی نہیں، بلکہ اس چیز کی ہے کہ شریعت نے جو حکم جس انداز سے دیا ہے، ہو بہو اسی انداز سے اس پر عمل ہو البتہ ان کے علاوہ جتنے امور ہیں ان میں حکمتوں، مصلحتوں اور مقاصد کی رعایت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

۶-رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات گرامی ایسی ہے جن کی ہر بات ہمارے لیے واجب الاتباع ہے، ورنہ اور لوگوں کے سلسلے میں ہمیں اختیار ہے ان کی جو باتیں مناسب سمجھیں مان لیں اور جنہیں چاہیں ترک کر دیں، ہمارے بزرگ اسلاف سے جتنی باتیں منقول ہیں، ان میں سے جو باتیں کتاب اللہ وسنتِ رسولؐ زیادہ سزاوار ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے، البتہ ان کی شخصیتوں کے سلسلے میں ہم ذرا بھی زبان نہ کھولیں گے۔ ہم انھیں ان کی نیتوں کے حوالے کر دیں گے کہ وہ تو اپنے اعمال سے جا ملے۔

۷-اگر کوئی مسلمان اپنے اندر اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ شریعت کے فروعی احکام، اور ان کے دلائل کے سلسلے میں کچھ غور و تحقیق سے کام لے سکے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ ائمۂ سلف میں سے کسی امام کی پیروی کرے۔ اس کے بعد جہاں تک ہو سکے دلائل کی چھان بین کرے۔ نیز کوئی بھی

قابل اعتماد شخص جس کی صلاحیتوں پر اسے اطمینان ہو، اگر دلائل کے ساتھ اسے صحیح راہ سجھائے تو شوق کے قدموں سے اس کی طرف لپک پڑے لیکن اگر وہ ہے تو اہل علم میں سے، لیکن اپنے اندر غور و تحقیق کی یہ اہلیت نہیں رکھتا تو اس کے لیے مناسب ہوگا کہ وہ اپنے اس علمی نقص کی تلافی کرے۔

۸-فروعی مسائل میں فقہی اختلافات دین میں تفرقہ اندازی کا سبب نہ بنیں، اور نہ ان کے نتیجے میں کسی قسم کی باہمی عداوت یا خصومت کا بیج پڑے۔ ہر مجتہد کے لیے ایک اجر تو یقینی ہے۔ پھر کیا مضائقہ ہے اگر باہمی اخلاص ومودت اور حب فی اللہ کی پرسکون اور روح پرور فضا میں صاف ستھری اور علمی تحقیقات کی جائیں اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے حق وثواب کی شاہراہ ڈھونڈی جائے، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ چیز بے جا تعصب یا باہمی شکر رنجیوں کی کھڈ میں نہ پہنچا دے۔

۹-کوئی بھی مسئلہ جس سے عملی زندگی میں کبھی واسطہ نہ پڑے اس پر اپنی دماغی قوت صرف کرنا ایک لایعنی کام ہے، جس سے شریعت نے ہمیں روکا ہے۔ وہ فرضی احکام جو ابھی تک وقوع پذیر نہ ہوئے، ان کی ساری جزئیات اور شاخ در شاخ تفصیلات اسی حکم کے تحت داخل ہیں، قرآن کریم کے جو نکات ہنوز علم کی دسترس سے باہر ہیں، ان کے سلسلے کی ساری نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر صحابہ کرام کے درمیان تفضیل کا مسئلہ اور ان کے مابین واقع ہونے والے اختلافات اور کشاکشوں کا معاملہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے۔ صحابیت کا شرف ان میں سے ہر ایک کو حاصل ہے، اور ہر ایک اپنے اپنے حسن نیت کا صلہ پانے والا ہے، کیوں کہ تاویل کی دنیا تو بڑی وسیع ہے اور ہر ایک اپنی تاویل کا ہی مکلّف ہے۔

۱۰-خدائے تعالیٰ کو ایک ماننا، اس کی صفات کا صحیح ادراک کرنا اور سارے عیوب ونقائص سے اسے پاک سمجھنا عقیدۂ اسلامی کی جان ہے۔ قرآن پاک کی وہ متشابہ آیات اور رسول خدا کی وہ صحیح احادیث جن کے اندر حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے ہم ان کو ہو بہو تسلیم کرتے اور ان پر کامل ایمان رکھتے ہیں، ان کے سلسلے میں تشبیہ(۱) وتعطیل(۲) کے ہم مخالف ہیں۔ اس سلسلے میں علماء کے جو اختلافات ہیں ان سے بھی ہمیں کوئی دلچسپی نہیں، ہمارے لیے تو اس موقع پر وہی رویہ بس ہے جو رسول خداﷺ اور آپ کے پاک اصحابؓ کا تھا۔

---

(۱) تشبیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اندر ایسی چیزیں ثابت کی جائیں جو مخلوقات کا خاصہ ہیں۔

(۲) تعطیل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات سے عاری ایک مجرد قوت مانا جائے۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران:۷)

''علم میں رسوخ رکھنے والے تو کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے۔ سب کچھ ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔''

۱۱- ہر وہ بدعت جو محض لوگوں کی ہوا و ہوس اور نفسانیت کے نتیجے میں دین کے اندر داخل ہوگئی ہو، اور نہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو، وہ گمراہی ہے جس کے خلاف اعلان جنگ کرنا اور بیخ و بن سے اسے اکھاڑ پھینکنا ہمارا فرض ہے۔ معاملہ کی نزاکت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہ بدعت دین میں زیادتی کی راہ سے داخل ہوئی یا کسی کاٹ چھانٹ کے نتیجے میں، اس مقصد کے لیے جو وسائل ہم اختیار کریں گے وہ انتہائی دانش مندانہ اور غایت درجہ حکمت و تدبیر پر مبنی ہوں گے، کہ کہیں ہمارا یہ اقدام اس سے بھی بڑے شر کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو۔

۱۲- سلوک و تصوف، عبادات مطلقہ[۱] کا اہتمام، اور اضافی بدعتیں[۲] وغیرہ فقہاء کے اختلافی مسائل ہیں، جن کے سلسلے میں ہر ایک کو آزادیِ رائے حاصل ہے۔ البتہ دلائل کی بنیاد پر ان مسائل کے سلسلے میں باہم تبادلۂ خیال کرنے اور صحیح موقف کی تحقیق و توضیح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۳- صالحین سے محبت رکھنا، ان کا احترام کرنا اور ان کی جن خوبیوں کا علم ہو، ان کو سراہنا خدا کی خوش نودی کا ذریعہ ہے۔ البتہ ہمارے نزدیک صالحین سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ (یونس:۶۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ پر قائم رہے۔''

شرعی حدود و شرائط کے اندر رہتے ہوئے یہ لوگ پوری طرح عزت و تکریم کے مستحق ہیں، البتہ ذہن و دماغ کے کسی گوشہ میں یہ تصور نہ آنے پائے کہ یہ لوگ بھی کسی نفع نقصان کے

---

(۳) عبادت مطلقہ کے اہتمام سے مراد یہ ہے کہ جن عبادتوں کے سلسلے میں شارع علیہ السلام سے کسی قسم کا اہتمام منقول نہیں ہے، ان کے سلسلے میں کسی خاص دینی غرض سے اہتمام کیا جائے۔

(۴) اضافی بدعتوں سے مراد ایسے کام ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ثابت نہ ہوں لیکن بعد کے زمانے میں کچھ دینی اغراض کے تحت انھیں اختیار کر لیا گیا ہو۔ (مترجم)

مالک ہیں۔ یہ نہ اپنے سلسلے میں کسی قسم کا اختیار رکھتے ہیں، نہ دوسروں کے سلسلے میں، نہ زندگی میں کسی طرح کا نفع نقصان پہنچانے پر یہ قادر ہیں اور نہ موت کے بعد ہی۔

۱۴-قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے، اور اس سلسلے میں ہم کسی بھی تخصیص کے قائل نہیں، البتہ زیارت کا انداز وہی ہونا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ ہاں یہ بھی واضح رہے کہ اہل قبور سے ـــــ خواہ وہ کوئی بھی ہوں ـــــ کسی طرح کی مدد چاہنا، ان سے فریاد کرنا، قریب سے یا دور سے حاجت روائی کے لیے پکارنا، اور ان کے نام پر منتیں ماننا، اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا، ان پر چادریں چڑھانا اور چراغ جلانا، ان سے برکت حاصل کرنا، یا خدا کے علاوہ کسی اور کے نام کی قسمیں کھانا، وغیرہ، اس طرح کی جتنی بدعات بھی ہیں وہ سب گناہ کبیرہ ہیں، جن کے خلاف مہم چلانا ہمارا فرض ہے اور ہم ان اعمال کے سلسلے میں کسی تاویل کے روادار نہیں کہ یہ سب شرک کے دروازے ہیں، اور ان کے سلسلے میں ذراسی بھی غفلت یا رواداری انتہائی تباہ کن ہے۔

۱۵-کسی مخلوق کو بیچ میں واسطہ بنا کر خدا سے دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟ یہ ایک فروعی اختلاف ہے جس کا تعلق کیفیت دعا سے ہے نہ کہ مسائل عقیدہ سے۔

۱۶-عرف کی غلطی سے شرعی اصطلاحات کی حقیقتیں نہیں بدل سکتیں، جہاں ہمارا یہ فرض ہے کہ دین و دنیا کے سارے امور میں لفظ و بیان کی بازی گری سے پرہیز کریں، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ الفاظ سے شریعت نے جو معانی مراد لیے ہیں ان کے حدود معلوم کریں اور پھر شدت سے ان کی رعایت رکھیں، قابل لحاظ چیز نام نہیں ہوا کرتے، بلکہ وہ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں جو ان ناموں سے مراد لی جاتی ہیں۔

۱۷-عقیدہ عمل کی اساس ہے، اور دل کا عمل ظاہری اعمال سے زیادہ اہم ہے، لیکن شریعت کے نزدیک دونوں ہی پہلوؤں سے کمال حاصل ہونا مطلوب ہے۔ اگرچہ مطلوب ہونے کے لحاظ سے دونوں کے مراتب میں فرق ہے۔

۱۸-اسلام طائر۔ عقل کو آزادی عطا کرتا اور کائنات کی وسعتوں میں غور و تدبر کی نگاہ ڈالنے پر اکساتا ہے، وہ علم اور اصحاب علم کی قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے اور ہر بہتر اور منفعت بخش چیز کا خیر مقدم کرتا ہے۔ حکمت تو مومن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں بھی اسے پا جائے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

۱۹-شریعت کی نگاہ اور عقل و تخیل کی نگاہ میں کبھی بہت فرق ہوتا ہے، دونوں کے مشاہدات ایک

دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ممکن نہیں کہ قطعی حقائق میں کبھی اختلاف ہو، کسی بھی صحیح علمی صداقت کا شریعت کے کسی ثابت شدہ اصول سے تصادم ہونا محال ہے، لہٰذا ان دونوں میں جو ظنی ہو اس کی تاویل کی جائے تاکہ وہ قطعی سے ہم آہنگ ہوسکے، اور اگر دونوں ہی ظنی ہوں تو شریعت کی رہ نمائی زیادہ حق دار ہوگی کہ وہ تسلیم کرلی جائے تا آں کہ عقل کا دعوے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے، یا اس کی کمزور عمارت نیچے آرہے۔

۲۰- کوئی مسلمان، جو کلمۂ شہادت کا اقرار کرے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے سارے فرائض ادا کرے، اس پر کسی ایک گناہ کی وجہ سے یا اس کے کسی ایک نظریہ کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ، الا آنکہ وہ کلمۂ کفر صاف زبان سے ادا کرے، یا دین کی کسی ثابت شدہ اور مسلمہ حقیقت کا انکار کرے، یا صریح قرآن کی تکذیب کرے، یا اس کی کوئی ایسی تفسیر کرے جو اسالیب زبان کی رو سے کسی طرح ممکن نہ ہو، یا کوئی ایسا کام کرے جس کی سوائے کفر کے اور کوئی توجیہ نہ کی جاسکتی ہو۔

کوئی مسلم بھائی اپنے ''دین'' کو ان اصولوں کے آئینے میں سمجھ لے، تو اسی وقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دائمی نعرے ''اَلْقُرْاٰنُ دَسْتُوْرُنَا وَالرَّسُوْلُ قُدْوَتُنَا'' (قرآن ہمارا دستور ہے اور نبیؐ ہمارے رہبر) کے مفہوم سے صحیح معنوں میں آگاہ ہے۔

---

(۲) اخلاص

اخلاص سے مراد یہ ہے کہ ہمارے مسلم بھائی کے قول وعمل اور اس کی ساری سرگرمیوں کا مقصد بس خدا کی خوش نودی، رب کی رضا جوئی اور آخرت کی کامرانی ہو۔ وہ کسی مال غنیمت کا حریص ہو، نہ کسی اقتدار یا جاہ ومنصب کا بھوکا ہو اور نہ کسی طرح کے خطابات والقاب کا امیدوار ہو، نیز وہ اپنی کوششوں کی کامیابی یا ناکامی کی طرف سے بالکل بے پروا ہو، بس اسی صورت میں وہ اغراض ومنفعت سے بلند ہوکر ''عقیدہ ونظریہ'' کا بے باک سپاہی بن سکے گا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَo لَا شَرِیْکَ لَهٗ ج وَبِذَالِکَ اُمِرْتُ۔ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

''کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان والوں کا رب ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے۔''

غالباً ان باتوں سے ہمارے مسلم بھائی کے ذہن میں اپنے دائمی نعرے ''اللّٰہ غایتنا'' (اللہ ہی ہمارا کعبۂ مقصود ہے) اور ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ'' (اللہ سب سے برتر ہے، اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے) کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

(۳) عمل

عمل سے ہماری مراد علم و اخلاص کا ثمرہ ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (التوبہ:۱۰۵)

''اور (اے نبیؐ! ان سے کہہ دو) کہ تم اپنا کام کرو ابھی اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے کام دیکھیں گے (کہ وہ اب کیسے رہتے ہیں)۔ پھر تم چھپے اور کھلے سب کے جاننے والے کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔ پھر تم جو کچھ کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتا دے گا۔''

ہمارے سچے اور مخلص بھائی سے عمل کے جو درجے مطلوب ہیں وہ یہ ہیں:

۱- وہ اپنی شخصیت کی تعمیر کرے، اس طور سے کہ اس کا جسم توانا ہو، اس کا اخلاق محکم ہو، اس کا فکر پختہ اور متوازن ہو، وہ حصولِ معاش اور کسبِ مال پر قادر ہو، اس کا عقیدہ درست اور اس کی عبادتیں بے لوث ہوں، وہ اپنی ترقی کے لیے کوشاں اور اپنے اوقات کا قدردان ہو۔ اس کے سارے معاملات منظّم ہوں اور اس کا وجود دوسروں کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد ہو۔ یہ فرداً فرداً ہمارے ہر بھائی کے فرائض ہیں۔

۲- وہ ایک مسلم خاندان کی تشکیل کرے، اس کا فکر اس سے آگے بڑھ کر اس کے گھر والوں کے دلوں کو جیت لے، وہ انھیں آمادہ کرے کہ وہ خانگی زندگی کے سارے گوشوں میں اسلامی زندگی کا پاس و لحاظ رکھیں۔ وہ انھیں تاکید کرے کہ وہ صالح بیوی کا انتخاب کریں اور پھر اسے اپنے حقوق و فرائض کے حدود میں ہی رکھیں۔ وہ انھیں تلقین کرے کہ وہ بیٹوں اور ماتحت خادموں کی عمدہ سے عمدہ تربیت کریں اور اسلامی اصول و مبادی پر ان کی پرورش کریں۔ یہ بھی فرداً فرداً ہمارے ہر بھائی کی ذمہ داریاں ہیں۔

۳- وہ پورے معاشرے کی اصلاح کرے، لوگوں میں خیر کی دعوت عام کرے، بدی اور منکرات سے برسرجنگ ہو۔ نیکی کی طرف بڑھنے، بھلائی کی تلقین کرنے اور خیر کے کاموں میں باہم مسابقت کرنے پر حوصلہ افزائی کرے۔ وہ فکر اسلامی کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرے، اور قبائے زندگی کے سارے ہی حصوں کو اسلامی رنگ میں رنگ لینے پر لوگوں کو اکسائے۔ یہ فرداً فرداً ہمارے ہر بھائی کی ذمہ داری ہے۔ اور ایک فعال تنظیم کی حیثیت سے پوری جماعت کا بھی فرض ہے۔

۴- وہ ہر اجنبی ــــ غیر اسلامی ــــ اقتدار سے اپنے وطن کو آزاد کرائے، دوسرے کسی بھی سیاسی، روحانی یا اقتصادی اقتدار کو اپنی زمین میں قدم نہ رکھنے دے۔

۵- وہ حکومت کی اصلاح کرے، یہاں تک کہ وہ حکومت صحیح معنوں میں اسلامی طرز حکومت کی نمائندہ بن جائے، اور سچ پوچھو تو یہی وہ ساعت ہوگی جب وہ حکومت امت کے ایک خادم کی حیثیت سے، ایک فرض شناس مزدور کی حیثیت سے، یا اس کے ایک بہی خواہ سرپرست کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرسکے گی۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے رہے کہ اسلامی حکومت کا قیام اسی وقت ممکن ہے جب اس کے کارندے مسلمان ہوں، فرائض اسلام کی ادائیگی میں مستعد ہوں اور علانیہ معصیت کاری سے کوسوں دور ہوں، نیز وہ حکومت اسلامی احکام اور اسلامی ہدایات کو نافذ کرنے میں ذرا بھی کوتاہ نہ ہو۔ اگر چہ اس وقت حکومت کے لیے اس کی بھی گنجائش ہوگی کہ بوقت ضرورت غیر مسلموں سے بھی تعاون حاصل کرے۔ البتہ انھیں وہ کوئی ایسا عہدہ نہ سونپے گی جس کی بدولت انھیں کچھ عمومی اختیارات حاصل ہوجائیں۔ اس سلسلے میں وہ کوئی بھی شکل اختیار کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ اسلامی نظام حکومت کے عام ضابطوں کے خلاف نہ ہو۔

اس حکومت کی حیثیت یہ ہوگی کہ اسے اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہوگا، رعایا کے لیے وہ دل سوزی وشفقت کا پیکر ہوگی، عدل وانصاف اس کا شیوہ ہوگا۔ عوام کے مال سے اسے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ ٹیکس وغیرہ کی تعین میں بھی وہ کبھی حد اعتدال سے آگے نہ بڑھے گی۔

اور اس کا فرض ہوگا کہ وہ امن کو بحال رکھے، قوانین اسلام کا نفاذ کرے۔ تعلیم کو فروغ دے، قوت کو مستحکم کرے۔ رفاہِ عام کا خیال رکھے، دولت کو بڑھانے اور مال کی حفاظت کرنے کا بندوبست کرے۔ اخلاقی بنیادیں استوار کرے اور دعوت اسلامی کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔

اور جب وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگ جائے گی تو پھر وہ اس بات کی مستحق

ہوگی کہ ہماری ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ ہوں۔ ہم صحیح معنوں میں اس کے وفادار اور اطاعت کیش ہوں، اور جانی، مالی، کسی طرح کی بھی مدد دینے سے گریز نہ کریں۔

لیکن اگر اس نے کوتاہی کی، تو ہم اسے سمجھائیں گے، متنبہ کریں گے اور اگر اس سے کام یابی نہ ہوئی تو اس کی اطاعت سے الگ ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کا کیا سوال۔

٦- ہمارے مخلص بھائی سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ امت مسلمہ کی بین الاقوامی حیثیت کو دوبارہ بحال کرائے، اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کے علاقوں کو آزاد کرائے، اس کے مجد وشرف کو دوبارہ زندہ کرے، اس کی تہذیب وثقافت کو نئے سرے سے فروغ دے اور اس کے اندر اتحاد و اتفاق کی روح پھونک دے، یہاں تک کہ پوری امت ایک دلآویز وحدت میں تبدیل ہو جائے اور اس طرح خلافت ارضی کا کھویا ہوا تخت وتاج پھر سے حاصل ہو جائے۔

٧- اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ سارے عالم کی معلّمی ورہبری کا فرض انجام دے، وہ دعوت اسلامی کو زمین کے چپے چپے میں اس طرح پھیلا دے کہ کہیں شرک کا نام نہ رہ جائے اور ہر جگہ طاعتِ الٰہی کا جاں نواز منظر نظر آنے لگے، اور اللہ تو اپنا نور غالب کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ آخری چار فرائض پوری جماعت پر عائد ہوتے ہیں، اور بہ حیثیت رکن جماعت ہمارے ہر ہر بھائی پر بھی عائد ہوتے ہیں۔

کتنی بھاری ذمہ داریاں ہیں یہ! اور کتنے اہم کام ہیں یہ!

دنیا ان چیزوں کو ایک خیال خام، ایک خواب پریشاں یا ایک واہمہ سمجھتی ہے، لیکن ہمارا مسلم بھائی انھیں ایک سچی حقیقت اور مستقبل کا ایک یقینی واقعہ سمجھتا ہے۔ بلاشبہ ہم کبھی مایوس نہیں ہو سکتے۔ اللہ ہمارا سب سے بڑا سہارا اور سب سے بڑی امید ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(یوسف: ۲۱)

''اللہ اپنے کام پر پوری طرح قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(۴) جہاد

جہاد سے ہماری مراد وہ فریضہ ہے، جسے قیامت تک رہنا ہے اور جس کی طرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث میں اشارہ ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يَنْوِ الْغَزْوَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

''جس کو موت آئی اس حال میں کہ نہ اس نے کبھی جہاد کیا، نہ جہاد کی تمنا دل میں پالی وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اس جہاد کا کم سے کم درجہ باطل سے دل کی بیزاری ہے اور سب سے بلند درجہ راہ خدا میں سرفروشی و جاں سپاری ہے، پھر ان دونوں کے درمیان بھی جہاد کے مختلف درجے ہیں۔ مثلاً زبان کا جہاد، قلم کا جہاد، ہاتھ کا جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے حق گوئی کا جہاد۔

یہ بھی واضح رہے کہ دعوت اسلامی کبھی جہاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، نیز دعوت جتنی ہی زیادہ بلند اور وسیع الاطراف ہوگی جہاد کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اور اس دعوت کو استوار و پائیدار بنانے کے لیے اتنی ہی بھاری قیمت بھی ادا کرنی ہوگی۔ پھر اسی لحاظ سے کام کرنے والے زیادہ اجر و ثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔ پس اے مرے مسلم بھائی راہ خدا میں جہاد کرو، اس میں کوتاہی نہ کرو۔

اس وضاحت کے بعد شاید تم اپنے دائمی نعرے ''**اَلْجِهَادُ سَبِيلُنَا**'' (جہاد ہی ہمارا طریق کار ہے) کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے۔

(۵) قربانی

قربانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ تم اپنی جان، اپنا مال، اپنا وقت، اپنی زندگی، غرض اپنی ساری کائنات اس عظیم مقصد کی راہ میں لگا دو، کیوں کہ دنیا میں کوئی بھی جہاد ہو، اس کے لیے قربانی ناگزیر ہے، پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہمارے یہاں قربانی کے ضائع ہونے کا کوئی سوال نہیں، یہاں تو بس اجر ہے، اجر ہی اجر، بے پناہ اجر، بہت ہی دلآویز اور جاں نواز اجر، لیکن اگر کوئی بھائی ہمارے ساتھ قربانیاں دینے سے گریز کرتا ہے، تو وہ مجرم ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

''بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں، اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَo (التوبہ: ۲۴)

”کہہ دو، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے گھرانے کے لوگ، اور مال جو تم نے کمائے ہیں، اور کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے، اور گھر جو تم کو پسند ہیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاءٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَؤُنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَo (التوبہ: ۱۲۰)

”ایسا اس لیے کہ وہ اللہ کی راہ میں پیاس یا تکان یا بھوک کی کوئی بھی تکلیف جھیلیں یا کوئی ایسا قدم اٹھائیں، جو کافروں کے غیظ وغضب کا سبب بنے یا دشمن کو کوئی بھی نقصان پہنچائیں، اس پر ان کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جائے گی۔ بے شک اللہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

نیز فرمایا:

فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ج (الفتح: ۱۶)

”اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا صلہ دے گا۔“

اتنی وضاحت کے بعد شاید تم اپنے دائمی نعرے ''وَالْمَوْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَسْمیٰ اَمَانِیْنَا'' (راہ خدا میں جان دینا ہماری سب سے بڑی تمنا ہے) کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لو گے۔

(۶) اطاعت

اطاعت سے ہماری مراد یہ ہے کہ حکم امیر کی بے چون وچرا تعمیل کی جائے۔ تنگی ہو یا فراخی، خوشی ہو یا ناخوشی، کوئی بھی حالت ہو، فوراً اس کی آواز پر دوڑا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دعوت کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ ہے، تعارف ـــــ یعنی لوگوں کو اس دعوت سے روشناس کرانا، اس کے حلقۂ تعارف کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا۔ اس مرحلے میں دعوت کا نظام وہی ہوگا جو عام تنظیمی اداروں کا ہوا کرتا ہے اور اس کا مقصد ہوگا عمومی فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد۔ اس کے لیے وہ کبھی وعظ وتلقین کی راہ اختیار کرے گی، کبھی مفید اداروں کا قیام عمل میں لائے گی، اور کبھی دوسرے عملی وسائل سے کام لے گی، اس وقت ''اخوان'' کی تمام ہی موجودہ شاخیں اس مرحلۂ دعوت سے گزر رہی ہیں۔ ''القانون الاساسی'' نامی ایک رسالے کی روشنی میں اس دعوتی زندگی کی تنظیم ہوتی ہے، پھر اخوانی اخبار اور اخوانی رسائل سے مزید تفصیلات مہیا ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس مرحلے میں دعوت بالکل عام ہوتی ہے۔

اس مرحلے میں ہر وہ شخص جماعت میں شامل ہوسکتا ہے، جسے جماعتی سرگرمیوں سے دل چسپی ہو، جس کے اندر اس کے ساتھ تعاون کا جذبہ ہو اور جو اس کے ضابطوں کی پابندی کا وعدہ کرے۔ اس مرحلے میں ہم کسی سے کامل اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتے۔ البتہ جماعت کے عام اصول ومبادی کا احترام ضروری ہے۔

دوسرا مرحلہ ہے، تنظیم ـــــ یعنی انھی افراد میں سے جو لوگ فریضۂ جہاد کی زہرہ گداز آزمائشوں کی تاب لاسکتے ہوں ان کی الگ ایک ٹیم بنانا، اس مرحلے کے لیے دعوتی نظام روحانی پہلو سے خالص صوفیانہ ہوگا، اور عملی پہلو سے خالص سپاہیانہ۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ صوفیانہ زندگی ہو یا سپاہیانہ، ہمیشہ ہی سے ان دونوں کا شعار اور ان کا طُرّہَ امتیاز رہا ہے۔ ''سننا اور دوڑ پڑنا'' بغیر کسی شک، بغیر کسی تردد اور بغیر کسی ناگواری کے اشارہ پاتے ہی سر تسلیم وطاعت خم کردینا، اخوانی دستے دعوتی زندگی کے اسی مرحلے کی نمائندگی کرتے ہیں اور اس دعوتی زندگی کی

تنظیم پہلے ''رسالۃ المنہج'' نامی ایک رسالے کی روشنی میں ہوتی تھی۔ اور اب یہ پیش نظر رسالہ اسی مقصد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

یہ ٹیم بس منتخب اور آزمودہ کار افراد پر ہی مشتمل ہوگی۔ چوں کہ یہ بڑا ہی دراز اور انتہائی صبر آزما مرحلہ ہوگا، اس لیے بس وہی لوگ اس ٹیم سے وابستہ ہوسکیں گے جن کے اندر صحیح معنوں میں صبر و تحمل کی قوت ہو۔ اور جو فریضۂ جہاد کے انگاروں پر بھی لیٹ کر کامل پامردی واستقامت کا ثبوت دے سکتے ہوں اور اس صبر و تحمل اور اس پختگی واستقامت کی سب سے پہلی علامت ہوگی آدمی کی غیر مشروط اطاعت اور کامل تسلیم و سپردگی۔

تیسرا مرحلہ ہے، تنفیذ ــــ اس مرحلے میں دعوت اسلامی جہاد کی ایک للکار ہوگی، ایک نفیر پیکار ہوگی، ایک سعی مسلسل اور ایک جہد بے خطر ہوگی۔ اب تو بس حصول مقصد کی لگن ہوگی، ایک ہی دھن اور ایک ہی تڑپ ہوگی، نیز اب آزمائشوں کے تازیانے اور ابتلاؤں کے پھندے ہوں گے اور اب ثابت قدم رہنا بس ان ہی لوگوں کے بس میں ہوگا جو ارادے کے سچے اور دھن کے پکے ہوں گے، اس مرحلے میں کامیابی کی ضامن بس '' کامل اطاعت'' ہی ہوگی۔ صف اول کے اخوانی بھائیوں نے ۵ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ میں اسی بات پر بیعت کی تھی۔

اگر تم بھی اس دستے میں شامل ہوئے ہو، اگر تم نے بھی یہ رسالہ شوق کے ہاتھوں سے لیا ہے، اور اگر تم نے بھی یہ بیعت کی ہے، تو گویا تم دوسرے مرحلہ میں ہو، جب کہ تیسرا مرحلہ بھی اب سامنے ہے، لہٰذا جو ذمہ داری تم نے اپنے سر لی ہے اس کو محسوس کرو اور اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھو۔

(۷) ثابت قدمی

ثابت قدمی سے مراد یہ ہے کہ ہمارا بھائی برابر متحرک اور سرگرم رہے، اپنے مقصد کی راہ میں دیوانہ وار آگے بڑھتا رہے، انتظار کی گھڑیاں چاہے کتنی ہی دراز ہوجائیں اور چاہے کتنے ہی ماہ وسال بیت جائیں، وہ ہمت نہ ہارے، وہ برابر جدوجہد کرتا رہے، یہاں تک کہ اسی راہ میں جان دے دے۔ کہ جب اپنے رب سے ملے تو اس کی آستین امید خالی نہ ہو۔ دو کامرانیوں میں سے کسی ایک سے مالا مال ہو، وہ لیلائے مقصود سے ہم کنار ہو یا شہادت سے سرفراز ہو:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعٰھَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۫ وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِیْلًاo (الاحزاب:۲۳)

''مومنین میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ اللہ سے جو وعدہ انھوں نے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا تو ان میں سے کچھ نے تو اپنا ارمان پورا کرلیا اور کچھ راہ دیکھ رہے ہیں، اور انھوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی۔''

یاد رہے، ہمارے نزدیک تدبیر کا ایک جزو وقت بھی ہے، بلاشبہ راستہ بہت دراز ہے۔ دشوار اور صبر آزما ہے۔ بیچ میں دور دور تک سایہ بھی نہیں۔ پھر درمیان میں جگہ جگہ کھائیاں اور کھاڑیاں بھی ہیں لیکن کیا کیجیے کہ تنہا یہی وہ راہ ہے جو ہمیں کعبۂ مقصود تک پہنچا سکتی ہے ساتھ ہی ہم اجر سے بھی مالا مال ہوں گے، ایسے اجر سے جو انتہائی دلآویز بھی ہوگا اور بے حد وحساب بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جو چھ وسائل ہیں، ان میں سے ہر وسیلہ متقاضی ہے کہ اس کے لیے عمدہ سے عمدہ تیاری کی جائے۔ اس کے لیے مناسب وقت کی تاک میں رہا جائے، نیز اس پر عمل درآمد کرنے میں پوری حکمت ومہارت سے کام لیا جائے، ظاہر ہے یہ ساری باتیں اپنے متعینہ وقت پر ہی ہوسکتی ہیں۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًاo (بنی اسرائیل:۵۱)

''وہ کہتے ہیں یہ بات کب ہوگی۔ ان سے کہہ دو ممکن ہے جلد ہی ہو جائے۔''

یک سوئی

یک سوئی سے ہماری مراد یہ ہے کہ تم دوسرے تمام اصول ونظریات سے کٹ کر اپنے فکر کی طرف یک سو ہو جاؤ کیوں کہ یہی فکر سب سے زیادہ دل کش، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ ارفع واعلیٰ ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ (البقرہ:۱۳۸)

''بس اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا۔''

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ

اِذْقَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَابَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔ (الممتحنہ:۴)

''تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک عمدہ اور قابل تقلید نمونہ ہے جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اللہ کے سوا جسے بھی تم پوجتے ہو، اس سے الگ ہیں، ہم تمہیں نہیں مانتے، اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے نفرت وعداوت ہے جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔''

یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے مخلص بھائی کی نگاہ میں لوگوں کا تعلق بس سات ہی قسموں میں سے کسی ایک قسم سے ہوسکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

جہاد کرنے والا مسلمان، یا جہاد سے بیٹھ رہنے والا مسلمان، یا گنہگار مسلمان، یا جو ذمی ہو، یا جس کا معاہدہ ہو، یا جو غیر جانب دار ہو، یا جو برسر جنگ ہو۔

اسلام کی میزان میں ہر ایک کا حکم متعین ہے۔ چنانچہ انہی اقسام کے حدود میں افراد اور جماعتوں کی حیثیت متعین ہوگی۔ اور اسی لحاظ سے ان کے ساتھ دوستی یا دشمنی ہوگی۔

(۹) بھائی چارہ

بھائی چارہ سے مراد یہ ہے کہ ہم محض رشتۂ عقیدہ کی بنیاد پر باہم شیر وشکر ہوجائیں، کیوں کہ عقیدہ ہی سب سے زیادہ قوی اور قیمتی رشتہ ہے۔ اور اخوت تو دراصل ایمان کی ہی اخوت ہوتی ہے۔ اور تفرق تو کفر کا دوسرا نام ہے۔ علاوہ ازیں سب سے اولین قوت وحدت کی قوت ہے اور محبت کے بغیر وحدت کہاں؟ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ محبت کا سب سے کم تر درجہ ہے دل کا گردِ کدورت سے پاک ہونا جب کہ اس کا سب سے بلند درجہ ہے ایثار کرنا اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۹)

''اور جو اپنے نفس کی تنگی سے بچے رہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

ہمارے ہر مخلص بھائی کو سمجھنا چاہیے کہ اس کے اوپر دوسرے بھائیوں کا خود اس کی اپنی

ذات سے زیادہ حق ہے، کیوں کہ اگر وہ ان کا نہ ہوسکا تو کسی اور کا کیا ہوگا، اسی طرح اور بھائی اگر اس کے اپنے ہو گئے تو پھر دوسروں کے بھی ہوسکیں گے۔ بھیڑیا ہمیشہ اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے دور ہو۔ یہی حال مومنین کا ہے، ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی عمارت ہو کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط رکھتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (التوبہ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اسی طرح رہیں، اور اپنے عمل سے بالکل یہی نمونہ پیش کریں۔

(۱۰) کامل اعتماد

اعتماد سے مراد یہ ہے کہ ہمارے ہر سپاہی کو اپنے قائد پر کامل اعتماد ہو، اس کی اہلیت اور صلاحیت پر بھی اعتماد ہو۔ اور اس کے اخلاص و دل سوزی کی طرف سے بھی اطمینان ہو، اتنا اطمینان جو اس کے اندر اپنے قائد سے محبت پیدا کر دے۔ اس کے لیے عزت و احترام کا جذبہ پیدا کر دے۔ اور اس کی اطاعت کے لیے اسے سرگرم کر دے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (النسآء:۶۵)

''تو نہیں اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان اٹھنے والے اختلافات میں تم کو حکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، اور اپنے آپ کو بالکل حوالے کر دیں۔''

یاد رہے قائد قصر دعوت کا ایک ستون ہے، کسی بھی دعوت کا بغیر قیادت کے رہنا ناممکن ہے، نیز قائد اور سپاہ کے درمیان اعتماد و اطمینان کی جتنی ہی عمدہ اور خوش گوار فضا ہوگی، جماعت کا نظم اتنا ہی محکم ہوگا، اس کے منصوبے اتنے ہی پائدار ہوں گے۔ راستے کی مشکلات اور دشواریوں پر اتنا ہی زیادہ قابو ہوگا، پھر اسی پیمانے پر کام میں ترقی اور مقصد میں کامیابی ہوگی۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ o طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (محمد:۲۰،۲۱)

''تو افسوس ہے ان پر! ان کا تو فرض تھا کہا ماننا اور بھلی بات کہنا۔''

اخوانی دعوت میں قیادت کی حیثیت ایک باپ کی سی ہے، کیوں کہ وہ اس سے قلبی تعلق رکھتی ہے، اس کی حیثیت ایک استاذ کی سی ہے کیوں کہ وہ اس کی علمی رہ نمائی کرتی ہے اس کی حیثیت ایک مرشد کی سی ہے، کیوں کہ وہ اس کی روحانی تربیت کرتی ہے، اوراس کی حیثیت ایک قائد کی سی ہے، کیوں کی وہی تحریک کو لے کر آگے بڑھتی ہے ـــــ قیادت پر اعتماد ہی تحریک کی جان اور اس کی کامیابی کا نشان ہے، اس لیے ناگزیر ہے کہ ہر مخلص بھائی خود اپنے دل سے درج ذیل سوالات کے جواب معلوم کرے تا کہ اس کو صحیح صورت حال کا اندازہ ہو سکے اور وہ جان سکے کہ اپنی قیادت پر اسے کتنا اعتماد ہے۔

(۱) کیا اس نے اپنے قائد کے بارے میں پہلے سے معلومات حاصل کی ہیں؟ کیا اس نے اس کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا ہے؟

(۲) کیا اس کی اہلیت نیز اس کے اخلاص و دل سوزی کی طرف سے اس نے پورا اطمینان کر لیا ہے؟

(۳) کیا وہ اس کے لیے تیار ہے کہ قیادت کی طرف سے صادر ہونے والے احکام کو (جو معصیت نہ ہوں) قطعی اور فیصلہ کن جانے، ان میں بحث وجدال، تذبذب یا نکتہ چینی کی گنجائش نہ سمجھے اور نہ اس کے ذہن ودماغ کے کسی بھی گوشے میں ان سے سرتابی کا جذبہ سر اٹھائے۔ ساتھ ہی وہ اس کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ اور اپنی صائب رائے سے اسے مطلع کرے؟

(۴) جن اجتہادی مسائل میں کوئی نص شرعی وارد نہیں، اگر ان میں قیادت کا موقف اس کی رائے یا اس کی معلومات کے برعکس ہو، تو کیا وہ اپنے اندر آمادگی پاتا ہے کہ قیادت کے ہی موقف کو صحیح تسلیم کر لے؟ اور اپنی رائے یا اپنی معلومات کو غلط مان لے۔

(۵) کیا وہ اس کے لیے تیار ہے کہ اپنے معاملات زندگی کو دعوت کی منشاء کے تابع کر دے؟ کیا اس کی نگاہ میں قیادت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی شخصی مصلحت اور دعوت کی عمومی مصلحت کے درمیان جس کو چاہے ترجیح دے سکے؟

یہ اور ان ہی جیسے متعدد سوالات ہو سکتے ہیں جن کے جواب معلوم کر کے ہمارا ہر بھائی اندازہ کر سکتا ہے کہ قائد سے اس کو کتنا تعلق ہے اور اس کے اوپر اسے کتنا اعتماد ہے؟ ویسے دل تو

اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جدھر چاہتا ہے اسے موڑ دیتا ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (الانفال: ٦٣)

''اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں کو باہم جوڑ نہ سکتے تھے، مگر اللہ نے انھیں باہم جوڑ دیا۔ بے شک اللہ بے پناہ قوت کا مالک اور بڑی حکمت والا ہے۔''

مرد مجاہد کے فرائض

مرے مسلم بھائی! اس بیعت کو قبول کر لینے کے بعد اب ضروری ہوگا کہ تم ان فرائض کی ادائیگی میں لگ جاؤ تاکہ دعوت اسلامی یا تحریک اسلامی کی محکم اور پائدار اینٹ، بن سکو، وہ فرائض درج ذیل ہیں:

(۱) روزانہ تلاوت کے لیے قرآن پاک کا کچھ حصہ متعین کر لو جو کم از کم ایک پارہ ہو۔ اور کوشش کرو کہ ختم قرآن کی مدت نہ ایک ماہ سے زائد ہو، نہ تین دن سے کم۔

(۲) قرآن پاک کی تلاوت خوش اسلوبی سے کرو، سننے کا موقع ہو تو جی لگا کر سنو، اس کے مطالب و معانی پر بھی اچھی طرح غور کرو۔

(۳) وقت کی گنجائش کے لحاظ سے سیرت پاک اور تاریخ کا بھی مطالعہ کرو کم از کم ''حماۃ الاسلام'' نامی کتاب تو دیکھ ہی ڈالو، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی کثرت سے پڑھا کرو۔ کم از کم چالیس حدیثیں تو زبانی یاد کر ڈالو، اور وہ چالیس، امام نوویؒ والی ہوں تو بہتر ہے۔ اصول عقائد اور مسائل فقہ کے سلسلے میں بھی ایک ایک رسالہ پڑھ ڈالو۔

(۴) جس قدر جلد ممکن ہو، اپنا طبّی معائنہ کراؤ، اگر کوئی مرض ہو تو اس کے علاج کی فکر کرو، جسمانی قوت میں اضافے کی جو شکلیں بھی ممکن ہوں ان کی طرف سے غافل نہ رہو۔ ضعف و ناتوانی کو جلد سے جلد رخصت کرو کہ ان کی زیادہ دل جوئی اچھی نہیں۔

(۵) چائے، قہوہ نیز دوسرے تیز قسم کے مشروبات کا زیادہ استعمال نہ کرو، ان کا استعمال بس اتنا ہی ہو جتنا ضروری ہو، بیڑی، سگریٹ اور تمبا کو نوشی سے تو بالکل ہی دور رہو۔

(۶) صفائی کا ہمیشہ خیال رکھو، گھر ہو، کارخانہ ہو، کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا تمہارا اپنا جسم ہو، کسی بھی موقع پر یا کسی بھی معاملے میں صفائی کی طرف سے بے پروانہ رہو کہ صفائی تو دین کی بنیاد ہے۔

(۷) تمہاری زبان سے ہمیشہ سچ بات نکلے، کبھی بھول کر بھی جھوٹ نہ بولو۔

(۸) عہد کے پابند اور وعدے کے پکے بنو، کیسے ہی حالات ہوں، عہد شکنی یا وعدہ خلافی نہ کرو۔

(۹) بہادر اور متحمل مزاج بنو، مگر سب سے بڑی بہادری اور تحمل یہ ہے کہ آدمی صاف گو اور حق پسند ہو۔ بھیدوں کا امین اور رازوں کا محافظ ہو، غلطی ہو تو اس کا اعتراف کرسکتا ہو، غصہ آئے تو اپنے اوپر قابو رکھ سکتا ہو، اور موقع آئے تو عدل وانصاف کی تلوار سے خود اپنی ذات کو گھائل کرسکتا ہو۔

(۱۰) باوقار بنو، متانت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑو، البتہ ذہن میں رہے کہ دلآویز تبسم اور سنجیدہ تفریح وقار ومتانت کے منافی نہیں۔

(۱۱) انتہائی غیرت مند، بیدار مغز اور حساس بنو، اچھائی اور برائی سے شدت کے ساتھ اثر لو، پہلے سے تمہیں خوشی ہو اور دوسرے سے رنج، ساتھ ہی متواضع اور منکسر مزاج بنو، البتہ تواضع اور منکسر مزاجی کا مطلب پستی، بے غیرتی اور چاپلوسی نہیں، نیز تم اپنی حیثیت سے کم کی ہی خواہش کرو تاکہ اس تک پہنچنا تمہارے لیے آسان ہو۔

(۱۲) عادل اور انصاف پرور بنو۔ ہمیشہ صحیح صحیح فیصلہ کرو۔ غصے میں کسی کی اچھائیوں کو عداوت کی آنکھ سے نہ دیکھو، نہ خوشی میں کسی کی برائیوں کو محبت کی ترازو میں تولو، باہمی اختلاف یا کشمکش کی وجہ سے کبھی احسان فراموشی کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ ہمیشہ حق بات کہو، چاہے کتنی ہی تلخ ہو، چاہے اس کی زد تم پر یا تمہارے اپنے کسی عزیز دل بند پر ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔

(۱۳) ہمیشہ چاق وچوبند اور مستعد رہو، فلاح عام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ اگر کسی کی خدمت کا موقع مل جائے تو غنیمت جانو، اسے اپنی نیک بختی اور فیروزمندی سمجھو۔ موقع ملے تو مریض کی عیادت کرو، محتاج کی دست گیری کرو، کمزوروں کو سہارا دو، پریشاں حال کے ساتھ ہم دردی کرو۔ اگر کچھ نہ ہوسکے تو پیار والفت کی باتیں ہی کرلو، ہمیشہ نیکیوں میں آگے آگے رہنے کی کوشش کرو۔

(۱۴) تمہارے اندر نرم خوئی، کریم النفسی اور فراخ دلی ہو، ہمیشہ عفوو درگذر سے کام لو، نرم دلی اور حلم و بردباری کا مظاہرہ کرو۔ انسان ہو یا حیوان سب کے ساتھ شفقت کرو۔ تمام ہی لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ انتہائی خوش کن اور دل نواز ہو، اسلام کے اجتماعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھو، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام کرو، مجلس میں کشادگی پیدا کرو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، نہ کسی کی غیبت کرو، غرض اس قسم کی جتنی باتیں ہوسکتی ہیں ان سب کا خیال رکھو۔

(۱۵) بہتر لکھنے اور عمدہ پڑھنے کی کوشش کرو، اخوانی اخبارات اور کتب و رسائل کا کثرت سے مطالعہ کرو، تمہاری اپنی ایک لائبریری ہو چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی ہو اور اگر کسی خاص علم وفن کا تم نے انتخاب کیا ہے، تو اس میں تبحّر پیدا کرو۔ اس کے علاوہ اسلامی امور اور اسلامی مسائل سے اس حد تک آگاہ رہو کہ ان میں غور وفکر کے بعد ایک ٹھوس اور سنجیدہ رائے قائم کرسکو جو تمہارے فکر سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

(۱۶) کوئی نہ کوئی معاشی جد وجہد جاری رکھو، اگر چہ تم غنی اور بے احتیاج ہی کیوں نہ ہو۔ اور حتی المقدور آزاد پیشہ اختیار کرو، چاہے وہ کتنا ہی معمولی اور چاہے علمی حیثیت سے تمہاری صلاحیتیں کچھ بھی ہوں۔

(۱۷) سرکار ملازمت کی تمنا نہ کرو۔ رزق کا اس سے زیادہ تنگ دروازہ اور کوئی نہیں، البتہ اگر قسمت سے مل جائے تو ٹھکراؤ بھی نہیں، جب تک دعوتی فرائض سے اس کا تصادم نہ ہو، اس کو چھوڑنے کی کوشش نہ کرو۔

(۱۸) تمہیں اس بات کی فکر ہو کہ اپنی ڈیوٹی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے سکو، اس میں نہ کوتاہی ہو اور نہ بے ایمانی۔ اور وقت کی پوری پوری پابندی ہو۔

(۲۰) جوئے سے اجتناب کرو، خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو، اور چاہے اس کے پیچھے کیسا ہی مقصد کارفرما ہو، حرام کمائی کے تمام ہی راستوں سے دور رہو، گرچہ اس کے ذریعے تمہیں کیسا ہی نفع عاجل حاصل ہوسکتا ہو،

(۲۱) اپنے سارے معاملات میں سود سے پرہیز کرو، اس کا ذرا سا دھبہ بھی تمہارے دامن پر نہ ہو۔

(۲۲) مسلمانوں کی مصنوعات اور مسلمانوں کی ایجادات کی حوصلہ افزائی کرکے مسلمانوں کی اقتصادیات کو فائدہ پہنچاؤ۔ اور ان کی دولت میں اضافہ کرو چاہے کچھ بھی حالات

ہوں۔تمہاری کوئی ننھی پائی کسی غیر مسلم کے ہاتھ میں نہ جائے۔تم بس وہی چیزیں کھاؤاور بس وہی کپڑے پہنو، جوتمہارے اپنے وطنِ اسلامی ہی کے تیار کردہ ہوں۔

(۲۳) اپنے مال کا کچھ حصہ دعوت اسلامی کے لیے بھی خاص کرو، اپنے مال کی زکوٰۃ بھی پابندی سے ادا کرو، اس میں سے ایک مناسب مقدار غریبوں اور بیکسوں کے لیے بھی الگ کرو، ایسا ضرور کرو، چاہے تمہاری آمدنی کتنی ہی تھوڑی ہو۔

(۲۴) آمدنی کا ایک حصہ ناگہانی ضرورتوں کے لیے بھی بچاؤ، چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔اور تعیّشات کے چکر میں نہ پڑو۔

(۲۵) جہاں تک ہوسکے اسلامی تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش کرو، اس کے برعکس عجمی تہذیب کو زندگی کے تمام مظاہر سے بے دخل کردو۔ سلام بھی اسلامی ہو، زبان وتاریخ بھی اسلامی ہو۔وضع قطع بھی اسلامی ہو، ساز وسامان بھی اسلامی ہوں، کام اور آرام کے اوقات بھی اسلامی ہوں، کھانے پینے کے انداز، آنے جانے کے آداب، جشن وماتم کے طور طریق، غرض ہماری ہر ہر ادا مزاج اسلامی کی نمائندہ اور اخلاقِ رسالت کی ترجمان ہو۔

(۲۶) ملک کی تمام عدالتوں اور ان کے غیر اسلامی فیصلوں کا مکمل بائیکاٹ کرو، ان تمام رسالوں، مجلسوں، جماعتوں، مدرسوں اور انجمنوں سے بھی کوئی علاقہ نہ رکھو، جو تمہارے فکر اسلامی کی دشمن ہوں۔

(۲۷) اللہ تبارک وتعالیٰ کا تصور ہمیشہ ذہن میں حاضر رکھو، آخرت کو یاد کرو اور اس کے لیے تیاری کرو، پورے عزم وہمت اور حوصلے کے ساتھ طلب رضائے الٰہی کی منزلیں طے کرو، نفل عبادات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی فکر کرو، راتوں کو قیام کرو، ہر ماہ کم ازکم تین دن کے روزے رکھو، ذکر قلبی اور ذکر لسانی دونوں ہی کا اہتمام کرو۔مختلف اوقات کی جو مسنون دعائیں ہیں ان کا خیال رکھو۔

(۲۸) طہارت کا پورا اہتمام کرو اور زیادہ تر باوضو رہنے کی کوشش کرو۔

(۲۹) تمہاری نمازیں خوبصورت ہوں۔صحیح وقت پر ادا ہوں۔اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ ادا ہوں۔

(۳۰) رمضان کے روزے رکھو، قدرت ہو تو خانۂ کعبہ کا حج بھی کرو۔اور اگر ابھی ممکن نہ ہو تو

آئندہ کے لیے کوشش کرو۔

(۳۱) دل میں ہمیشہ جہاد کی نیت اور شہادت کی تمنا رکھو۔ اس کے لیے جتنی ہو سکے تیاری بھی کرتے رہو۔

(۳۲) توبہ واستغفار کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرو، کبائر تو الگ رہے، صغائر سے بھی اجتناب کرو، رات کے کچھ لمحات متعین کر لو اور سونے سے پہلے، بلا ناغہ اپنے نفس کا احتساب کرو، دیکھو کہ تم نے دن بھر میں نیکیاں کتنی کی ہیں، اور کتنی بار نفس کے دام فریب میں جا پڑے ہو، وقت کی قدر کرو، کہ وقت ہی کا نام زندگی ہے۔ تمہاری زندگی کے چند لمحات بھی رائیگاں نہ جائیں اور مشتبہ چیزوں سے دور رہو، تاکہ حرام کے حدود میں نہ جا پڑو۔

(۳۳) نفس سے زبردست جہاد کرو، یہاں تک کہ وہ اپنی نکیل تمہارے ہاتھ میں دے دے۔ نگاہیں نیچی رکھو، جذبات کو بے لگام نہ چھوڑو، نفسانی خواہشات کا برابر مقابلہ کرو، انھیں حرام کی پرخطر وادیوں میں بھٹکنے کا موقع دے بغیر حلال وطیب کی رفعتوں میں پہنچادو۔

(۳۴) شراب، نشہ، کسل پیدا کرنے والی اشیاء اور اس قسم کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی ہوں، ان سب سے دور رہو۔

(۳۵) برے دوستوں اور غلط ساتھیوں کے سائے سے دور بھاگو اور گناہ و معصیت کی جگہوں کے قریب نہ بھٹکو۔

(۳۶) لہو ولعب کی جگہوں سے قریب ہونا تو درکنار، تم ان کے لیے مستقل خطرہ بن جاؤ، اور دولت وعشرت کے تمام ہی مظاہر سے ہمیشہ دور رہو۔

(۳۷) اپنے دستے کے ہر ہر سپاہی کے بارے میں پوری معلومات رکھو اور انھیں بھی اپنے بارے میں تمام معلومات بہم پہنچاؤ، تم ان کے حقوق ادا کرنے میں فراخ دلی اور مستعدی کا ثبوت دو اور ان کی دل جوئی و قدر شناسی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرو۔ تم ان کے ساتھ تعاون کرنے اور ہر موقع پر ایثار سے کام لینے کی کوشش کرو اور جب تک کسی عذر کے ہاتھوں بے بس نہ جاؤ ان کے اجتماعات میں شرکت سے نہ چوکو، مختصر یہ کہ ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا رویہ اختیار کرو جو ان کے دلوں کو جیت لے اور انھیں تمہارا گرویدہ بنا دے۔

(۳۸) تم چاہے کسی انجمن یا کسی بھی جماعت سے وابستہ ہو، اگر وہ وابستگی، تمہارے فکر کی

مصلحتوں کے خلاف ہے، تو فوراً اس کو خیر باد کہو، بالخصوص اگر تم کو اس کا حکم دے دیا جائے تب تو ایک لمحے کے لیے تردد روا نہیں۔

(۳۹) زمین کے گوشے گوشے میں اپنی دعوت عام کرنے کی جان توڑ کوشش کرو اور قیادت کو اپنے تمام حالات کی اطلاع دیتے رہو، نیز اس سے اجازت لیے بغیر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جو بنیادی حیثیت سے اس پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

(۴۰) قیادت سے تمہارا رشتہ انتہائی استوار ہو۔ اس سے تمہارا عملی تعلق بھی ہو اور جذباتی لگاؤ بھی۔ تمہاری حیثیت گویا ایک ایسے فوجی کی سی ہو جو کسی فوجی چھاؤنی میں ہمہ تن گوش کھڑا ہوا اور نہایت بے تابی کے ساتھ کسی حکم کا انتظار کر رہا ہو۔

خلاصۂ گفتگو

میرے مخلص بھائی!

یہ ہے تمہاری دعوت کا خلاصہ اور یہ ہے تمہارے فکر کا ایک مجمل خاکہ۔ اور اگر چاہو تو ان تمام باتوں کو پانچ فقروں میں سمیٹ سکتے ہو:

اَللّٰهُ غَايَتُنَا وَالرَّسُوْلُ قُدْوَتُنَا وَالْقُرْاٰنُ شِرْعَتُنَا وَالْجِهَادُ سَبِيْلُنَا وَالشَّهَادَةُ اُمْنِيَّتُنَا۔

''اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کعبۂ مقصود ہے، رسولؐ ہی ہمارے رہبر ہیں، قرآن ہی ہمارا دستور ہے، جہاد ہی ہمارا طریق کار ہے۔ اور شہادت ہی ہماری آرزو ہے۔''

نیز اگر چاہو تو ان کی عملی صورتوں کو بھی ان پانچ لفظوں میں سمیٹ سکتے ہو: سادگی، تلاوت، نماز، سپہ گری، حسن اخلاق۔

پیارے بھائی!

اب شدت سے ان ہدایات پر کاربند ہو جاؤ، اور اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو، کاہلوں اور نکموں کے لیے تو صحیح جگہ احدیوں کی پلٹن ہے۔

یقین رکھو، اگر ان ہدایات پر تم عمل پیرا ہوئے اور یہی چیزیں تمہاری زندگی کا نصب العین یا تمہارے ساز دل کا سب سے پیارا نغمہ بن گئیں تو دنیا میں تمہارے لیے عزت و سر بلندی ہے۔ اور

آخرت میں کامیابی اور رب کی خوش نودی اور تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں، لیکن اگر تم نے ان سے روگردانی کی اور ان پر کاربند ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، چاہے تم ہماری مجلسوں میں کیسے ہی سینہ نکال کر بیٹھو، چاہے تمہارے سر پر کیسے ہی بڑے بڑے القاب کا ٹوکرا ہو اور چاہے تم ہمارے درمیان کیسے ہی طمطراق اور کیسی ہی سج دھج سے نمودار ہو، پھر یہی نہیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ بھی اس نکمے پن پر انتہائی کڑا احتساب فرمائے گا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو اپنے لیے پسند کرلو۔ اللہ ہمیں اور تمہیں اپنی توفیق و ہدایت سے بہرہ مند فرمائے۔

''اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے؟

ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر۔

اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

وہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔

اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی، اور داخل کرے گا نہایت عمدہ گھروں میں جو سدا رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ ہے سب سے بڑی کامیابی۔

ایک دوسری چیز بھی عطا کرے گا جس کی تم خواہش رکھتے ہو، یعنی اللہ کی مدد۔

اور فتح جواب دور نہیں۔ (اے نبیؐ!) اہل ایمان کو بشارت دے دو۔

اے ایمان لانے والو! اللہ کے مددگار بنو، جیسا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے کہا:

کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟ حواریوں نے کہا، ہم ہیں اللہ کے مددگار، اس طرح بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا۔ اور ایک گروہ نے کفر کیا، تو ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے

تھے، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہ ان پر غالب رہے۔ (سورۃ صف: ۱۰۔ ۱۴)

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

اسلامی کنبہ

اسلام چاہتا ہے کہ وہ ایسے اسلامی کنبے تیار کرے جن کا مطمح نظر اعلیٰ ترین مثالی زندگی ہو، جن کے تعلقات اور رشتوں میں استحکام اور پائداری ہو، اور جن کی الفت واخوت محض زبانی یا خیالی نہ ہو، بلکہ حقیقت اور واقعیت کا رنگ لیے ہوئے ہو، تو اے میرے بھائی! تم بھی اس بات کے آرزومند رہو کہ اس قصر (اسلام) کی عمدہ اور مستحکم اینٹ ثابت ہوسکو۔ اس طرح کے مضبوط رشتے اور یہ مثالی تعلقات قائم کرنے والی تین چیزیں ہیں، تو تم انھیں گرہ دے لو۔ اور عملاً انھیں برتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے یہ رشتے اور یہ تعلقات محض ایک بوجھ یا ایک رسمی چیز بن کر رہ جائیں، جن کے اندر کوئی اسپرٹ اور کوئی روح نہ ہو۔

(ا) تعارف

اس سلسلے کی سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور للّٰہیت کی روح لیے ہوئے ایک دوسرے سے محبت کرو، بے لوث اور کامل اخوت ہی تمہارا امتیازی نشان ہو، اور پھر ہمیشہ چوکنے رہو کہ تمہارے تعلقات کے چشمہ صافی کو کوئی چیز گدلا نہ کر سکے، تم قرآن کریم کی آیات اور رسول پاکؐ کی احادیث کو ہمیشہ سامنے رکھو، مندرجہ ذیل آیات ہمیشہ تمہارے لوح ذہن پر نقش رہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ ''مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًاوَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران: ۱۰۳)

''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور پھوٹ میں نہ پڑو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث بھی تمہارے ذہن سے کبھی محو نہ ہوں:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔

''ایک مومن کی مثال دوسرے مومن کے لیے بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی عمارت ہو کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط رکھتا ہے۔''

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ۔

''مسلم تو مسلم کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑ سکتا ہے۔''

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ۔

''باہمی مودت، باہمی رحم ومواساۃ اور باہمی شفقت کے سلسلے میں مومنین کا حال تو ایسا ہوتا ہے گویا وہ ایک ہی جسم ہوں۔''

صدر اول کے بعد مسلمانوں کے یہاں ان ربانی احکام اور ان نبویؐ ارشادات کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہوگئی گویا یہ کچھ خیالی باتیں ہیں، جن کا عمل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ تو بس اس لیے ہیں کہ اپنی مجلسوں میں انھیں کہہ سن لیا جائے۔ اور زبانی طور پر ان کے چرچے کرلیے جائیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا کے اسٹیج پر تم نمودار ہوئے ہو، اے گروہ اخوان! اے باہم دگر محبت رکھنے والے بھائیو! اور اس ارادے اور اس عزم کے ساتھ نمودار ہوئے ہو کہ ان احکام وہدایات کو اپنے معاشرے میں قائم ونافذ کرو، اور پھر از سرنو ایک ایسی امت تیار کرو جو محض اللہ کے لیے خالص اسلامی جذبۂ اخوت کے تحت محبت کرنا جانتی ہو، تو اللہ تمھیں مبارک کرے۔ اگر تم اپنے ارادے میں سچے اور عزائم میں مخلص ہو، اور مجھے یقین ہے کہ تم سچے اور مخلص ہی ہو، اللہ تمہارا کارساز اور مددگار رہو۔

(۲) باہمی احتساب

اس سلسلے کی یہ دوسری کڑی یا اس نظام کا یہ دوسرا رکن ہے، تم راہ حق پر قائم ودائم رہو، ہمیشہ وہی کام کرو جس کا خدا نے حکم دیا ہے، اور جس سے روکا ہے، اس کے قریب نہ جاؤ۔ طاعت و معصیت پر انتہائی باریک بینی سے اپنا احتساب کرو، تم میں سے کوئی فرد اگر کبھی اپنے کسی بھائی کے اندر کوئی عیب دیکھے تو اس کو نصیحت کرے اور دوسرا بھائی نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے اپنے بھائی کی نصیحت کا خیر مقدم کرے اور اس خیر خواہی پر اس کا ممنون ہو، نصیحت کرنے والے

کے دل میں اپنے دوسرے بھائی کے سلسلے میں سرمو فرق نہ آئے اور نہ وہ کوئی ایسا انداز اختیار کرے جس سے دوسرے بھائی کو اپنی تنقیص یا توہین کا گمان ہو، یا اس کی طرف سے کسی طرح کے احساس برتری کا اسے شبہ ہو، اس کے برعکس وہ پورے ایک ماہ تک اس کی مکمل پردہ داری کرے، اب اگر وہ خود اپنی اصلاح سے عاجز رہ جائے تو سوائے امیر کنبہ کے اور کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہونے دے۔ نیز جب تک اللہ تعالیٰ اس کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہ فرمادے، وہ پہلے ہی کی طرح اب بھی پورے احترام اور محبت وشفقت سے اس کے ساتھ پیش آتا رہے، پھر جس بھائی کو نصیحت کی جائے اس کے دل میں بھی ناصح کے سلسلے میں کسی قسم کے بغض وعناد یا ضد اور ہٹ دھرمی کی کیفیت نہ پیدا ہو، اس کے دل میں ناصح کی طرف سے بال برابر فرق نہ آئے، کیوں کہ حب فی اللہ (باہم خدا کے لیے محبت) کا مرتبہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور نصیحت تو دین کا ستون ہے (اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ) خدا تمہارا بھلا کرے، تم اس حدیث پر غور کرو، اللہ تمہیں ایک دوسرے کے شر سے بچائے۔ اپنی اطاعت کے ذریعے تمہیں سربلند کرے اور ہم تمام لوگوں کو شیطانوں کی چالوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

(۳) باہمی تعاون

یہ اس سلسلے کی تیسری کڑی یا اس نظام کا تیسرا رکن ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اپنے بھائی کا بھی کچھ بار اپنے سر لے لیا کرو۔ یہ چیز تمہارے ایمان کا بیّن ثبوت ہوگی اور یہی اخوت کی جان بھی ہے، تم ہمیشہ ایک دوسرے کا خیال رکھو، اپنے بھائی کی ضرورتیں معلوم کرکے اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس کے ساتھ تعاون کرنے کی جو بھی راہ اختیار کر سکتے ہو، اس میں کوتاہی نہ کرو۔ ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر تو غور کرو۔

لَاَنْ یَّمْشِیَ اَحَدُکُمْ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّعْتَکِفَ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا شَھْرًا۔

’’اپنے بھائی کی حاجت روائی کے لیے کوئی تگ ودو کرے، تو یہ اس کے حق میں میری اس مسجد میں ایک ماہ اعتکاف کرنے سے بڑھ کر ہے۔‘‘

وَمَنْ اَدْخَلَ السُّرُوْرَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَرَ اللہُ لَہٗ جَزَآءً دُوْنَ الْجَنَّۃِ۔

''کسی مسلم خاندان کے لیے اگر کوئی خوشی کا سامان کردے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں جنت سے کم کوئی صلہ نہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنے لطف خاص سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت پیدا کرے، بلاشبہ وہ بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ہے۔

میرے بھائیو!

ان باتوں کا عملی دنیا میں پایا جانا کچھ مشکل نہیں، ان کی چلتی پھرتی زندہ تصویر تو خود بخود نظر آنے لگیں گی، شرط صرف یہ ہے کہ تمہیں اپنے فرائض کا صحیح معنوں میں احساس ہو۔ کرنے کے جو کام ہین ان کے لیے تم کمربستہ رہو، تم ہمیشہ اپنے فرائض پر نظر رکھو تاکہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرسکو، نیز تم میں کا ہر ہر فرد خود بھی احتساب کرے کہ اپنے فرائض کے سلسلے میں اس نے کس حد تک شوق اور دل چسپی کا مظاہرہ کیا ہے، ہمارا کوئی بھائی مستقل ہونے والے اجتماعات کو کسی بھی قیمت پر نہ چھوڑے، خواہ اس کی معذوریاں کیسی ہی ہوں، تم میں سے ہر فرد کے ذمہ اپنے کنبے کے جو مالی حسابات ہوں ان کو بھی چکانے میں وہ پوری مستعدی سے کام لے۔ تاکہ کوئی کوتاہ اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرسکے۔

جب تم ان شخصی، اجتماعی اور مالی فرائض کی ادائیگی میں چاق و چوبند رہو گے تو پھر وہ ساری باتیں ضرور بالضرور پائی جائیں گی، کہ پھر ان کے نہ پائے جانے کے کیا معنیٰ؟ لیکن اگر تم نے ان فرائض کے سلسلے میں کوتاہی کی تو اس نظام کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی، پھر وہ رفتہ رفتہ فنا ہو کر رہ جائے گا۔ اور اس کا فنا ہونا اس دعوت کے لیے کتنا عظیم خسارہ ہوگا۔ جب کہ آج یہی دعوت اسلام اور مسلمین کی توقعات کا مرکز ہے، ان کی امیدیں اور تمنائیں اسی سے وابستہ ہیں۔

تم میں سے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اپنے ہفتہ واری اجتماعات میں وہ کیا کیا پروگرام رکھیں؟

یہ سوال تو بہت ہی آسان ہے کہ وقت تو یاں کچھ بھی نہیں اور ذمہ داریاں اتنی ہیں کہ کبھی ختم ہونے پر نہ آئیں۔

ہاں تو جتماعات میں درج ذیل پروگرام رکھے جائیں۔

(ا) ہر بھائی اپنی مشکلات اور دشواریاں پیش کرے، پھر وہ اور اس کے ساتھ دوسرے سارے بھائی اخوت و صداقت اور اخلاص و انابت کی روح پرور فضا میں ان کے حل تلاش کرنے کی

کوشش کریں۔اس طرح اعتماد باہمی میں اضافہ ہوگا،آپس کے تعلقات استوار ہوں گے،ہر مومن صحیح معنوں میں اپنے بھائی کا آئینہ بن سکے گا،نیز اس کے اندر کچھ اس طرح کی کیفیت پیدا ہوسکے گی جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اشارہ ہے:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَتَرَاحُمِھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ،اِذَا اشْتَکٰی مِنْهُ عَضْوٌ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی۔

''باہمی مودت،باہمی رحم ومواسات اور باہمی شفقت کے سلسلے میں مومنین کا حال ایسا ہے گویا وہ ایک ہی جسم ہیں کہ جب کوئی بھی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو بقیہ سارے اعضاء اس کے شریک درد ہوکر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔''

(۲) اسلامی مسائل پر باہم مذاکرے ہوں،اخوانی رسائل نیز مرکزی قیادت کی طرف سے آنے والی ہدایات کی خواندگی ہو،یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اسلامی کنبہ بحث وجدال،جوش واشتعال اور شور ہنگامے کی قطعاً گنجائش نہیں رکھتا کہ اس کنبے کی شریعت میں یہ چیزیں حرام ہیں،اس کے برعکس مکمل ادب ووقار اور خالص قدر واحترام کی پرسکون اور جاں نواز فضا میں بس سوال واستفسار ہوگا،پھر افہام وتفہیم ہوگی،مسائل پر اظہار خیال ہوگا،اور اگر کسی مسئلے میں پیچیدگی پیدا ہوگئی یا کسی کو کوئی بات کھٹی ہوئی یا کسی مسئلے کی مزید وضاحت مطلوب ہوئی تو صدر مجلس اس کو نوٹ کرے گا اور پھر اس سلسلے میں قیادت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے سلسلے میں اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذَا جَآءَ ھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا عُوْا بِهٖ ط (النساء:۸۳)

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے لے اڑتے ہیں۔''

پھر اس موقع پر ہونا کیا چاہیے،اس کی طرف بھی اس نے رہ نمائی فرمائی ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ۔ ط (النساء:۸۳)

''اگر وہ اسے رسول یا ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے تو اسے وہ لوگ جان لیتے جوان کے درمیان اس سے صحیح نتیجہ نکال سکتے تھے۔''

(۳) کسی اہم کتاب کے کسی مفید حصے کا اجتماعی مطالعہ ہو، باہمی تعلقات کو بہتر اور خوش تر بنانے کے لیے، ان کے علاوہ بھی بے شمار شکلیں ہیں جنھیں یہاں بیان کرنا ممکن نہیں، اور نہ قیادت کی ہدایات ہی ان کا احاطہ کر سکتی ہیں، مگر وہ آپس میں اخوت کی روح پیدا کرنے کے باب میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کی نشان دہی بھی فرمادی ہے جیسے مریض کی عیادت کرنا، کسی محتاج کے ساتھ ہمدردی کرنا، خواہ وہ میٹھے بولوں کی ہی شکل میں ہو، کسی گم شدہ کی تلاش کرنا، یا سفر کے دوران کسی بے سہارا شخص کی مدد کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں رشتۂ اخوت کو استوار کرتی اور دلوں کے اندر الفت ومحبت کے لطیف جذبات بیدار کرتی ہیں۔ ہمارے بھائی کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ ان مواقع کی تاک میں رہے، اس طرح کی چیزوں سے کبھی غافل نہ ہو۔

اس کے علاوہ ہمارے بھائیوں کو چاہیے کہ وہ:

(۱) اجتماعی طور پر قدیم یادگاروں اور کارخانوں کے مشاہدے کے لیے موقع نکالیں۔
(۲) کبھی کبھی چاندنی راتوں میں اجتماعی سیر وتفریح کے لیے نکل جائیں۔
(۳) مشق جہاز رانی کے لیے باہم دریائی سفر کا پروگرام بنائیں۔
(۴) کبھی کبھی اجتماعی سیر وسیاحت کی غرض سے کوہستانی صحرائی یا زرعی علاقوں کی طرف چلے جائیں۔
(۵) وقتاً فوقتاً سائیکلوں پر مختلف طرح کے اجتماعی دورے کریں۔
(۶) ہفتے ہفتے یا ہر دو ہفتے پر روزے رکھنے کا اجتماعی نظم کریں۔
(۷) ہفتے میں کم از کم ایک بار ایک ہی مسجد میں نماز فجر ادا کرنے کا التزام کریں۔

توقع ہے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو خوش گوار و دل نواز بنانے میں یہ چیزیں کافی مفید ومعاون ثابت ہوں گی۔

فرشتوں کی دعا

حضرت ابورزینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایک ایسی جامع بات بتاؤں، جس کے ذریعے تم دونوں جہان کی سرخ روئی حاصل کرسکو۔ ذکر کرنے والوں کی ہم نشینی اختیار کرو۔ اور جب تنہا ہو تو جہاں تک ہوسکے اپنی زبان ذکرِ الٰہی سے تر رکھو۔ تمہاری دوستی بھی اللہ کے لیے ہو، اور دشمنی بھی اللہ کے لیے۔

ابورزینؓ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی دینی بھائی کی ملاقات کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور وہ سب اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔

خدایا! اس نے محض تیرے لیے دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کی ہے، تو بھی اس پر اپنا فضل فرما۔ اگر تم خود کو اس کام میں لگا سکو تو ایسا ضرور کرو۔''

(سنن بیہقی)

(۲)

فریضۂ جہاد

وَجَاهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

جہاد ہر مسلم پر واجب ہے

فریضۂ جہاد کو اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر لازم کیا ہے۔ اس نے جہاد پر بے انتہا زور دیا ہے، اور شہداء و مجاہدین کے لیے بے پناہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے، اجر بھی ایسا جو صرف انھی کے لیے خاص ہوگا، یا پھر ان لوگوں کے لیے ہوگا جو ان ہی کی روش کو اسوہ بنائیں، اور ان کی طرح راہ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

اس نے انھیں ایسی ظاہری و باطنی خصوصیات سے نوازا ہے جو ان ہی کے لیے خاص ہیں۔ ان کے پاکیزہ و طاہر خون کو اس نے فتح و نصرت کا نشان اور عزت و سعادت کا عنوان قرار دیا ہے، احدیوں اور نکموں کو انتہائی لرزہ خیز وعیدیں سنائی ہیں، نہایت گھٹیا اور نفرت انگیز ناموں سے موسوم کیا ہے۔ بزدلی اور جہاد سے پہلو تہی پر ان کی توبیخ فرمائی ہے۔ کم ہمتی اور کوتاہی پر انھیں ملامت کی ہے۔ دنیا میں ان کے لیے ہمیشہ کی رسوائی ہے اور آخرت میں جہنم کا دائمی عذاب، جو کبھی ٹلے گا نہیں چاہے وہ فدیے میں سونے کا پہاڑ پیش کر دیں۔ اس کے نزدیک جہاد سے پہلو تہی سخت ترین گناہ اور قوم و ملت کے لیے موت ہے۔

تم دنیا میں کوئی ایسا نظام نہیں پاؤ گے جو جہاد و قتال، قوت کے استعمال، باہمی نظم و اتحاد اور حق کے دفاع پر اتنا زور دیتا ہو جتنا اسلام نے دیا ہے۔ ایسا نظام نہ دور قدیم میں پاؤ گے، نہ دور جدید میں۔ حکومت کے ایوانوں میں پاؤ گے نہ مذاہب عالم کے صحیفوں میں۔ قرآن کریم کی آیات اور رسول پاکؐ کی احادیث ان اعلیٰ تعلیمات سے پر ہیں۔ وہ انتہائی واضح انداز میں جہاد و قتال اور سپہ گری کی دعوت دیتی اور بری و بحری تمام وسائل جنگ کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

یہاں ہم ان ہدایات کا کچھ تھوڑا سا حصہ پیش کریں گے کیوں کہ ہمارا مقصد ان کا استقصاء نہیں، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ایک ہلکی سی جھلک تمہیں بھی دکھا دیں۔ آیات

واحادیث کی تشریح میں بھی ہم زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیں گے۔ تمہاری نگاہیں ابھی خود دیکھ لیں گی کہ ان کے الفاظ کتنے پرشکوہ، اور مطالب کتنے دل نشیں ہیں اور کتنی روحانیت ہے ان میں، جو ہر تشریح وتوضیح سے بے نیاز ہے۔

جہاد کی چند آیات

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ:۲۱۶)

فرض کی گئی تم پر جنگ، اور یہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں ناگوار ہو، اور تمہارے حق میں بہتر ہو، اور ممکن ہے ایک چیز تمہیں مرغوب ہو، اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَاقُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۵۶۔۱۵۸)

"اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے کفر کیا اور جو اپنے بھائیوں کی بابت جب کہ وہ سفر یا جہاد میں نکلتے ہیں، اور ان کو موت آجاتی ہے۔ کہتے ہیں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں حسرت بنادے اور اللہ ہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی رحمت و مغفرت (جس سے تم شادکام ہوگے) اس سے کہیں بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں، اور چاہے تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال اللہ ہی کے پاس اکھٹا کیے جاؤ گے۔"

غور کرو! پہلی آیت میں راہ خدا کی موت یا قتل کے بالمقابل رحمت و مغفرت کا ذکر ہے، اور دوسری آیت رحمت و مغفرت کے ذکر سے خالی ہے، کیوں کہ اس میں جہاد کا تذکرہ نہیں۔ پھر آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بزدلی کفار کی صفت ہے نہ کہ مومنین کی۔ تو دیکھو، آج صورت حال کیا سے کیا ہوگئی ہے؟

(۳) وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَo فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ لا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لا اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَo (آل عمران:۱۶۹-۱۷۰)

"جولوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس فضل سے انھیں نوازا ہے، اس پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور ان اہل ایمان کے بارے میں بھی وہ خوش ہو رہے ہیں جو ان کے پیچھے (دنیا میں ہیں) ابھی آکر ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں کہ انھیں بھی نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔"

۱۶۹ سے ۱۷۵ تک کی آیات اسی مضمون کی ہیں، تم قرآن پاک کھول کر انھیں دیکھ لو۔

(۴) فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ط وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًاo (النساء:۷۴)

"تو جولوگ دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کریں انھیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا تو وہ مارا جائے یا غلبہ پائے، اسے جلد ہی ہم اجر عظیم سے نوازیں گے۔"

آیت ۷۱ سے ۷۸ تک ایک ہی سلسلہ ہے، قرآن کریم کھول کر دیکھو اس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مومنین کو ہمیشہ ہوشیار رہنے پر ابھارا ہے اور حسب موقع لشکروں اور ٹولیوں کی شکل میں دشمن کی طرف مارچ کرنے پر للکارا ہے۔ نیز دیکھو، وہ مفاد پرستوں کی کس طرح توبیخ کرتا اور کس طرح کمزوروں کی حمایت اور مظلوموں کی مدافعت کے لیے راہ وارحمیت

کو مہمیز لگاتا ہے۔ وہ کس طرح نماز روزے کے ساتھ جہاد کو ملا دیتا اور یہ حقیقت سامنے لاتا ہے کہ جہاد بھی قصر اسلام کا ایک اہم ستون ہے۔ پھر وہ کس طرح تذبذب کے مریضوں کا علاج کرتا، ان کے شبہات کا ازالہ کرتا، سہمے ہوئے دلوں میں جرأت وشجاعت کی روح پھونکتا اور موت سے آنکھیں ملانے کا بے پناہ عزم پیدا کرتا ہے کہ موت تو بہر حال آنی ہے، وہ آ کر رہے گی۔ البتہ اگر وہ راہ خدا میں جان دیں گے تو اپنے رب کے یہاں اس کا صلہ پائیں گے۔ وہ ادنیٰ سے ادنی ایثار وقربانی کے بھی اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔

(۵) سورۂ انفال تو پوری کی پوری ایک دعوت جہاد اور ایک نفیر پیکار ہے۔ شروع سے آخر تک اس میں جہاد کی ترغیب اور احکام جہاد کی تفصیل ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ نے اس سے ایک رجز یہ گیت یا ایک جنگی ترانے کا کام لیا۔ جب لڑائی زوروں پر ہوتی اور جنگ کے شعلے بلند ہوتے تو اس کے ذریعے وہ شوقِ جہاد کو دو آتشہ کرتے اور پھر ذوق شہادت سے بے تاب ہو جاتے۔ مثلاً دیکھو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:۶۰)

”اور جہاں تک ہو سکے تم لوگ ہتھیار اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعے اللہ کے مخالفوں اور تمہارے دشمنوں پر دھاک بیٹھے۔“

پھر سلسلۂ کلام آگے بڑھتے بڑھتے اس للکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ (الانفال:۶۵)

”اے نبیؐ! مؤمنین کو قتال پر ابھارو، اگر تم میں کے بیس ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب رہیں گے، اور اگر سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر بھاری رہیں گے۔ کیوں کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔“

(۶) سورۂ توبہ بھی سرتاسر ایک دعوت قتال، ایک نفیر پیکار اور ایک زبردست للکار ہے، اس کے

علاوہ کچھ جنگی احکام ہیں۔ ذرا عہد شکن مشرکین سے متعلق اس فرمان الٰہی پر نظر ڈالو، کس طرح اس سے غیظ وغضب کے شرارے چھوٹ رہے ہیں۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَo وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo (التوبہ: ۱۴، ۱۵)

''جنگ کرو ان سے! اللہ تمہارے ہاتھوں انھیں عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا، ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا، اور مومنین کے سینے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کر دے گا اور اللہ جس پر چاہے گا مہربان ہوگا۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اسی طرح اہل کتاب سے متعلق اس فرمان الٰہی کے تیور دیکھو:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَo (التوبہ: ۲۹)

''جنگ کرو ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ اسے حرام ٹھہراتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ہر طرح کے اقتدار سے محروم ہو کر اور چھوٹے بن کر جزیہ دینے لگیں۔''

پھر آگے کچھ آیات میں ایک نفیر عام ہے جس میں بجلی کی سی کڑک اور بادل کی سی گرج ہے اور آخر میں یہ آیت ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo (التوبہ: ۴۱)

''نکل پڑو چاہے ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں جہاد کرو! یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانو۔''

پھر معاشرے کے ان ذلیل و بزدل عناصر پر لرزہ خیز عتاب ہے جو جہاد کے موقع پر

[illegible]

جانوں سے جہاد کیا یہی لوگ ہیں جن کے لیے کامرانیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

اس کے بعد ایک نہایت جامع تجارت کا تذکرہ ہے جس کے بعد کسی حیلے حوالے اور کسی گریز کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ:۱۱۱)

"بلاشبہ اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں، اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، سو وہ مارتے بھی ہیں۔ اور مارے بھی جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمہ ایک پکا وعدہ ہے، تورات میں بھی، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ سو اپنے اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"

(۷) سورۂ قتال ـــــ ذرا تصور تو کرو کہ خدائے تعالیٰ کے اس صحیفۂ حکمت میں کس طرح ایک پوری سورہ کا نام ہی سورۃ القتال رکھ دیا جاتا ہے۔

پھر ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ عسکریت یا سپہ گری کی روح دو چیزیں ہیں: اطاعت اور نظم۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب حکیم کی دو ہی آیتوں میں یہ دونوں ہی چیزیں جمع کر دی ہیں۔ اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے اسی سورہ میں ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِىِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ○ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ○ (محمد: ۲۰، ۲۱)

''اور جو ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں، کوئی سورہ کیوں نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے اور اس میں جنگ کی بات ہوتی ہے تو تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو، جن کے دلوں میں روگ ہے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح تاکتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ تو افسوس ہے ان پر! ان کی طاعت بھی آزمودہ ہے اور باتیں بھی معلوم ہیں۔ جب بات طے ہوگئی اس وقت اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔''

اور نظم کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ صف میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (الصف: ۴)

''بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

(۸) سورۂ فتح ـــــ اس پوری سورہ میں ایک غزوہ کا بیان ہے اور جہاد کے تعلق سے ایک نہایت شاندار اور دلآویز کردار کی تعریف ہے، جو ایک متبرک درخت کے نیچے ظاہر ہوا، جب کہ راہ خدا میں سرفروشی و جاں بازی کا عہد ہوا۔ پھر سکنیت الٰہی کا مینہ برسا، اور فتح و نصرت کے قافلے اترے۔ ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (الفتح: ۱۸، ۱۹)

''اللہ مومنین سے بہت خوش ہوا جب کہ وہ ایک درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر سکینت اتاری اور فتح سے نوازا جو جلد ہی حاصل ہوگی، اور بہت سے مال غنیمت عطا کیے جو ان کے ہاتھ آئیں گے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

میرے بھائی! یہ چند مقامات ہیں ـــــ یہ چند مقامات ہیں جہاں جہاد کا ذکر اور اس

کی فضیلت کا بیان ہے، اور یہ چند آیتیں ہیں جن میں جہاد کی ترغیب اور مجاہدین کے اجر وثواب کی تفصیل ہے، ورنہ کتاب الٰہی اس طرح کی آیات سے پر ہے۔تم کتاب الٰہی کے اوراق الٹو اور ان آیات پر غور کرو عجیب وغریب منظر تمہارے سامنے آئے گا۔تم سر پیٹ لوگے کہ آج مسلمان اس ثواب عظیم سے کس قدر غافل ہیں۔

ان آیات کے بعد اب اس سلسلے کی چند حدیثیں بھی ملاحظہ ہوں:

جہاد کی چند احادیث

ا۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلاَ اَنَّ رِجَالاً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلاَ اَجِدُمَااَحْمِلُهُمْ عَلَیْهِ مَاتَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا،ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَاثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے غریب ونادار مومنین کو (جہاد کے موقع پر) مجھ سے پیچھے رہ جانا گوارا نہیں اور میرے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ انھیں میں سواری دے سکوں۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں خدا کی راہ میں نکلنے والے کسی دستے سے پیچھے نہ رہتا۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں ،پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔''

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لاَ یُکْلَمُ اَحَدٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ مَنْ یُّکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِهٖ اِلاَّ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّیْحُ رِیْحُ الْمِسْکِ۔

’’حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کی راہ میں جو شخص بھی لہولہان ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون لہولہان ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ رنگ تو خون کا ہوگا اور بو مشک کی۔‘‘

۳۔ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ،غَابَ عَمِّیْ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ غِبْتُ عَنْ اَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِکِیْنَ لَئِنِ اللّٰہُ اَشْھَدَنِیْ قِتَالَ الْمُشْرِکِیْنَ لَیَرَیَنَّ اللّٰہُ مَااَصْنَعُ فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ وَانْکَشَفَ الْمُسْلِمُوْنَ قَالَ: اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعْتَذِرُ اِلَیْکَ مِمَّاصَنَعَ ھٰؤُلَاءِ (یَعْنِیْ اَصْحٰبَہٗ) وَاَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ ھٰؤُلَاءِ (یَعْنِیْ الْمُشْرِکِیْنَ) ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَہٗ سَعْدُبْنُ مُعَاذٍؓ فَقَالَ:یَاسَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ اَلْجَنَّۃَ وَرَبِّ النَّضْرِاِنِّیْ اَجِدُرِیْحَھَا مِنْ دُوْنِ اُحُدٍ قَالَ سَعْدٌ: فَمَا اسْتَطَعْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاصَنَعَ قَالَ اَنَسٌ:فَوَجَدْنَا بِہٖ بِضْعًاوَّثَمَانِیْنَ ضَرْبَۃً بِالسَّیْفِ اَوْطَعْنَۃً بِالرُّمْحِ اَوْرَمْیَۃً بِسَھْمٍ وَوَجَدْنَاہُ قَدْ قُتِلَ وَقَدْ مَثَّلَ بِہِ الْمُشْرِکُوْنَ فَمَا عَرَفَہٗ اَحَدٌ اِلَّا اُخْتُہٗ بِبَنَانِہٖ۔قَالَ اَنَسٌ کُنَّانَرٰی اَوْ نَظُنُّ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ نَزَلَتْ فِیْہِ وَفِیْ اَشْبَاھِہٖ:مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعٰھَدُوْا اللّٰہَ عَلَیْہِ۔ الخ (رواہ البخاری)

’’حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میرے چچا انس بن نضرؓ غزوۂ بدر میں نہیں شریک ہو سکے تھے۔ بارگاہ رسالتؐ میں انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسولؐ! پہلی جنگ جو آپ نے مشرکین سے لڑی میں اسی میں غائب رہا۔ قسم ہے اگر اللہ نے مشرکین سے ہونے والی جنگ مین شرکت کا موقع دیا تو دیکھ لے گا وہ جو کچھ میں کر دکھاؤں گا۔ چنانچہ جب احد کی جنگ ہوئی اور مسلمان چھٹ گئے تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے: خدایا! ان ساتھیوں سے جو کچھ ہوا میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، اور ان مشرکین نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں، پھر وہ آگے بڑھے تو سامنے

سے حضرت سعد بن معاذؓ آ گئے۔ پکار اٹھے: سعد بن معاذؓ! جنت ہے جنت! رب نضر کی قسم! میں تو اس کی بو سونگھ رہا ہوں، احد کی ہی طرف سے آ رہی ہے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا: تو اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے نہ بن پڑا جو کچھ انھوں نے کر دکھایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: بعد میں ہم نے ان کے جسم پر تلوار، تیر اور نیزے کے اسّی سے زائد زخم پائے۔ ہم نے انھیں پایا اس حال میں کہ وہ قتل ہو چکے تھے اور مشرکین نے ان کی تکّہ بوٹی کر ڈالی تھی۔ اسی لیے انھیں کوئی پہچان نہ سکا، بس بہن نے انگلیوں کے پور دیکھ کر پہچانا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ آیت ان ہی جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ الخ (الاحزاب:۲۳)

''(مومنین میں کتنے ہی ایسے ہیں کہ جو وعدہ انھوں نے اللہ سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا)۔''

۴۔ وَعَنْ اُمِّ حَارِثَةَ بُنَتِ سُرَاقَةَ اَنَّهَا اَتَتِ النَّبِیَّ فَقَالَتْ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اَلَا تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَةَ۔وَکَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَهٗ سَهْمٌ غَرْبٌ۔ فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَاِنْ کَانَ غَیْرَ ذَالِکَ اِجْتَهَدْتُ عَلَیْهِ فِی الْبُکَاءِ۔قَالَ: یَا اُمَّ حَارِثَةَ اِنَّهَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّ ابْنَکَ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی۔ (البخاری)

''حضرت ام حارثہ بنت سُراقہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوئیں اور بولیں: اللہ کے نبیؐ! کیا حارثہ کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ غزوۂ بدر کے دن کوئی نامعلوم تیر آ کر لگا تھا اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ اگر وہ جنت میں ہوں تو صبر کروں ورنہ جی بھر کے رووں۔ آپ نے فرمایا: ''حارثہ کی ماں! جنت میں بہت سی جنتیں ہیں، تمہارا بیٹا تو فردوس بریں میں ہے۔''

میرے عزیز بھائی!

دیکھتے ہو؟ جنت کا تصور کس طرح ان کے غموں کو بھلا دیتا، زخموں کو مندمل کر دیتا اور بڑی سے بڑی مصیبت انھیں ہیچ نظر آنے لگتی۔

۵۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔ (اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ وَاَبُوْدَاوُدَ)

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان رکھو۔ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔''

۶۔ وَعَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدِ الْجُهَنِّى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا۔(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرمِذِىُّ)

''حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے راہ خدا میں جہاد کے لیے کسی کو تیار کیا، اس نے گویا خود جہاد کیا۔ اور جس نے راہ خدا میں نکلے ہوئے کسی غازی کے اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک کیا وہ گویا غزوہ میں شریک رہا۔''

مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو بھی جہاد کا ثواب ملے گا۔

۷۔ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شَبْعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ فِىْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نے محض اللہ پر ایمان اور اس کے وعدے پر کامل اطمینان کے تحت راہ خدا میں جہاد کے لیے کوئی گھوڑا وقف کر دیا تو اس گھوڑے کا کھانا، پینا اور گوبر قیامت کے دن اس کی میزان میں ہوگا۔''

گھوڑے ہی کے حکم میں ہر سامانِ جہاد ہوگا خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔

۸۔ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَايَعْدِلُ الْجِهَادَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَهٗ فَاَعَادُوْا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَا ثًا كُلَّ ذَالِكَ يَقُوْلُ: لَا تَسْتَطِيْعُوْنَهٗ ثُمَّ قَالَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِىْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ لاَ يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلاَ صَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ۔ (الستۃ الا ابا داؤد)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے پوچھا گیا، اللہ کے رسول! راہ خدا میں جہاد کے برابر کون سی نیکی ہے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ لوگوں نے پھر دو بار یا تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار آپؐ فرماتے، وہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص روزہ رکھے، راتوں کو قیام بھی کرے، آیات الٰہی کی تلاوت بھی کرے، نہ وہ روزے سے تھکے اور نہ نماز سے۔ مجاہد کی برابر یہی کیفیت رہتی ہے، جب تک وہ لوٹ نہ آئے۔

۹۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلاَ اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ وَشَرِّ النَّاسِ، اِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ رَجُلاً عَمِلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَلٰى ظَهْرِ فَرَسِهٖ اَوْظَهْرِ بَعِيْرِهٖ اَوْ عَلٰى قَدَمِهٖ حَتّٰى يَاتِيَهُ الْمَوْتُ وَاِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلاً يَّقْرَأُ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى لاَيَرْعَوِیْ بِشَیْءٍ مِّنْهُ۔ (رواہ النسائی)

''حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں بتاؤں کہ بہتر لوگ کون ہیں، اور بدترین لوگ کون ہیں۔ بہتر لوگوں میں سے ایک وہ شخص ہے جو راہ خدا میں سرگرم رہے چاہے گھوڑے کی پشت پر یا اونٹ کی پیٹھ پر یا پاپیادہ، یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔ اور بدترین لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب پڑھے اور اس کے کسی حصے سے نصیحت نہ حاصل کرے۔''

۱۰۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: عَيْنَانِ لاَ تَمُسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (الترمذی)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: دو آنکھیں ہیں جن کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئی ہو، دوسری وہ آنکھ جس نے راہ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے شب گزاری ہو۔''

۱۱۔ وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرَۃؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَ نْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ اَھْلُ الْمَدَرِوَالْوَبَرِ۔ (اخرجہ النسائی)

”حضرت ابوعمیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں راہ خدا میں مارا جاؤں، یہ مجھ کو اس سے زیادہ عزیز ہے کہ سارے اہل زمین میرے ہوجائیں۔“

۱۲۔ وَعَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍؓ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَابَالُ الْمُؤْمِنِیْنَ یُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ اِلَّا الشَّھِیْدَ؟ فَقَالَ: کَفَاہُ بِبَارِقَۃِ السُّیُوْفِ عَلٰی رَاسِہٖ فِتْنَۃً۔ (رواہ النسائی)

”حضرت راشد بن سعدؓ کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ سارے مومنین قبروں میں آزمائے جاتے ہیں مگر شہید بچا رہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا ہی اس کی آزمائش کے لیے کیا کم ہے۔“

یہ ایک خصوصیت ہے جو شہید کو قبر میں حاصل ہوگی۔ پھر اسی پر کیا موقوف ہے اس طرح کی کتنی ہی خصوصیات ہیں جو اسے حاصل ہوں گی۔ آگے ان کا بھی ذکر آتا ہے تم شوق کے کانوں سے سنو!

۱۳۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَایَجِدُ الشَّھِیْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ مِّنْ مَّسِّ الْقُرْصَۃِ۔ (الترمذی والنسائی والدارمی وقال الترمذی حسن غریب)

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو قتل ہوتے ہوئے بس ایسا ہی لگتا ہے کہ جیسے کوئی چٹکی لے لے۔“

یہ شہید کا دوسرا امتیاز ہے۔

۱۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مِنْ رَجُلٍ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَانْھَزَمَ اَصْحٰبُہٗ فَعَلِمَ مَاعَلَیْہِ فَرَجَعَ حَتّٰی اُرِیْقَ دَمُہٗ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ

لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رَجَعَ رَغْبَۃً فِیْمَاعِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ حَتّٰی اُرِیْقَ دَمُہٗ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَہٗ (اخرجہ ابوداؤد)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا بزرگ و برتر رب اس شخص سے بے حد خوش ہوتا ہے جو راہ خدا میں جنگ کرے اور اس کے ساتھی شکست کھا جائیں اس وقت بھی اسے اپنی ذمہ داری کا احساس رہے اور وہ پھر پلٹ کر لڑنے لگے، یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: ذرا میرے اس بندے کو تو دیکھو، میرے ہاں جو نعمتیں ہیں ان کی آرزو میں، اور جو عذاب ہے اس سے خوف کھا کر وہ پھر مصروف جہاد ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے جان دے دی، تم گواہ رہو کہ میں نے اس کی مغفرت کر دی۔"

۱۵۔ وَعَنْ عَبْدِالْخَیْرِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ: جَآءَ تِ امْرَءَ ۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَھَا اُمُّ خَلَّادٍ وَھِیَ مُتَنَقِّبَۃٌ تَسْئَلُ عَنِ ابْنٍ لَھَا قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَقَالَ لَھَا بَعْضُ اَصْحَابِہٖ: جِئْتِ تَسْأَلِیْنَ عَنْ اِبْنِکِ وَاَنْتِ مُتَنَقِّبَۃٌ فَقَالَتْ: اِنْ اُرْزَأْ اِبْنِیْ فَلَنْ اُرْزَأْ حَیَائِیْ فَقَالَ لَھَاالنَّبِیُّ ؐ: اِنَّ ابْنَکِ لَہٗ اَجْرُ شَھِیْدَیْنِ۔قَالَتْ: وَلِمَ؟ قَالَ: لِاَنَّہٗ قَتَلَہٗ اَھْلُ الْکِتَابِ۔(اَخْرَجَہٗ اَبُوْدَاوٗد)

"حضرت عبدالخیر بن ثابت بن قیس بن شماسؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون جن کا نام ام خلاد تھا نقاب اوڑھے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئیں، وہ اپنے ایک بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی تھیں، جو راہ خدا میں شہید ہو گیا تھا کسی صحابی نے کہا: بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور چہرے پر نقاب ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اگر بیٹا ہاتھ سے چلا گیا تو میری حیا تو کہیں نہیں جا سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بیٹے کے لیے تو دو شہیدوں کا اجر ہے۔ خاتون نے عرض کیا: ایسا کیوں؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے بھی جہاد واجب ہے، اور جوان سے جہاد کرے گا خدا کے ہاں دہرا اجر پائے گا۔ جہاد صرف بت پرست مشرکین سے ہی نہیں کرنا ہے۔ ان تمام لوگوں سے کرنا ہے جو اسلام کے لیے خطرہ ہوں۔

۱۶۔ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حَنِيْفٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ تَعَالَى الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ۔ (اَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا الْبُخَارِیُ)

''حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو خدا سے سچے دل سے شہادت کی آرزو کرے گا اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے رتبوں تک پہنچادے گا اگرچہ بستر ہی پر اس کی جان نکلے۔''

۱۷۔ وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى كُتِبَتْ لَهٗ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔ (رواه الترمذی وحسنه والنسائی)

''حضرت خریم بن فاتکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا اس کے لیے سات سو گنا اجر لکھا جائے گا۔''

۱۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَّآءٍ عَذْبَةٌ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِاعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِیْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِیْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ، اُغْزُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول کا کسی گھاٹی سے گزر ہوا، جس

میں شیریں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ رواں تھا وہ انھیں بہت بھلا لگا۔انھوں نے دل میں کہا میں سب سے الگ تھلگ ہو کر اسی گھاٹی میں آ کر رہنے لگوں۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا۔آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کرو،تم میں سے کسی کا راہ خدا میں نکلنا گھر میں ستر سال تک نمازیں پڑھتے رہنے سے افضل ہے۔کیا تمہاری یہ آرزو نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور تم کو جنت میں داخل فرمائے؟ خدا کی راہ میں جنگ کرو،جس نے راہ خدا میں کچھ دیر بھی جنگ کی جنت اس کے لیے یقینی ہے۔"

۱۹۔ وَعَنِ المِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ یْکَرِبَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : لِلشَّهِیْدِ عِنْدَاللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ : یُغْفَرُلَهٗ فِیْ اَوَّلِ دَفْعَةٍ،وَیَرٰی مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَیُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ،وَیَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَکْبَرِ،وَیُوْضَعُ عَلٰی رَاسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ،اَلْیَاقُوْتَةُ مِنْهُ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا،وَیُزَوَّجُ اثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ وَیُشَفَّعُ فِیْ سَبْعِیْنَ مِنْ اَقْرَبَائِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَة)

"حضرت مقدام بن معد یکربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے خدا کے ہاں چھ اعزاز ہیں۔پہلے ہی حملہ میں اس کی مغفرت ہو جاتی ہے،(دنیا ہی میں) اسے جنت کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے،عذاب قبر سے وہ بچا لیا جاتا ہے،(قیامت کی) زبردست گھبراہٹ سے وہ مامون رہے گا،اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا،جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہو گا،بہتر غزالہ چشم حوریں اس کی زوجیت میں ہوں گی اور ستر رشتے داروں کی شفاعت کا اسے موقع دیا جائے گا۔"

۲۰۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ بِغَیْرِ اَثَرٍ مِّنْ جِهَادٍ لَقِیَ اللّٰهَ وَفِیْهِ ثُلْمَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَة)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے

(؟؟)

(؟؟)

(؟؟)

عَمْرِوبْنِ حِزَامٍ یَوْمَ اُحُدٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا جَابِرُاَ لَا اُخْبِرُکَ مَاقَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِاَبِیْکَ؟ قُلْتُ: بَلٰی: قَالَ: مَاکَلَّمَ اللّٰہُ اَحَدًا اِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَکَلَّمَ اَبَاکَ کِفَاحًا فَقَالَ یَاعَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِکَ قَالَ یَارَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلَ فِیْکَ ثَانِیَۃً قَالَ اِنَّہٗ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّھُمْ اِلَیْھَا لَایُرْجَعُوْنَ قَالَ یَارَبِّ فَاَبْلِغْ مَنْ وَّرَائِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط الْاٰیَۃَ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃ)

''حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب احد کے دن عبداللہ بن عمرو بن حزام مارے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جابر! کیا میں بتاؤں، خدائے بزرگ و برتر نے تمہارے والد سے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا: ضرور، اے اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے جس سے بھی بات کی، پردے سے کی، مگر تمہارے والد کو بالکل سامنے کر کے بات کی۔ فرمایا: کوئی آرزو ہوتو بتاؤ، میں پوری کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا: میرے رب! مجھے زندگی دے کر پھر سے بھیج دے کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ دنیا سے آجانے والے پھر دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ انھوں نے عرض کیا، تو اے میرے رب! میرے پسماندگان کو (میرے حسن انجام کی) اطلاع کر دے۔ اس پر خدائے بزرگ و برتر نے یہ آیت اتاری، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًاالخ (جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ سمجھو)۔''

۲۵۔ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاَنْ اُشَیِّعَ مُجَاھِدًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُکَفِّفَہٗ عَلٰی رَحْلِہٖ غَدْوَۃً اَوْرَوْحَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْھَا۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃ)

''حضرت انسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صبح یا شام راہ خدا میں نکلنے والے کسی مجاہد کو رخصت کرنے کچھ دور تک جاؤں اور

سوار ہونے میں اسے مدد دوں، یہ مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔"

۲۶۔ **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَفْدُاللّٰهِ ثَلَا ثَةٌ: اَلْغَازِیُ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ۔** (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے مہمان تو بس تین ہیں: جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا۔"

۲۷۔ **وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُشَفَّعُ الشَّهِيْدُ فِیْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ۔** (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)

"حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو خاندان کے ستر افراد کی شفاعت کا موقع دیا جائے گا۔"

۲۸۔ **وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالنَّسِيئَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهٗ عَنْكُمْ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ۔** (رواه احمد وابوداؤد وصححه الحاكم)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ادھار خرید و فروخت کرنے لگو گے، گائے بیل کی دم کے ہو رہو گے۔ کاشت کاری میں ہی مگن رہو گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو تم سے ٹلے گی نہیں، جب تک تم اپنے دین کی طرف پھر نہ پلٹ آؤ۔"

۲۹۔ **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ وَجَآءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ ابْنُ الْحِمَامِ: بَخْ بَخْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَايَحْمِلُكَ**

عَلٰی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ : لَاوَاللّٰہِ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَّا رَجآءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ: فَاِنَّکَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ : فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِّنْ قَرْنِہٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ مِنْھُنَّ ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّھَا لَحَیٰوۃٌ طَوِیْلَۃٌ فَرَمٰی مَا کَانَ مَعَہٗ مِنَ التَّمَرِثُمَّ قَاتَلَھُمْ حَتّٰی قُتِلَ - (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

’’حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب جنگ کے لیے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے ہی بدر آ گئے۔ پھر مشرکین بھی آ گئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑھو اس جنت کی طرف جس کی کشادگی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔حضرت عمیر بن حمامؓ کی زبان سے نکلا: ’’بخ بخ‘‘ (ہاہا، ہاہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بخ بخ‘‘ کیوں؟ انھوں نے عرض کیا: قسم ہے اللہ کے رسول! بس اس آرزو میں کہ میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں ۔آپ نے فرمایا: ’’تو تم اہل جنت میں سے ہو‘‘۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔اسی دم انھوں نے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے ۔پھر بولے: اگر میں اتنی دیر زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھالوں تو یہ تو بڑی لمبی زندگی ہو جائے گی۔ چنانچہ جتنی کھجوریں ان کے پاس تھیں سب زمین پر ڈال دیں اور لڑنے لگے، یہاں تک کہ مارے گئے۔‘‘

۳۰۔ عَنْ اَبِیْ عِمْرَانَ قَالَ: کُنَّا بِمَدِیْنَۃِ الرُّوْمِ فَاَخْرَجُوْا اِلَیْنَا صَفًّا عَظِیْمًا مِّنَ الرُّوْمِ فَخَرَجَ اِلَیْھِمْ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِثْلُھُمْ وَاَکْثَرُوْ عَلٰی اَھْلِ مِصْرَ عُقْبَۃُ بْنُ عَامِرٍ وَعَلٰی الْجَمَاعَۃِ فُضَالَۃُ بْنُ عُبَیْدٍ فَحَمَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی صَفِّ الرُّوْمِ حَتّٰی دَخَلَ بَیْنَھُمْ فَصَاحَ النَّاسُ وَقَالُوْ سُبْحَانَ اللّٰہِ یُلْقِیْ بِیَدِہٖ اِلَی التَّھْلُکَۃِ فَقَامَ اَبُوْاَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیُّ فَقَالَ: اَیُّھَا النَّاسُ: اَنْتُمْ تَتَاَوَّلُوْنَ ھٰذِہٖ الْاٰیَۃَ ھٰذَا لتَّاوِیْلَ وَاِنَّمَا نَزَلَتْ فِیْنَا مَعْشَرَالْاَنْصَارِ لَمَّا اَعَزَّ اللّٰہُ الْاِسْلَامَ وَکَثُرَ نَاصِرُوْہٗ قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ سِرًّا دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْوَالَنَا قَدْ ضَاعَتْ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَكَثُرَ نَاصِرُوْهُ فَلَوْ اَقَمْنَا فِيْ اَمْوَالِنَا وَاَصْلَحْنَا مَاضَاعَ مِنْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهٖ مَايَرُدُّ عَلَيْنَا مَاقُلْنَاهُ "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" وَكَانَتِ التَّهْلُكَةُ الْاِقَامَةَ عَلَى الْاَمْوَالِ وَاِصْلَاحَهَا وَتَرْكَنَا الْغَزْوَ فَمَازَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ شَاخِصًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى دُفِنَ بِاَرْضِ الرُّوْمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

''حضرت ابوعمرانؒ فرماتے ہیں: ہم شہر روم میں تھے، وہاں والے رومیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر ہمارے مقابلے میں نکلے۔ مسلمانوں میں سے بھی ان ہی کے مثل، بلکہ ان سے بھی بڑا لشکر مقابلے میں آیا۔ اہل مصر کے امیر عقبہ بن عامرؓ تھے، اور پوری فوج کے کمانڈر فضالہ بن عبیدؓ تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں کی صف پر حملہ کیا اور ان کے اندر گھس گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ چیخے: سبحان اللہ! یہ تو خود کو ہلاکت کے منہ میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اٹھے اور فرمایا: لوگو! تم آیت کا یہ مفہوم لے رہے ہو، حالاں کہ یہ تو ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کیا اور اس کے مددگار بہت ہوگئے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے آپس ہی میں کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ انھوں نے کہا: ہمارے اموال (کھیت، باغ وغیرہ) تو بالکل برباد ہوگئے، اور اب تو اللہ نے اسلام کو قوت وشوکت عطا کردی اور اس کے بہت سے مددگار ہوگئے۔ کیوں نہ اب ہم اپنے اموال کے ہی درمیان رہ کر ان کی دیکھ ریکھ کریں، اور جو چیزیں برباد ہورہی ہیں، ان کو درست کریں، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر یہ آیت اتاری جو براہ راست ہماری ان باتوں کی تردید تھی۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں نہ ڈالو) ہلاکت سے مراد اپنے اموال پر ہی سارا وقت لگانا، ان کی حفظ ونگہداشت کرنا اور جہاد کو چھوڑ بیٹھنا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوایوبؓ برابر راہ خدا میں لڑتے ہی رہے، یہاں تک کہ سرزمین روم میں ہی دفن ہوئے۔''

میرے بھائی! دیکھتے ہو؟ جس وقت حضرت ابوایوبؓ یہ باتیں کہہ رہے ہیں وہ کافی سن رسیدہ ہوچکے ہیں، وہ جوانی ہی نہیں بڑھاپے کی منزل سے بھی آگے ہیں، وہ شام زندگی سے

بھی گزر کر اب شب زندگی میں داخل ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا دل جوانی کے ولولوں سے سرشار اور ایمان غلبۂ دین اور شوکت اسلام کے لیے بے قرار ہے۔

۱۳۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاؤد)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو موت آئی اس حال میں کہ اس نے کبھی جہاد نہیں کیا نہ اس کے اندر کبھی اس کی امنگ پیدا ہوئی، وہ کسی قدر نفاق کی حالت میں مرا۔''

اسی انداز کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، وہ بیش قیمت اور بلند رتبہ حدیثیں جن کے اندر یہ باتیں مذکور ہیں، یا جن میں سمندری جنگ کے تذکرے ہیں، یا جو بحری جنگ کی فضیلت کے سلسلے میں وارد ہیں، یا جو اہل کتاب سے جنگ کے بارے میں مروی ہیں، یا جن کے اندر جنگی ہدایات واحکام ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ایک بڑا دفتر بھی ان کے لیے ناکافی ہو۔ ویسے ''مَسَارِعُ الْاَشْوَاقِ اِلٰی مَصَارِعِ الْعُشَّاقِ وَمُثِیْرُ الْغَرَامِ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ اور نواب صدیق حسن خان کی کتاب '' اَلْعِبْرَۃُ فِیْمَا وَرَدَعَنِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فِی الْغَزْوِ وَالْجِھَادِ وَالْھِجْرَۃِ'' میں اس سلسلے کی کافی چیزیں ملیں گی۔ کتب حدیث میں بھی باب الجہاد کے تحت نہایت وافر اور قیمتی مواد موجود ہے۔

جہاد کا حکم
فقہائے امت کی نگاہ میں

فضیلتِ جہاد سے متعلق کچھ بلند رتبہ آیتیں اور روشن حدیثیں تمہارے سامنے آ گئیں، اب ہم چاہتے ہیں جہاد کے احکام اور اس کی تیاری واہتمام سے متعلق فقہائے کرام کے کچھ فرمودات پیش کریں۔ علماء متاخرین کے بھی کچھ اقوال ہم ذکر کریں گے۔ اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ بلا استثناء ہر دور کے علماء امت کے نقطۂ نگاہ سے امت اسلامیہ دین کے تقاضوں سے کس قدر غافل ہے۔

ا۔ ''مَجْمَعُ الْاَنْهُرِ فِيْ شَرْحِ مُلْتَقَى الْاَبْحُرِ'' کے مصنف فقہ حنفی کی رو سے جہاد کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لغت کی رو سے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ قول وفعل کی جتنی بھی قدرت حاصل ہو وہ استعمال کی جائے، مگر شریعت کی زبان میں جہاد یہ ہے کہ دشمنان دین کا زور توڑنے، ان کی مرکزیت ختم کرنے اور دین کی جڑیں مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس کے لیے اہل حرب سے جنگ کرنی ہوگی، ذمیوں سے بھی جنگ کرنی ہوگی (جب کہ وہ عہد شکنی کریں)، اہل ارتداد سے بھی جنگ کرنی ہوگی، اس لیے کہ یہ حلقۂ کفر کے بدترین لوگ ہیں کہ اقرار اسلام کے بعد انھوں نے غداری کی۔ اسی طرح باغیوں سے بھی جنگ کرنی ہوگی اور خود پہل کرنا فرض کفایہ ہے۔ دعوت پہنچ جانے کے بعد ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ان سے خود تعرض کریں، اگرچہ وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں۔ مسلمانوں کے امیر یا حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ سال میں دو ایک بار دارالحرب کی طرف اپنے فوجی دستے بھیجے، اور رعایا کا فرض ہے کہ وہ پوری طرح اس کا ساتھ دے۔ اگر کچھ لوگ یہ کام کر لیں تو بقیہ لوگوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ ورنہ درجہ بدرجہ دوسروں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر تمام لوگوں کی شرکت ناگزیر ہو تو اس صورت

میں نماز کی طرح یہ کام بھی فرض عین ہو جائے گا۔'' گویا ایک ایک فرد پر جہاد واجب ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ''مشرکین کو قتل کرو۔''

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ ''جہاد قیامت تک ہوتا رہے گا۔''

اور اگر سبھی لوگ اسے ترک کر دیں تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔

پھر آگے فرماتے ہیں: ''لیکن اگر کسی مسلم شہر یا اسلامی قلم رو کے کسی خطے پر دشمن قابض ہو جائیں تو اس وقت جہاد فرض عین ہو جائے گا، اس وقت عورت بھی نکل پڑے گی، اگر چہ شوہر کی اجازت نہ ہو۔ غلام بھی جنگ کرے گا، اگر چہ آقا تیار نہ ہو۔ بیٹا بھی گھر سے نکل کھڑا ہوگا، اگر چہ والدین کی مرضی نہ ہو۔ اور مقروض بھی لشکر میں آ ملے گا، اگر چہ قرض خواہ کو اس سے انکار ہو۔''

''کِتَابُ الْبَحْرِ'' میں ہے: ''اگر مشرق میں ایک مسلم خاتون قید کر لی جائے تو اہل مغرب پر اسے چھڑانا واجب ہوگا، تا آنکہ وہ ان کے قلعوں میں لوٹ آئے یا ان کی حفاظت میں آ جائے۔''

۲۔ ''بُلْغَةُ السَّالِکِ لِاَقْرَبِ الْمَسَالِکِ فِیْ مَذْهَبِ الْاِمَامِ مَالِک'' کے مصنف فرماتے ہیں:

''غلبۂ اسلام کے لیے ہر سال جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ کرتے رہیں تو بقیہ لوگ اس ذمہ داری سے بری رہیں گے۔ اور اگر امام کا حکم ہو یا کسی مسلم علاقے پر دشمن کا حملہ ہو تو وہاں والوں پر جہاد فرض عین ہوگا (جیسے نماز اور روزہ) اگر تنہا وہ لوگ کافی نہ ہوں تو قرب و جوار کے مسلمانوں پر بھی جہاد فرض ہوگا۔ ایسی صورت میں عورت اور غلام پر بھی جہاد فرض ہوگا، اگر چہ شوہر اور آقا کی اجازت نہ ہو۔ مقروض پر بھی فرض ہوگا، اگر چہ قرض خواہ راضی نہ ہو۔ اسی طرح نذر سے بھی جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ والدین کو بس فرض کفایہ سے روکنے کا حق ہے فرض عین سے نہیں۔ اور اگر اہل حرب کے ہاں کوئی مسلمان قید ہو، اور اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنے کو چھڑا سکے، تو اس کی گردن چھڑانی بھی فرض کفایہ ہے۔ اگر چہ مسلمانوں کی ساری دولت اس میں لگ جائے۔''

۳۔ امام نوویؒ جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اپنی کتاب ''مَتْنُ الْمِنْهَاج'' میں فرماتے ہیں:

'' عہد نبوت میں جہاد فرض کفایہ تھا، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فرض عین تھا، مگر اب تو کفار کی دو ہی حالتیں ہوسکتی ہیں:

وہ اپنے علاقے ہی میں رہیں ایسی صورت میں جس طرح بھی ممکن ہو دشمن کو نکال باہر کرنا لازم ہوگا۔ اگر قتال ممکن ہو تو حتی المقدور قتال بھی واجب ہوگا۔ غلام، فقیر، بیٹا، مقروض سب پر واجب ہوگا، اگر چہ ان لوگوں کو جازت نہ ملے۔''

۴۔ ابن قدامہ حنبلیؒ '' المغنی '' میں لکھتے ہیں:

'' جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ کرلیں تو بقیہ لوگوں سے ساقط ہوجائے گا۔ اور تین مواقع پر وہ فرض عین ہوگا:

۱۔ دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہو، اور صفیں آمنے سامنے ہوں تو میدان سے فرار جائز نہیں، اس وقت مقابلے میں ڈٹے رہنا فرض عین ہوگا۔

۲۔ کفار کسی شہر میں گھس آئیں تو ان لوگوں سے جنگ کرنا اور وہاں سے انھیں مار بھگانا اس شہر والوں پر فرض عین ہوگا۔

۳۔ مسلمانوں کا امیر راہ خدا میں نکلنے کے لیے کہے تو اس کے ساتھ نکلنا لازم ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ وہ سال میں ایک بار ضرور جنگ کے لیے نفیر کرے۔''

ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبلؒ) فرماتے ہیں '' فرائض کے بعد کوئی ایسا کام میرے علم میں نہیں جو جہاد سے افضل ہو۔ اور بحری جہاد بری جہاد سے افضل ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرامؓ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا، اللہ کے رسول! ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے دکھایا گیا کہ میری امت کے کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلے ہیں اور وہ سینۂ سمندر پر اس طرح سوار ہیں جیسے کچھ بادشاہ سریر سلطنت پر جلوہ افروز ہوں۔'' (متفق علیہ)

اسی حدیث میں آگے ہے کہ حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا: دعا فرمادیجیے ان مجاہدین کی فہرست میں میرا نام بھی آجائے چنانچہ آپؐ نے دعا فرمادی، پھر وہ کافی دنوں زندہ رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کے اس بیڑے کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں جس نے سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے جا کر جزیرہ قبرص میں فتح کا جھنڈا الہرایا۔ پھر وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں وہ دفن ہوئیں۔

وہاں ایک مسجد بھی ہے جو ان کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ ان پر رحمتوں کی بارش کرے، اور انھیں اپنی خوشبیوں کی جنت میں بسائے۔

۵۔ علامہ ابن حزم ظاہری "الْمُحَلّٰی" میں فرماتے ہیں: "جہاد تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ البتہ اگر کچھ لوگ جہاد کرتے رہیں، دشمنوں کو اپنی سرزمین میں گھسنے نہ دیں، اسلامی سرحدوں کی حفاظت کریں، اور خود دشمن کی سرزمین میں گھس کر ان سے جہاد کریں تو اوروں سے وہ ساقط ہو جاتا ہے، ورنہ ساقط ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط (التوبہ:۴۱)

"نکل پڑو چاہے ہلکے ہو یا بوجھل۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔"

ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے نکلنا جائز نہیں، مگر کسی مسلم آبادی پر حملہ ہو جائے تو جو لوگ ان کی مدد کر سکتے ہوں، ان پر مدد کرنا فرض ہے، ماں باپ اجازت دیں یا نہ دیں۔ البتہ اگر چلے جانے سے دونوں کی یا کسی ایک کی ہی جان چلی جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں انھیں چھوڑ کر جانا جائز نہیں۔

۶۔ امام شوکانی "اَلسَّیْلُ الْجَرَّارُ" میں فرماتے ہیں: فرضیت جہاد سے متعلق کتاب و سنت میں جو دلائل مذکور ہیں، ان سب کو یہاں لکھنا ممکن نہیں، البتہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ کرتے رہیں تو بقیہ لوگوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن جب تک ایسی کوئی جماعت بالفعل موجود نہ ہو، ہر ہر مسلمان کے ذمہ جہاد واجب ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں کو امیر حکم دے دے ان پر بھی جہاد فرض عین ہوگا۔

دیکھتے ہو، کس طرح اہل علم خواہ مجتہدین ہوں یا مقلدین، متقدمین ہوں یا متاخرین، سب یک رائے ہیں اس معاملے میں کہ امت مسلمہ پر تبلیغ کی غرض سے جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور اگر دشمن حملہ آور ہو جائیں تو اس صورت میں تو جہاد فرض عین ہوگا۔ گویا اس وقت امت کے ایک ایک فرد پر یہ واجب ہوگا کہ کفن بر دوش میدان میں نکل پڑے۔

اور اس وقت جیسا کہ تم خود جانتے ہو، مسلمان اغیار کے محکوم اور کفار کے زیرِ نگیں ہیں۔ ان کی زمین روندی اور حرمتیں پامال کی جا رہی ہیں۔ ان کے معاملات کے فیصلے دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں۔ تبلیغ دین کی آزادی تو درکنار، خود ان کے گھروں میں آج ان کا دین بے دست و پا ہے۔

بلاشبہ ایسی صورت میں ایک ایک مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جہاد کرے، جہاد ہی کی آرزو میں جیے اور اس کے لیے ہر آن تیار رہے۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آن پہنچے اور خدا کا وہ فیصلہ آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔

بات نا تمام رہے گی اگر میں یہ وضاحت نہ کردوں کہ بس یہی وہ تاریک دور ہے جس میں اسلامی غیرت وحمیت کی بھٹیاں سرد ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے مسلمانوں پر کوئی ایسا دور نہیں گزرا۔ کسی بھی دور میں مسلمانوں نے جہاد کو ترک نہیں کیا۔ نہ اس کے سلسلے میں کوتاہی کی۔ یہاں تک کہ علماء وصوفیاء اور اہل صنعت وحرفت بھی ہمیشہ ذوق جہاد سے سرشار رہتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جو زبردست فقیہ وزاہد تھے، بیش تر وقت جہاد میں گزارتے۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ جو پایے کے صوفی اور زاہد تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت شقیق بلخیؒ جو وقت کے امام تصوف تھے۔ خود بھی جہاد میں پیش پیش رہتے، تلامذہ کے اندر بھی روح جہاد پھونکتے۔ بدر الدین عینیؒ شارح بخاری جو زبردست فقیہ ومحدث تھے، ایک سال جہاد کرتے، ایک سال درس دیتے اور ایک سال حج کرتے۔ قاضی اسد بن الفرات مالکی، وقت کے امیر البحر تھے۔ امام شافعیؒ دس تیر چلاتے اور کوئی تیر خطا نہ کرتا۔

ہمارے بزرگ اسلاف تو ایسے تھے۔ پھر کیا ہمیں بھی ان سے کوئی نسبت ہے؟

مسلم جنگ کیوں کرتا ہے؟

ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ اسلام پر آوازے کستے تھے کہ اس نے تو جہاد کا حکم دیا ہے۔ قتال وخوں ریزی کو پسند کیا ہے، مگر بالآخر یہ آیت الٰہی صادق آئی:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حٰمٓ سجدہ: ۵۳)

''ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے سارے عالم میں اور خود ان کے اندر بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ حق ہے۔''

چنانچہ اب وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہمہ آن تیار ومستعد رہنے میں ہی امن ہے، اس کے علاوہ امن کی کوئی صورت نہیں۔

یاد رہے! اللہ نے جہاد اس لیے نہیں فرض کیا ہے کہ اس طرح ظلم وزیادتی اور دوسروں

پر دست درازی کی راہ کھلے، نہ اس لیے فرض کیا ہے کہ وہ تسکین نفس اور تکمیل خواہشات کا ذریعہ بنے۔ فرضیت جہاد کا مقصد صرف یہ ہے کہ دعوت وتحریک کا تحفظ ہو، امن وسلامتی کا دور دورہ ہو، عدل وراستی کا چرچا ہو اور اس طرح جو عظیم ذمہ داری مسلمانوں کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے اس سے وہ عہدہ برآ ہو سکیں اور اسلام نے تو جہاں قتال وخوں ریزی کو فرض کیا ہے، وہیں صلح جوئی اور امن پسندی کی ترغیب بھی دی ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ (انفال:٦١)

"اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

مسلمان جنگ کے لیے نکلتا تو اس کے دل میں بس ایک ہی تمنا ہوتی۔ بس یہ آرزو موجزن ہوتی کہ اسلام کا بول بالا ہو، ورنہ کسی اور مقصد کے لیے واں گنجائش ہی نہ تھی، جاہ ورتبہ کی خواہش اس کے لیے حرام تھی، نمود ونمائش کی آرزو اس کے لیے حرام تھی، مال کی محبت اس کے لیے حرام تھی، مال غنیمت میں خیانت اس کے لیے حرام تھی۔ بے جا تسلط کی کوشش اس کے لیے حرام تھی، اگر حلال تھی تو بس ایک ہی چیز: راہ خدا میں سرفروشی، ہدایت خلق کے لیے دل سوزی۔

حضرت حارث بن مسلم بن حارث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک فوجی دستے کے ساتھ بھیجا۔ تو جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں ہمیں حملہ کرنا تھا تو میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ساتھیوں سے آگے نکل گیا۔ اب قبیلے کے لوگ مجھ سے آہ وزاری کرنے لگے۔ میں نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ دو امان مل جائے گی۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہہ دیا۔ اب ساتھی مجھے ملامت کرنے لگے کہ تم نے تو مال غنیمت سے ہمیں محروم کر دیا۔

پھر ہم خدمت رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو ان لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا، واقعہ سن کر آپ ﷺ نے مجھے بلایا، میرے اس اقدام کو بہت سراہا۔ پھر فرمایا: خوش رہو، اللہ نے ہر ہر فرد کے بدلے تمہارے لیے اتنا اتنا اجر لکھ دیا ہے۔ نیز فرمایا: میں تمہارے واسطے ایک وصیت لکھے دیتا ہوں جو میرے بعد کام آئے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وصیت لکھی اور مہر لگا کر میرے حوالے کر دی۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت شداد بن الہادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو آیا اس نے دست مبارک پر ایمان قبول کیا۔ پھر عرض کیا میں چاہتا ہوں ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں

آ جاؤں، آپ نے کسی صحابی کو ہدایت کر دی (کہ وہ اس کا خیال رکھیں، اور اس کے رہنے سہنے کا انتظام کر دیں) پھر ایک غزوے میں کچھ مال غنیمت ملا۔ آپؐ نے اوروں کے ساتھ اس کا بھی حصہ لگایا۔ اس نے عرض کیا: یہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تمہارا حصہ ہے۔ اس نے عرض کیا: میں اس لیے تو ساتھ نہیں ہوا ہوں، میں تو اس لیے ساتھ ہوا ہوں کہ مجھے یہاں۔ حلقوم میں۔ ایک تیر لگے اور میں موت سے ہاتھ ملاتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اللہ تمہاری یہ آرزو پوری کرے گا۔

پھر کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ایک جنگ میں وہ جاں باز مومن لا کر خدمت اقدسؐ میں حاضر کیا گیا، اور جہاں اس نے اشارہ کیا تھا وہیں ایک تیر پیوست تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ وہی ہے وہی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی آرزو سچی تھی، اللہ نے وہ آرزو پوری کی۔ پھر جبّہ مبارک میں اس کی تکفین ہوئی۔ اور آپ نے اس کی نماز پڑھائی۔ نماز کے دوران زبان مبارک سے یہ کلمات سنے گئے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَبْدُکَ خَرَجَ مُھَاجِرًا فِیْ سَبِیْلِکَ فَقُتِلَ شَھِیْدًا وَاَنَا شَھِیْدٌ عَلٰی ذَالِکَ۔ (نسائی)

’’خدایا! یہ تیرا بندہ ہے، تیری راہ میں اس نے ہجرت کی، پھر شہادت سے ہمکنار ہوا۔ میں اس پر گواہ ہوں۔‘‘

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کوئی شخص راہ خدا میں جہاد کرے اور دل میں متاع دنیا کی بھی خواہش ہو تو؟ فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ اس نے تین بار یہی سوال دہرایا، اور ہر بار آپ فرماتے رہے: اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا، ایک شخص دادِ شجاعت دینے کے لیے لڑے، ایک شخص حمیت کی وجہ سے لڑے اور ایک شخص نام ونمود کی خاطر لڑے، کون سا لڑنا راہ خدا میں ہوگا۔؟ آپ نے فرمایا: جو لڑے تاکہ خدا کا کلمہ بلند ہو، بس اسی کا لڑنا راہ خدا میں ہوگا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے واقعات پڑھو گے اور مفتوحہ ممالک میں جوان کا کردار رہا، اس کا مطالعہ کرو گے تو اندازہ ہوگا کہ وہ ہوا و ہوس اور خواہشات و اغراض سے کس قدر دور تھے۔

اپنی اصل غایت سے انھیں کیسا عشق تھا اور لوگوں کی رہنمائی یا کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لیے ان کے اندر کیسی تڑپ تھی۔ نیز جو لوگ ان خاصان خدا پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ وہ غلبہ و اقتدار کے حریص اور ملک گیری و جہاں گیری کے آرزومند تھے، یا ان کی ان سرگرمیوں کے پیچھے حصول معاش کا جذبہ کارفرما تھا، ان کا یہ الزام کس قدر بے بنیاد ہے۔

جہاد اسلامی میں اخوت انسانی کا جلوہ

جہاد اسلامی کی غایت جس طرح انتہائی حسین ہے، اسی طرح اس کا طریقہ بھی نہایت اعلیٰ و پاکیزہ ہے۔ چنانچہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے زیادتی سے منع فرمایا ہے:

وَلاَ تَعۡتَدُوۡآ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ○ (البقرہ:۱۹۰)

''اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کے برعکس عدل و قسط کا حکم دیا۔ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ انصاف کی تاکید کی۔ فرمایا:

وَلَایَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓی اَنۡ لَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی۔ (المائدہ:۸)

''اور کسی گروہ کی دشمنی ہرگز ہرگز تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف کرنا چھوڑ دو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔''

اسی طرح مسلمانوں کو ہمیشہ رحم دلی اور نرم خوئی کی ہدایت کی۔ انھیں تاکید کی کہ وہ جنگ کریں، تو نہ زیادتی کریں، نہ بداخلاقی سے پیش آئیں، نہ زخمیوں کا مثلہ کریں، نہ چوری کریں، نہ لوٹ مار کریں، نہ حرمتوں کو پامال کریں اور نہ کسی قسم کی کوئی اذیت پہنچائیں۔ وہ صلح کے موقع پر بہترین صلح جو اور امن کے پیامی ہوں۔ اور جنگ کے موقع پر انتہائی بلند اخلاق اور رحم دل ہوں، ان کی صلح کی آغوش نہایت سکوں بخش و جاں نواز ہو اور تلواروں کی چھاؤں بھی انتہائی دل ربا و دل نواز ہو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ کسی کو کسی لشکر یا دستے کا امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ اور خداترسی اور مومنین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے۔ پھر فرماتے، جاؤ خدا کا نام لے کر راہ خدا میں جنگ کرو، جو خدا کا منکر ہو اسے قتل کرو۔ جاؤ جنگ کرو مگر دیکھو، خیانت نہ کرنا، کسی بچہ کو مت مارنا۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی جنگ کرے تو چہرے سے بچے (اسے زخمی نہ کرے)۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا۔ (بخاری)

اس کے علاوہ عورتوں کو قتل کرنے، بچوں کو مارنے، بوڑھوں پر ہاتھ اٹھانے، زخمیوں کی جان لینے، راہبوں، گوشہ نشینوں اور صلح پسندوں سے تعرض کرنے سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا۔

بتاؤ، کہاں یہ ہمدردیاں اور اخوت وشفقت کی جاں نوازیاں، اور کہاں موجودہ تہذیب کی ہلاکت انگیز یورشیں اور شرمناک بدعنوانیاں؟

کہاں ان کے وہ ظالمانہ ملکی آئین، اور کہاں یہ خدائی عادلانہ قوانین؟ دونوں میں ہے کوئی مناسبت؟

خدایا! مسلمانوں کو دینی بصیرت عطا فرما! اور ماہِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے تمام عالم کو منور کر دے۔

ایک غلط فہمی

آج کل یہ غلط فہمی عام ہے کہ دشمنوں سے جنگ جہاد اصغر ہے، اور جہاد اکبر تو نفس سے جہاد ہے، اور دلیل میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قَالُوْا وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ؟ قَالَ جِهَادُ الْقَلْبِ اَوْ جِهَادُ النَّفْسِ.

''ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا، جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: قلب سے جہاد یا نفس سے جہاد۔''

اس روایت کو اچھالنے والے بس تھوڑے سے لوگ ہیں جن کی اسکیم یہ ہے کہ اس طرح ذہنوں سے قتال کی اہمیت ختم ہو جائے اور جہاد کی نیت اور اس کی تیاری سے مسلمان غافل ہو جائیں۔ ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ جو حدیث وسنت کے باب میں امیر المومنین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''تسدید القوس'' میں فرماتے ہیں:

هُوَ مَشْهُوْرٌ عَلَى الْاَلْسِنَةِ وَهُوَ مِنْ كَلَامِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْلَةَ.

''یہ فقرہ عام طور سے زباں زد ہے، اور ہے یہ ابراہیم بن علبہ کا قول۔''

عراقی ''تَخرِیجُ اَحَادِیثِ الاِحیَاء'' میں فرماتے ہیں:

امام بیہقیؒ نے اسے کمزور سند کے ساتھ حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت جابرؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

پھر یہ روایت مان بھی لی جائے تو اس سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ اہل کفر کی زیادتیوں کی روک تھام نہ کی جائے، یا مسلم ممالک کو آزاد کرانے کی اسکیمیں تہ کر کے جہاد اور اس کی تیاریاں یک قلم موقوف کر دی جائیں؟ روایت سے تو بس اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ نفس سے جہاد بھی واجب ہے تاکہ ہمارے کاموں میں اخلاص وللّٰہیت پیدا ہو سکے۔ یہ ایک صاف سی بات ہے، پھر لوگ اسے کیوں نہیں سمجھتے؟

پھر جہاد نفس پر ہی کیا موقوف ہے، جہاد نفس کے علاوہ بھی تو بہت سی چیزیں ہیں جو جہاد کے تحت آتی ہیں۔ مثلاً نیکی کی تلقین اور بدی کی روک تھام بھی جہاد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

''ظالم بادشاہ کے سامنے حق گوئی بھی زبردست جہاد ہے۔''

لیکن ظاہر ہے ان میں سے کوئی چیز بھی شہادت کبریٰ کے رتبہ بلند کو نہیں پہنچ سکتی۔ نہ مجاہدین کے اجر عظیم سے ہم کنار کر سکتی۔ شہادت کبریٰ کی اگر تمنا ہے تو اس کی تو بس ایک ہی صورت ہے: ''راہ خدا میں کام آجاؤ۔''

حرف آخر

عزیز بھائیو! وہ امت جس کے مرنے کے انداز حسین ہوتے ہیں، اور جو باعزت موت کی خوگر ہوتی ہے، دنیا میں اسے عزت ملتی ہے اور آخرت میں جنت۔

ہم کو جس چیز نے ذلت ورسوائی سے دوچار کیا ہے، وہ بس دنیا کی محبت ہے، اور موت سے وحشت۔

لہٰذا جہاد کی تیاری کرو، اور موت کے شیدائی بنو، زندگی تمہیں ڈھونڈتی ہوئی آئے گی۔

یادرکھو! موت تو آ کے رہے گی اور وہ صرف ایک بار آئے گی۔ البتہ اگر یہ موت خدا کی راہ میں آئے تو دنیا بھی کامیاب ہوگی اور آخرت بھی۔ اور ہوگا وہی جو خدا نے لکھا ہوگا۔۔ خدائے بزرگ وبرتر کی ان آیات پر غور کرو:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ط يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّالَا يُبْدُوْنَ لَكَ، يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّاقُتِلْنَا هٰهُنَا، قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَافِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o

(المائدہ: ۱۵۴)

"پھر خدا نے تم پر غم کے بعد سکینت نازل فرمائی، یعنی ایک ہلکی جھپکی جو تم میں سے ایک گروہ

پر طاری ہوئی، اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی ہی پڑی رہی۔ یہ خدا کے بارے میں خلاف حقیقت زمانہ جاہلیت کے قسم کی بدگمانیوں میں مبتلا رہے، یہ کہتے رہے کیا ان اہم معاملات کے فیصلے میں ہماری کوئی حیثیت نہیں؟ کہہ دو سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرر ہے۔۔۔ وہ کہتے ہیں اگر اس امر میں کچھ ہمارا بھی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ کہہ دو، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا قتل ہونا مقدر تھا، وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کے رہتے۔ یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تم میں امتیاز کرے، جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے، اس کو پرکھے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اس کو صاف کرے۔ اور اللہ سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔“

تو تم باعزت موت کے طالب بنو، سعادتیں تم پر سایہ کریں گی، اور کامرانیاں تمہارے قدم چومیں گی اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کے جام چلائے اور شہداء کا اونچا مقام بخشے۔

حسن البنا

سلسلۂ رسائل اخوان المسلمون

(۳)

ہماری دعوت
ایک نئے قالب میں

قبل اس کے کہ ہم فکر اسلامی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کریں یا اس کے گرد شبہاب کا جو ہجوم ہے، اس کے لیے تردید کا ترکش ہاتھ میں لیں یا تنقید وتبصرے کی کسوٹی پر دوسرے افکار ونظریات کو پرکھیں، ہمارے لیے ضروری تھا کہ اپنے فکر کے مقاصد، خصوصیات اور وسائل سے اچھی طرح آگاہ ہولیں تاکہ ہماری آئندہ سرگرمیاں اسی کی روشنی میں انجام پائیں۔

خدائی اور آفاقی

ہماری دعوت کی سب سے امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدائی اور آفاقی ہے۔ خدائی اس لیے کہ ہمارے سارے مقاصد اور تمام اسکیموں کی روح خدا کی معرفت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اپنے رب کو پہچان لیں اور ان کے اندر ایسی اعلیٰ روحانیت پیدا ہو جائے کہ وہ مادیت کی بیڑیوں سے آزاد ہو جائیں۔ پھر وہ انتہائی پاکیزہ و بلند انسانیت کی آغوش میں اطمینان کا سانس لیں اور اس کے جمال دل کش سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

ہم اخوانیوں کا نعرہ ہے اَللّٰہُ غَایَتُنَا (اللہ ہی ہماری غایت ہے) اور یہ ہمارے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا نعرہ ہے۔ ہماری اس دعوت کا اولین مقصد یہ ہے کہ لوگ از سرِ نو اس خدائی تعلق کو یاد کریں جس سے غافل ہو کر آج وہ خود فراموشی کا شکار ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۱)

”لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو“

حقیقت میں یہی وہ شاہ کلید ہے جس سے انسانی مشکلات کے وہ تالے کھل سکتے ہیں جو مادیت اور جمود نے حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں پر چڑھا رکھے ہیں اور انسانیت جنھیں آج کھولنے سے عاجز ہے۔ اب اگر یہ کلید نہیں استعمال کی گئی تو پھر مشکلات کے یہ تالے کیوں کر کھل سکتے ہیں؟

پھر یہ دعوت آفاقی اس لیے ہے کہ اس کے پیشِ نظر ساری نوعِ انسانی ہے۔ اس کی نگاہ میں سارے انسان بھائی بھائی ہیں۔ ان کی اصل ایک ہے، باپ ایک ہے، نسب ایک ہے، اور ان

میں سب سے افضل وہ ہے جو متقی وخدا ترس ہو اور عام نوع انسانی کے لیے موجب خیر وسعادت ہو۔ آیت ذیل میں یہ اشارے موجود ہیں:

يَآَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًاo (النساء:۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد وزن پھیلائے۔ اور خدا سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم حقوق مانگتے ہو، اور رشتوں کا پاس ولحاظ رکھو۔ بے شک اللہ تم پر نگراں ہے۔''

لہٰذا ہم قومی امتیازات کو نہیں مانتے، نہ لونی ونسلی عصبیت کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ہم تو اس اخوت کے پیامی ہیں جو انصاف پسندی اور انسانی بہی خواہی پر مبنی ہو۔

ایک بار کسی مغربی رہ نما کی ایک تحریر میری نظر سے گزری، اس میں اس نے پوری نوع انسانی کو تین خانوں میں تقسیم کیا تھا:

۱۔ وہ قوم جو معمار انسانیت کہی جاسکتی ہو۔
۲۔ وہ قوم جو محافظ انسانیت کہی جاسکتی ہو
۳۔ وہ قوم جو رہزن انسانیت کہی جاسکتی ہو۔

پھر وہ اپنی قوم کو معمار انسانیت سے تعبیر کرتا ہے۔ ایک دوسری مغربی قوم کو محافظ انسانیت کہتا ہے اور ہم اہل مشرق کو رہزن انسانیت سے موسوم کرتا ہے۔

خیال کرو، یہ تقسیم کس قدر ظالمانہ ہے، جب کہ یہ سرتاسر خلاف واقعہ بھی ہے۔ کیوں کہ ساری نوع انسانی خواہ کسی بھی ماحول اور خطۂ زمین سے تعلق رکھتی ہو اور کیسی ہی صلاحیتوں کی مالک اور کیسی ہی تہذیبوں کی علم بردار ہو، اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون ایک ہے، اور اس پوری نوع کی تخلیق ایک ہی مٹی سے ہوئی ہے۔ چنانچہ کسی بھی انسان کو اگر تہذیب کی روشنی ملے تو وہ اپنی سطح سے بلند تر سطح پر پہنچ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ روشنی ملے، اتنی ہی زیادہ ترقی کرسکتا ہے۔ اس زمین پر کوئی بھی نسل ایسی نہیں ہے جو اپنے خاص حالات اور مخصوص ماحول کے اندر اصلاح وترقی کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔

پھر یہ مشرق جسے وہ تخریب کاروں کا گڑھ کہتا ہے، ہمیشہ اسی کے افق سے تہذیب و تمدن کی صبحیں طلوع ہوئی ہیں اور وحی و رسالت کی کرنیں پہلے اسی کے صحن میں اتری ہیں۔ مغرب کو جب بھی تہذیب کی روشنی ملی ہے، مشرق ہی کے پاور ہاؤس سے ملی ہے اور جب بھی وحی و رسالت کی کرنیں اس تک پہنچی ہیں، اسی کے افق سے پھیلی ہیں۔ یہ فخر ہمیشہ سے مشرق کو حاصل رہا ہے اور یہ سہرا ہمیشہ اسی کے سر بندھا ہے۔

یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس کا انکار کوئی ہٹ دھرم شخص ہی کر سکتا ہے، ورنہ کسی انصاف پسند انسان کا یہ شیوہ نہیں۔ اس طرح کے باطل تصورات تو ذہن میں اسی وقت آتے ہیں جب انسان فریب خوردہ ہوتا ہے اس کا وجدان تاریکیوں میں سرگرداں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کے تصورات کسی تہذیب کو جنم نہیں دے سکتے نہ یہ کسی تمدن کی اساس بن سکتے اور جب تک ہمارے درمیان ایسے ذہن موجود رہیں گے جو اپنے بھائیوں کے سلسلے میں یہ احساسات رکھتے ہوں اس وقت تک امن و سلامتی کی صبح نہیں طلوع ہو سکتی۔ امن و سلامتی کی سحر تو اسی وقت طلوع ہو سکتی ہے، جب لوگ پھر سے اخوت کا پرچم لہرائیں اور اسی کے کھلے ہوئے اور پرسکون سایے میں دوستی کے ہاتھ ملائیں، اور یہ ممکن نہیں جب تک لوگ اسلام کو اپنا رہ نمانہ بنائیں، جس کا صحیفہ یہ اعلان کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات:۱۳)

"لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے اور بنایا تمہیں مختلف قومیں اور مختلف قبیلے۔ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے یہاں تم میں سب سے افضل وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔"

پھر اس کا نبی بھی وضاحت کے ساتھ یہ کہتا ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ۔ (رواہ احمد)

"جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جان دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ اخوان کی دعوت خدائی بھی ہے اور آفاقی بھی۔

مادّہ اور روح ساتھ ساتھ

جب سے انسان زمین پر آیا عقل انسانی تین مرحلوں کے درمیان پیچ وتاب کھاتی رہی ہے اور چاہو تو اسے تین طرز ہائے فکر بھی کہہ سکتے ہو۔ اور اغلب یہ ہے کہ اس کی یہی کیفیت برقرار رہے گی، الّا یہ کہ ہدایت الٰہی اسے اپنی آغوش میں لے لے۔

پہلا مرحلہ تو وہ ہے جب توہم پرستی اور سادہ لوحی کا غلبہ رہا اور انسانی عقل کچھ پوشیدہ حقیقتوں اور مخفی قوتوں کے آگے سرنگوں رہی چنانچہ ہر بات کو ان ہی کی طرف منسوب کرتی۔ ہر واقعے کی تشریح اسی آئینے میں کرتی اور اپنے آپ کو اس حیثیت میں نہ پاتی کہ خود کچھ کر سکے یا سوچ سکے۔ انسان پر زیادہ تر یہ کیفیت اس وقت رہی جب وہ زندگی کے ابتدائی ادوار میں تھا۔ جب وہ زمین پر رہتا تھا، مگر نہ وہ زمین کو پہچانتا تھا نہ زمین اسے پہچانتی تھی۔ اور شاید کچھ قوموں کی آج تک یہی کیفیت ہے۔ دوسرا مرحلہ وہ آیا جب انسان پر مادیت کا غلبہ ہوا، اس نے ان جانی حقیقتوں کا انکار کردیا۔ غیر محسوس قوتوں کا وہ باغی ہوگیا اور ان سے متعلق کوئی بات بھی سننے کا روادار نہ رہا۔ نیز اس نے ان سائنسی اصولوں کے تحت مظاہر کائنات کی خالص مادی توجیہ کی جو انسان نے کافی غور وفکر، مسلسل تلاش وجستجو اور طویل تجربات کے بعد دریافت کیے ہیں، اور آج جب کہ انسان نے فطرت کی بہت سی نامعلوم قوتیں دریافت کرلیں اور اشیاء کے بہت سے خواص کا پتا چلالیا، اس کا دماغ اور زیادہ خراب ہوگیا اور وہ سمجھنے لگا کہ اس طرح لازماً وہ تمام موجودات کی حقیقتیں دریافت کرلے گا۔ حالاں کہ آج بھی نامعلوم حقیقتوں کے مقابلے میں ان دریافت شدہ حقیقتوں کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے، جیسے سمندر کے چند قطرے ہوں یا ریگستان کے کچھ ذرّے۔

اس دور میں مادہ پرست انسان نے الوہیت، نبوت، آخرت، جزا سزا، عالم روح اور ان سے متعلق تمام باتوں کا انکار کردیا اور اب سب کی نگاہوں کے سامنے اگر کوئی چیز رہی تو بس یہ چھوٹی سی محسوس دنیا، جس کے سارے ہی مظاہر کو وہ مادی آنکھ سے دیکھتا اور اپنے خالص مادی اصولوں کے تحت ان کی تشریح وتوجیہ کرتا ہے۔

یہ دونوں طرز فکر سرتاسر غلط اور کھلی ہوئی زیادتی پر مبنی ہیں اور یہ نتیجہ ہیں گردوپیش سے انسان کی بے خبری کا۔ دین اسلام نے آکر اس قضیے کا صحیح صحیح تجزیہ کیا۔ چنانچہ عالم روح کو بھی ثابت کرتا اور اس خدا سے انسان کے تعلق کو واضح کرتا ہے جو ساری کائنات کا رب ہے۔ وہ

بتاتا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد آنے والی اخروی زندگی سے انسان کا کیا تعلق ہے۔ وہ ایمان باللہ کو اصلاح نفس کی بنیاد قرار دیتا ہے، کیوں کہ عملاً اس کا تعلق عالم روح سے ہے، اور ایمان کے بغیر اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ وہ اس نامعلوم غیبی دنیا کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ ذہن اسے بے تامل قبول کر سکے اور عقلی مسلمات و بدیہیات سے اس کا ذرا بھی تصادم نہ ہو۔ ساتھ ہی وہ اس مادی دنیا کی حیثیت کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسان اس دنیا کو حق کی جلوہ گاہ بنائے اور خیر کے حدود میں رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ دنیا اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ وہ زمین و آسمان کی بادشاہت پر سنجیدگی اور نیک دلی سے غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس غور و تدبر کو عرفان رب کا قریب ترین راستہ سمجھتا ہے۔ اس طرح یہ دین ہمیں ایک نیا طرز فکر دیتا ہے۔ جو حقیقت میں سب سے زیادہ جامع، سب سے زیادہ نافع، سب سے زیادہ مکمل اور حقائقِ حیات و مزاجِ کائنات سے سب سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان عقل کو بھی استعمال کرے اور اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائے مگر کبھی وہ ایمان بالغیب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑے کیوں کہ عملاً ہمارا تعلق ایک دنیا سے نہیں دو دنیاؤں سے ہے اور بہت سے مظاہر کائنات کی توضیح و تشریح سے عملاً ہم عاجز ہیں۔ ہم ان کی جستجو میں ایک نامعلوم حقیقت سے دوسری نامعلوم حقیقت کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ درماندگی عظمت الٰہی کے آگے لا کر جھکا دیتی ہے اور ہم دل کی گہرائیوں میں ایمان کا بہت ہی پرزور داعیہ محسوس کرتے ہیں کیوں کہ ایمان ہماری فطرت میں داخل ہے۔ وہ ہماری فطرت کا ایک زبردست تقاضا بھی ہے۔ وہ ہمارے قلب و روح کے لیے بالکل اسی طرح ناگزیر ہے جس طرح جسم کے لیے پانی، غذا اور ہوا اور پھر ہم واضح طور پر محسوس کرتے ہیں کہ انسانی اصلاح کے لیے ایک ایسا روحانی عقیدہ ناگزیر ہے جو دلوں میں خدا کا خوف اور اس کی نگرانی کا احساس پیدا کرے اور پھر سینوں میں معرفت الٰہی کا شوق بے پناہ اُمڈ نے لگے۔ یہیں سے یہ بات ضروری ٹھیرتی ہے کہ ہم ایمان کی طرف پھر پلٹیں۔ ہم الوہیت، نبوت، آخرت اور روح کو تسلیم کریں اور مکافات عمل سے کبھی غافل نہ ہوں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال:۷،۸)

''تو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسے دیکھے گا۔''

البتہ ہم عقل کی لگام بھی ڈھیلی رکھیں تاکہ وہ آزادی کے ساتھ تحقیق وجستجو کرے، ایجادو اختراع کرے، مادے کی تسخیر کرے اور کائنات کی نعمتوں اور زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے۔ ہمارا یہی طرز فکر ہے اور اسی طرز فکر کی ہم دعوت دیتے ہیں۔ آج تک مغرب پر سرتاسر مادیت کا غلبہ رہا ہے۔ نہ اسے مادہ کے سوا کچھ نظر آتا ہے، اور نہ وہ مادہ کے علاوہ کچھ تسلیم کرتا ہے، اسے مادہ کے سوا یہاں کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مغرب کے دلوں سے انسانی رحم کے جذبات ختم ہو گئے، اور خدائی روحانیت سے ان کے سینے خالی ہو گئے، پھر چوں کہ مغرب اپنے علوم وافکار، ایجادات واختراعات، مال واسباب، فوج وسپاہ اور چمک دمک کی بدولت ساری دنیا پر چھا گیا۔ اس لیے عام فکر انسانی پر اس نے گہری چھاپ ڈالی۔ آج جب کہ دنیا ان شعلوں میں بھن رہی ہے۔ ایک نئی سمت سے دعوت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، اور وہ تمام اہل مشرق ومغرب کو دعوت دے رہی ہیں کہ وہ روح ومادہ میں تفریق نہ کریں۔ وہ غیب وشہادت دونوں پر ایمان رکھیں اور نئے سرے سے اللہ کو پہچانیں۔

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ، اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (الذاریات:۵۰)

”تو تم اللہ کی طرف بھاگو۔ میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلا ہوا نذیر ہوں۔“

قومیت، عربیت، مشرقیت، آفاقیت اور ان کا مقام اس دعوت کی نگاہ میں

جس طرح ہماری یہ دعوت ایک ربانی دعوت ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی مادیت سے دامن بچائے، اس کے سیلاب کا مقابلہ کرے، اس کی طغیانی کو دبائے اور اس کے زور کو توڑنے کی کوشش کرے، اور اس کے بالمقابل اللہ پر ایمان رکھے، اسی کی طرف بھاگے، اسی پر کامل بھروسہ رکھے، اور کوئی بھی کام کرتے وقت اس کے حاضر وناظر ہونے کو نہ بھولے۔ اسی طرح وہ ایک انسانیت نواز دعوت ہے جو ابنائے آدم کو اخوت کا پیام دیتی اور فلاح عالم کے لیے تگ ودو کرتی ہے کیوں کہ وہ ایک اسلامی دعوت ہے اور اسلام کسی ایک نسل یا قوم کے لیے نہیں سارے انسانوں کے لیے آیا ہے۔ درج ذیل آیات میں یہ حقیقت کس قدر واضح ہے:

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًاo (الفرقان:۱)

''بڑی برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ وہ سارے جہان والوں کو ڈرائے۔''

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لاَ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَo (الاعراف:۱۵۸)

''کہو، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کے لیے آسمان وزمین کی بادشاہی ہے۔اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے تو تم اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے اس نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے، اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔''

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ط (سبا:۲۸)

''اور ہم نے تمھیں نہیں بھیجا مگر تمام ہی لوگوں کے واسطے خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر۔''

تو جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام تھی، اسی طرح ہماری یہ دعوت بھی عام ہے جو سارے انسانوں کی رہ نمائی کرتی، سب کو اخوت کا درس دیتی اور فلاح عالم کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔وہ نہ رنگ ونسل کی تفریق قبول کرتی ہے نہ امتیاز قوم ووطن سے متاثر ہوتی ہے

آج کل قوم اور زعمائے قوم کی زبانوں پر مختلف فقرے چڑھے ہوئے ہیں جو ایک مخصوص رجحان اور مخصوص نظریہ ومقصد کے ترجمان ہوتے ہیں۔تم پوچھو گے ہماری دعوت کی نگاہ میں ان کا کیا مقام ہے؟ تو میرے عزیزو! ان میں سے ہر فقرے اور ہر نظریے کا ہماری دعوت کی نگاہ میں ایک خاص مقام ہے۔مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم سب کو خوش رکھنا چاہتے ہیں یا فکر ونظریے کے باب میں ہم کسی ظاہر داری کے قائل ہیں، نہیں نہیں، ایسا نہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری دعوت کا مزاج ہی یہی ہے۔یہ دعوت ہے ہی بہت ہمہ گیر اور جامع۔

چنانچہ مصریت یا مصری قومیت کو ہماری دعوت کی نگاہ میں وہی منزلت حاصل ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ اس کا یہ حق ہے کہ اس کا ہر طرح دفاع کیا جائے اور ہم جان و مال سے ہمیشہ اس کے لیے تیار رہیں۔

ہم سب مصر کے فرزند ہیں، اسی مصر کی خاک سے اُگے، یہیں پھولے پھلے اور یہیں پروان چڑھے ہیں۔ اور مصر وہ سرزمین ہے جو ایک زمانے سے ایمان کا مرکز رہی ہے، خوشی خوشی اس نے اسلام کا خیر مقدم کیا ہے، اسے اپنے یہاں بسایا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کا دفاع کیا ہے، سیل عدوان کے خطرے سے اسے بچایا ہے۔ پورے اخلاص کے ساتھ اسے اپنایا ہے، نیک تمناؤں اور پاکیزہ ارمانوں کے گہوارے میں اسے پروان چڑھایا ہے۔ اور اس وقت وہ سنبھل سکتا ہے تو اسلام ہی سے، اس کے روگوں کا علاج اسلام ہے، اسلام ہی کا نسخۂ کیمیا اسے صحت مند اور توانا بنا سکتا ہے اور اس وقت تو جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں اس کے تحت فکر اسلامی کے تحفظ اور اس کی سرپرستی کی بھی ذمہ داری اس کے سر آ گئی ہے، تو بھلا ہم مصر اور بہبود مصر کے لیے کیوں نہ کوشاں ہوں گے؟ اپنی قوتوں اور توانائیوں کے ساتھ کیوں نہ اس کا دفاع کریں گے؟ یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ مصری قومیت کسی مسلم کے تقاضائے ایمان سے سازگار نہیں ہوسکتی، ہمیں فخر ہے کہ ہم اس وطن عزیز کے مخلص ہیں۔ اس کیلئے ہم تگ و دو کرتے ہیں اور اس کی خیر و بہبود کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں اور جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے یہ جسم اسی کے لیے وقف رہیں گے۔ کیوں کہ جو ترقی ہمیں مطلوب ہے یہ اس ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ وطن عربی ایک کل ہے اور اس کل کا یہ ایک جز ہے۔ لہٰذا بہبود مصر کے لیے جو بھی جدوجہد ہوگی وہ حقیقت میں عربیت، مشرقیت اور اسلام ہی کے لیے ہوگی۔

پھر یہ بات کچھ نقصان دہ نہیں کہ ہم مصر قدیم کی تاریخ، مصری قدماء کے تہذیبی و تمدنی آثار، ان کے علوم و فنون اور تحقیقی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔ ہم تو مصر قدیم کا اس حیثیت سے خیر مقدم کرتے ہیں کہ وہ ایک زبردست تہذیب ہے۔ جو مجد و شرف اور علم و فن کے تاروں سے مزین ہے۔ البتہ اس نظریے کے ہم مخالف ہیں کہ اسے ایک نظام زندگی کی حیثیت سے اپنایا جائے۔ اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے اور مصری سماج کو اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جائے۔

بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے، جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام جیسا دین کامل اور نظام کامل عطا کیا، اسی کی تعلیمات کے ذریعے مصر کو صحیح راہ پر لگایا، اس کے لیے اس کے دل میں جگہ پیدا کی

پھر اسی کی برکت سے اسے بصیرت کی روشنی ملی۔ اسی کے ذریعے اس کے مجد و شرف کو چار چاند لگے۔ اور یہ تاریخ شرک و بت پرستی کی جن آلودگیوں اور جاہلیت کی جن گندی عادتوں میں ملوث تھی، ان سے اس نے اسلام ہی کے ذریعے نجات پائی۔ بھلا ایسے کامل ترین نظام کو چھوڑ کر کسی دوسرے ناقص نظام کو اپنانے کے لیے کیا جواز ہو سکتا ہے۔

عربیت یا عرب لیگ کو بھی ہماری دعوت میں خاص مقام حاصل ہے کیوں کہ عرب ہی اسلام کی اولین امت اور اس کی برگزیدہ فوج ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اِذَا ذَلَّ الْعَرَبُ ذَلَّ الْاِسْلَامُ** ''عرب پست ہوں گے تو اسلام بھی پست ہو جائے گا۔''

بلاشبہ عربوں کے اتحاد اور عربوں کی ترقی کے بغیر اسلام ترقی نہیں کر سکتا، اسی لیے کسی بھی وطن عربی کی ایک ایک بالشت زمین کو بھی ہم اپنی ہی زمین کا حصہ اور مادر وطن کا ہی ایک ٹکڑا سمجھتے ہیں۔

یہ جغرافیائی حد بندیاں اور سیاسی تقسیمیں ہمارے دلوں سے اس عربی اسلامی وحدت کی قدر و منزلت کیوں کر ختم کر سکتی ہیں جس نے نہ جانے کتنے دلوں میں ایک ہی آرزو اور ایک ہی مقصد کی لگن پیدا کر دی اور ان سارے ملکوں کو ایک امت بنا دیا۔ قوم پرستوں کی طرف سے خواہ کتنے ہی فتنے اٹھائے جائیں اور اس وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی چاہے کتنی ہی چالیں چلی جائیں، یہ ساری چالیں بے سود اور یہ ساری کوششیں ناکام ہوں گی۔ اس سلسلے میں کتنی دلآویز بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ عربیت کا مفہوم بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عربیت تو نام ہے زبان اور اسلام کا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے امام مالکؒ کی سند سے یہ حدیث رسولؐ نقل کی ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ الرَّبَّ وَاحِدٌ وَّالْاَبَ وَاحِدٌ وَّاِنَّ الدِّیْنَ وَاحِدٌ وَلَیْسَتِ الْعَرَبِیَّةُ بِاَحَدِکُمْ مِّنْ اَبٍ وَلَا اُمٍّ،وَاِنَّمَا هِیَ اللِّسَانُ فَمَنْ تَکَلَّمَ بِالْعَرَبِیَّةِ فَهُوَ عَرَبِیٌّ۔

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، تمہارا دین بھی ایک ہے، اور تم میں سے کسی کی عربیت ماں یا باپ کی راہ سے نہیں آتی، بلکہ عربیت تو نام ہے زبان کا۔ تو جو عربی زبان بولے وہ عربی ہے۔''

معلوم ہوا کہ خلیج فارس سے لے کر بحر اٹلانٹک کے ساحل مراکش اور طنجہ (TANGER) تک پھیلی ہوئی یہ ساری قومیں عربی ہیں جن کو رشتۂ وحدت میں پرونے والی چیز زبان وعقیدہ ہے۔

پھر ان قوموں کا زمین پر سلسلہ وار اس طرح پایا جانا کہ سب کے علاقے ایک دوسرے سے مشابہ اور باہم متصل ہوں۔نہ ان کی زمینوں کے درمیان کوئی دوری ہو، نہ ان کی سرحدوں کے درمیان کوئی فاصلہ ہو، یہ چیز بھی ان کو ایک ہی رشتۂ وحدت میں منسلک کردینے کے لیے کیا کم ہے۔اور ہم تو سمجھتے ہیں کہ عربیت کے لیے اگر ہم کوئی جدوجہد کریں گے تو وہ حقیقت میں بہبود اسلام اور بہبود عالم ہی کے لیے جدوجہد ہوگی۔

مشرقیت کا بھی ہماری دعوت میں ایک مقام ہے، اگر چہ اس کے لیے جو چیز محرک ہوئی، اور جس چیز نے اس کے لیے جذبات کو برانگیختہ کیا وہ ایک بالکل عارضی اور وقتی چیز تھی۔ہوا یہ کہ مغرب کو اپنی تہذیب پر بے جا ناز ہوا۔چنانچہ اس نے اپنے تمدن کو حد سے زیادہ اچھالنا شروع کیا اور ان مشرقی اقوام کو وہ ذرا بھی خاطر میں نہ لایا، نہ ان کے جذبات کا کوئی احترام کیا، اور نہ ان سے کوئی علاقہ رکھا۔اس طرح اس نے سارے عالم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ایک کا نام مشرق رکھا اور دوسرے کا مغرب اور اس تقسیم کا اس نے خوب چرچا بھی کیا۔حد یہ ہے کہ ایک مغربی شاعر یہاں تک کہہ گزرا: ’’مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔دونوں کا یک جا ہونا محال ہے۔‘‘ یہی چیز اہل مشرق کو کھل گئی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مغرب ان کا حریف ہے، لیکن مغرب اگر آج بھی انصاف پسندی پر آجائے اور زیادتی وحق تلفی کی روش چھوڑ دے تو یہ وقتی اور ہیجانی عصبیت ختم ہو جائے گی، پھر ساری قومیں اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہوں گی اور عالمی ترقی کی راہ میں شانے سے شانہ ملا کر کام کریں گی۔

رہی آفاقیت یا انسانیت، تو یہ تو ہمارا سب سے بلند مقصد، سب سے اونچی غایت اور سلسلۂ اصلاح کی آخری کڑی ہے۔اور دنیا لازماً اس منزل تک پہنچ کر رہے گی۔چنانچہ دیکھو، یہ امتوں کا باہم مجتمع ہونا، یہ مختلف نسلوں اور قوموں کا اس طرح منظّم ہونا، یہ کمزوروں کا صف بستہ ہونا تا کہ اس طرح وہ ایک قوت بن سکیں، یہ منتشر نفوس کا باہم یک جا ہو جانا تا کہ اس یک جائی میں وحدت کا سکون پا سکیں۔کیا یہ ساری چیزیں اس بات کی تمہید نہیں ہیں کہ یہ نسلی اور قومی گروہ بندیاں اب ختم ہوں گی، اور ان کی جگہ عالمی فکر کی حکمرانی اور اسی کی شہنشاہی ہوگی؟ ابتداء میں یہ

نسلی وقومی گروہ بندیاں ناگزیر بھی تھیں، تا کہ اس طرح اصل خلیے اکٹھا ہوسکیں۔ پھر یہ بھی ناگزیر تھا کہ لوگ ان چھوٹی چھوٹی گروہ بندیوں سے بیزار ہوجائیں تا کہ بڑی بڑی امتیں تشکیل پاسکیں، اور اس طرح آخر میں وہ مکمل اور عالم گیر وحدت وجود میں آسکے۔ چنانچہ وہ منزل اب سامنے ہے۔ زمانے کو وہاں تک پہنچنا ہے چاہے ابھی اس میں کچھ دیر لگے۔ لہٰذا ہم بھی اسی کو اپنی گول سمجھیں، ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھیں، اور اس انسانی گنبد کی تعمیر میں چند اینٹیں ہم بھی جوڑ دیں۔ ورنہ اسے تکمیل تک پہنچانا ہمارا کام نہیں، کیوں کہ ہر کام کا ایک وقت معین ہے۔ اس وقت معین سے پہلے کسی کام کا اتمام ناممکن ہے۔

اگر دنیا میں آج بہت سی دعوتیں اور نظام قائم ہیں، اور ان نظاموں کی اساس قومی عصبیت ہے جس کی طرف قوموں کے دل لپک رہے ہیں، امتوں کے جذبات مچل رہے ہیں تو یہ گھبرانے کی بات نہیں، اس سرکش ذہنیت کے نتیجے میں دنیا جن تلخ تجربات سے گزر رہی ہے وہ تجربات اس بات کی ضمانت ہیں کہ لوگ دیر سویر ہوش میں آئیں گے اور پھر اخوت اور باہمی تعاون کے ہی سایے میں پناہ لیں گے۔

اور اسلام نے تو اس راستے کے خطوط بھی کھینچ دیے ہیں۔ چنانچہ عقیدہ ایک رکھا۔ پھر سارے نظاموں اور تمام کاموں کو بھی وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور یہی بلندی ودلآویزی اس کی ساری باتوں میں نظر آئے گی۔

چنانچہ اس کے نزدیک سارے انسانوں کا رب ایک ہے۔ دین ومذہب کا سرچشمہ بھی ایک ہے۔ انبیاء سب مقدس اور محترم ہیں۔ ساری آسمانی کتابیں اللہ ہی کی ہیں۔ اور مقصود و مطلوب ہے دلوں کی یک جائی:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

"اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی تاکید اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی، کہ اطاعت درست رکھو، اس میں پراگندہ مت ہوجاؤ۔"

اورقرآن عربی میں ہے۔اور یہی قرآن اس دین کی اساس اور ہماری سب سے افضل عبادت نماز کی جان ہے۔اس طرح گویا یہ ایک عملی وسیلہ ہے اس بات کے لیے کہ ایمانی قدریں بھی ایک رہیں،اورسب کی زبان بھی ایک رہے۔

اور یہ نماز اور زکوۃ ، یہ حج اور روزے ، یہ سب اجتماعی فرائض ہیں جن کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپس میں یگانگت اور محبت پیدا ہو۔سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ اور سب کے دلوں میں ایک ہی جذبہ ہو۔آپس کی دوریاں ختم ہوجائیں۔درمیانی حجابات اٹھ جائیں،اور اولاد آدم کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ رہے۔

اس طرح ہماری دعوت کے مختلف مرحلے ہیں،ان شاءاللہ وہ سارے مرحلے طے ہوں گے اور پھر ہم اپنی منزل پر ہوں گے۔

''ہم مصر میں ایک ایسی مسلم ریاست کے آرزومند ہیں جو دعوت اسلامی کو اپنی آغوش محبت میں جگہ دے۔جو ساری ہی عرب قوموں کو ایک ہی مقصد کے لیے جمع کردے۔اور ان کی خیر و بہبود کے لیے جدوجہد کرے جو مسلمانان عالم کو ظالموں سے نجات دے۔اور خدا کے کلمہ و پیام کو اس طرح عام کردے کہ کہیں شرک کا نام نہ رہے ـــــ ہر طرف طاعت الٰہی کا ہی جاں نواز منظر نظر آئے۔''

روح کی بیداری ـــــ ایمان، احساس سربلندی اور امید

لوگ دعوتوں کے اندر عملی مظاہر اور محسوس کاموں کو ہی دیکھتے ہیں،عموماً ان کی نگاہیں اندرونی جذبات اور روحانی محرکات سے غافل ہوتی ہیں جب کہ حقیقت میں یہی جذبات اور یہی محرکات ہی کسی دعوت کی جان،اس کی بقا کا سامان اور اس کی نشوونما اور کامیابی کا نشان ہوتے ہیں۔

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس سے اختلاف بس وہی کرسکتا ہے جو دعوتوں کی تاریخ سے بےخبر اور ان کے رازوں سے ناآشنا ہو۔

خواہ کوئی بھی تحریک ہو اس کی ظاہری سرگرمیوں کے پیچھے ایک ایسی باطنی قوت ہوتی ہے جو اسے لے کر آگے بڑھتی ،اس کی نگہداشت کرتی ،اور بے اختیار دامن دل کو اس کی طرف کھینچتی ہے۔لہٰذا یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی امت دل وروح اور جذبات واحساسات کی اس حقیقی بیداری کے بغیر ترقی کرسکے:

اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِہِمْ۔ (الرعد:۱۱)

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے۔''

اسی لیے ہمیں سب سے زیادہ جس چیز کی فکر ہے وہ یہی روحانی بیداری ہے کہ دعوت کی نشو ونما اسی پر موقوف ہے اور یہی اس کی ترقی اور کامیابی کی کلید ہے۔ہمیں سب سے پہلے بیدار روح، زندہ دل اور صحت مند وجدان وشعور کی تلاش ہے۔اس دعوت کے ذریعے جو مختلف عملی اصلاحات کرنی ہیں، ان کے اظہار وبیان کی اتنی فکر نہیں، ہمیں تو یہ فکر ہے کہ دلوں میں یہ فکر کیوں کر پیوست ہو جائے۔

☆ ہمیں ایسے نفوس کی تلاش ہے جو زندگی کی توانائیوں اور جوانی کے ولولوں سے سرشار ہوں۔

☆ ایسے دلوں کی جستجو ہے جو امنگ اور تازگی سے معمور ہوں۔

☆ ایسے جذبات کی کھوج ہے جو غیرت وحمیت، جوش والتہاب اور اضطراب وسیمابیت کا نمونہ ہوں۔

☆ اور ایسی روحیں درکار ہیں جن کے اندر بلند نظری، بے تابی اور ایک لپک ہو۔جن کے سامنے ایک بلند تخیل اور ایک اعلیٰ مقصد ہو جس کی طرف بڑھنے اور اسے پالینے کے لیے وہ بے قرار ہوں۔

پھر ضروری ہے کہ ان مقاصد کی بھی تعیین کر لی جائے۔ان جذبات واحساسات کے رخ بھی متعین کر لیے جائیں پھر ان مقاصد پر جذبات کو اس طرح مرتکز کر دیا جائے کہ وہی ان کا عقیدہ وایمان بن جائیں۔ورنہ اس بیداری کی مثال ایک آوارہ کرن کی ہی ہوگی کہ اس میں نہ کوئی روشنی ہوگی نہ حرارت۔

تو پھر ہمارے مقاصد کیا ہوں گے، اور ہماری سرگرمیوں کا کیا رخ ہوگا؟

ہم اپنی دعوت کو اسی اولین دعوت کے نہج پر لے چلنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ نئی پکار اسی قدیم پکار کی صدائے بازگشت ہو جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے مکے کی وادیوں میں گونجی تھی۔لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہم اسی دور کی تقلید کریں جو انوار نبوت سے روشن اور وحی الٰہی کی پرجلال کرنوں سے درخشاں تھا۔ہم اسی معلم اول کی قدم بوسی کریں، جو مربیوں کا سردار اور رسولوں کا سرتاج تھا اور پھر اس سے اصلاح کے طریقے اور دعوت کے انداز سیکھیں۔

آخر نورِ الٰہی کے وہ کون سے دیے، بلکہ وہ کون سے ماہتاب تھے جو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں روشن کیے تھے کہ اتنی گہری تاریکی میں بھی وہ اس طرح دمک اٹھے؟ روحانیت کی وہ کون سی شراب تھی جو آپ نے انھیں پلادی تھی کہ ان میں زندگی وتازگی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر ان میں ایسے ایسے پھول کھل اٹھے، جذبات واحساسات کے غنچے مہکنے لگے اور شعور دوجدان کے پتے پھوٹ پڑے؟

تین احساسات تھے جو آپ نے انھیں عطا کیے، وہی ان کی رگ وپے میں سرایت کر گئے۔ ان کے دل ودماغ میں رچ بس گئے اور ان ہی کے نور سے وہ چمک اٹھے:

(۱) ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو دین آپؐ لائے ہیں، وہی حق ہے، بقیہ سارے ادیان باطل ہیں۔ آپؐ ہی کا پیام سب سے اونچا پیام، آپؐ ہی کا راستہ سب سے افضل راستہ، اور آپؐ ہی کا نظام سب سے کامل نظام ہے جس پر فلاحِ عالم کا انحصار ہے۔ آپؐ برابر وہ آیتیں سناتے جو انھیں اس بادۂ تخیل سے سرشار کر دیں اور اس شعور سے ان کے لہو کو گرما دیں اور قرآن پاک میں تو ایسی آیتیں بے شمار ہیں:

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ o (الزخرف:۴۳)

’’تو اس چیز کو مضبوطی سے پکڑے رہو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے۔ بلاشبہ تم سیدھی راہ پر ہو اور بلاشبہ یہ یاددہانی ہے تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے اور جلد ہی تم سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔‘‘

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ o (النمل:۷۹)

’’تو تم اللہ پر بھروسہ رکھو، بلاشبہ تم واضح حق پر ہو۔‘‘

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ o (الجاثیہ:۱۸)

’’پھر دین کے سلسلے میں ہم نے تمہیں ایک واضح شاہراہ پر کر دیا ہے تو تم اسی شاہراہ پر چلو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلنا جو جانتے نہیں۔‘‘

فَلاَ وَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (النساء:۶۵)

''سو نہیں، تمہارے رب کی قسم، یہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے درمیان اٹھنے والے جھگڑوں میں تم سے فیصلہ نہ کرائیں۔ پھر جو فیصلہ تم کردو، اس پر اپنے دل میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور پوری طرح اپنے آپ کو حوالے کردیں۔''

چنانچہ اس حقیقت پر وہ ایمان لائے۔ اس شعور سے وہ سرشار ہو گئے اور اس کے تقاضے پورے کرنے میں وہ جی جان سے لگ گئے۔

(ب) یہ بات بھی ان کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ جب وہ حق کے سپاہی اور روشنی کے پیامی ہیں اور دوسرے تاریکیوں میں سرگرداں ہیں، اور انھیں عالمی قیادت کے لیے آسمانی ہدایت بھی عطا کی گئی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے معلم بنیں، ایک استاذ کی طرح انتہائی شفقت اور دل سوزی کے ساتھ ان کی تربیت کریں۔ انھیں خیر و ہدایت کی تعلیم دیں، ان کی خامیوں کی اصلاح اور بیماریوں کا مداوا کریں۔

قرآن کریم نے بھی یہ پہلو خوب خوب ابھارا اور بار بار انھیں یہ منصب یاد دلایا۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو لوگوں کی رہ نمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو۔ نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ (البقرہ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک بہترین امت بنایا۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو، اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَاجْتَبٰکُمْ وَمَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج:۷۸)

''اور اللہ کی راہ میں جان توڑ کوشش کرو، جیسی کہ ہونی چاہیے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے، اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

جنانچہ اس پر وہ ایمان لائے۔ اس شعور سے وہ سرشار ہو گئے۔ اور پھر اس کے مطابق سرگرم عمل ہو گئے۔

(ج) ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب تک وہ حق سے وابستہ رہیں گے، اسے عزت کی کلید اور سربلندی کی چیز سمجھتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوگا، ان کی رہنمائی و دست گیری کرے گا۔ وہ بے یارومددگار ہوں گے تو وہ ان کی مدد کرے گا، وہ زحمتوں کے شکار ہوں گے تو اس کی رحمتوں کا نزول ہوگا۔ لوگ مخالفت کریں گے تو وہ ان کی مدافعت کرے گا۔ وہ جہاں کہیں بھی رہیں گے سروں پر اس کا سایہ ہوگا۔ زمینی لشکر ان سے بیزار ہوں گے تو آسمانی لشکر ان پر فدا ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر یہ اطمینان دلایا۔ اور قرآن کریم نے بھی بار بار اس کا اعلان کیا:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo (الاعراف:۱۲۸)

''بے شک زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جن لوگوں کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور آخری کامیابی تو متقین ہی کی ہوگی۔''

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَo (الانبیاء:۱۰۵)

''بلاشبہ زمین کے وارث تو ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔''

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o (الحج:۴۰)

''اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا۔ جو اس کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔''

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْo (المجادلۃ:۲۱)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔''

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَo (یوسف:۲۱)

''اور اللہ تو اپنا کام کر کے رہتا ہے مگر بیشتر لوگ سمجھتے نہیں۔''

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوْا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (الانفال:۱۲)

''یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں سے کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ثابت قدم رکھو ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔''

وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الروم:۴۷)

''اور ہم پر فرض تھی مومنین کی مدد۔''

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ۔ (القصص:۵)

''اور ہم کو یہ منظور تھا کہ ان لوگوں پر احسان کریں، جن کو زمین میں کچلا جا رہا تھا۔''

یہ ساری آیتیں انھوں نے پڑھیں، سمجھیں اور پھر جوش عمل سے وہ بے تاب ہو گئے۔

پیام الٰہی کی عظمت پر ایمان، اپنی فیروز مندی کا احساس اور نصرت الٰہی کی امید، ان ہی تین باتوں کی مدد سے اس رہبر اول نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں زندگی کی روح پھونک دی اور انھیں ان کے مقاصد کا شعور عطا کیا۔ چنانچہ وہ یہ پیغام لے کر زمین کے کونے کونے میں پھیل گئے مگر اس طرح کہ وہ ان کے سینوں یا صحیفوں میں روپوش نہ تھا، بلکہ کردار وعمل کے دریچوں سے نمایاں تھا۔ اور اس وقت ایک طرف تو وہ رب کریم کی طرف سے اپنی عزت افزائی پر مسرور تھے، دوسری طرف نصرت الٰہی کی امیدوں سے معمور چنانچہ زمین نے ان کے قدموں کے بوسے لیے اور انہوں نے دنیا میں ایک نہایت شاندار تہذیب قائم کی، جو عدل وانصاف اور رحمت ومودت کی آئینہ دار اور حسن اخلاق کی بلندیوں سے ہم کنار تھی۔ اس طرح جامد مادیت کی تباہ کاریاں ختم ہوئیں، جاوداں الوہیت کی برکتیں عام ہوئیں اور سارا عالم نور سے جگمگا اٹھا۔

ہم بھی پہلے ان ہی تین باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔

لوگو! ہم تم سے نماز، روزہ، عدالت، حکومت، عادات، عبادات، نظام اور معاملات کے سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہتے۔ ابھی تو ہم تم سے بس زندہ دل، زندہ روح، باشعور ذہن اور بیدار حس کے طالب ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس پیام الٰہی کی عظمت تمہارے دلوں میں سما جائے۔ تمہیں اپنی فیروز مندی و نیک بختی کا واقعی احساس ہو جائے اور نصرت الٰہی کی امیدوں سے تمہارا سینہ آباد ہو جائے۔ تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟

مسلم فرد، مسلم گھرانہ، مسلم امت

یہ زبردست شعور اور یہ روحانی بیداری جس کی ہم دعوت دیتے ہیں، ناممکن ہے کہ زندگیوں کو بدل نہ دے۔اور اس سے پہلے ایک ایسی عملی اٹھان نہ ہو جو افراد، خاندان اور معاشرے، سب پر حاوی ہو۔

(۱) لازماً یہ بیداری فرد پر اثر انداز ہوگی، اور پھر یکا یک وہ ان صفات کی سچی تصویر ہوگا جو اسلام کو مطلوب ہیں۔اسلام ایک مسلم کے اندر ایسی باشعور وجدانی قوت دیکھنا چاہتا ہے جو خوب و ناخوب کو سمجھ سکے، ایسی صحت مند قوت ادراک دیکھنا چاہتا ہے جو صحیح اور غلط میں تمیز کر سکے، ایسی زبردست قوت ارادی دیکھنا چاہتا ہے جو حق کی راہ میں ذرا بھی کمزور نہ پڑے اور ایسا بھلا چنگا اور توانا جسم دیکھنا چاہتا ہے جو صحیح معنوں میں انسانی فرائض کا تحمل کر سکے، نیک ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے اور پوری مستعدی سے حق کی حمایت کر سکے۔

اسلام میں جو شخصی ذمہ داریاں ہیں وہ آدمی کے اندر یہی خصوصیات پیدا کرتی ہیں۔چنانچہ خدا سے قلبی لگاؤ پیدا کرنے، باشعور وجدانی قوت کو پروان چڑھانے اور انسان کے اندر ذوق لطیف پیدا کرنے کے لیے اسلامی عبادات سے زیادہ مفید اور موثر تدبیر اور کیا ہوسکتی ہے؟ اسی طرح فکر اسلامی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ عقل و ذہن کو نشو و نما دیتا، انھیں تحقیق و تجسس پر اکساتا اور موز فطرت کو بے نقاب کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

اسی طرح اسلامی اخلاق کی یہ خوبی ہے کہ وہ آہنی عزم وارادہ اور نڈر جرأت و بے باکی کو پروان چڑھاتا ہے۔اسی طرح کھانے، پینے، سونے، بیٹھنے وغیرہ کے جو دینی آداب اور اسلامی طور طریق ہیں ان کا اگر آدمی خوگر ہو جائے تو وہ لادوا مہلک امراض سے محفوظ رہے۔خطرناک امراض کی اسے ہوا نہ لگے۔

اسی لیے اپنے رفیق کے لیے یہ بات ہم لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ عبادات کا پورا اہتمام کرے کہ اس کی وجدانی قوت ترقی کر سکے۔وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے کہ اس کی قوت ادراک میں اضافہ ہو، حتی الامکان وہ اسلامی اخلاق کا حامل بنے کہ اس کے عزم وارادے میں پختگی آئے اور کھانے، پینے، سونے وغیرہ کے جو آداب ہیں ان کا ہمہ آن خیال رکھے کہ اس کا جسم مہلک امراض سے محفوظ رہے۔

پھر ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے ان اصولوں میں صرف مردوں کا ہی خیال رکھا ہو اور خواتین کو نظر انداز کر دیا ہو۔ نہیں، ان اصولوں میں اس نے یکساں طور پر مرد و زن دونوں کی رعایت کی ہے۔ لہٰذا ہماری مسلم بہن کو بھی چاہیے کہ وہ وجدانی قوت، جسمانی طاقت، فکری بلندی اور اخلاقی پاکیزگی میں ہمارے مسلم بھائی کے ہی مثل ہو۔

(ب) پھر اس شخصی اصلاح کا گھرانے پر بھی اثر پڑے گا۔ کیوں کہ گھرانہ تو عبارت ہے چند افراد سے۔ تو اگر زن و شو کی اصلاح ہو جائے جب کہ یہی دونوں گھرانے کے ستون ہیں، تو وہ بآسانی اسلامی اصولوں کے مطابق ایک مثالی گھرانہ بنا سکیں گے اور اسلام نے تو گھرانے سے متعلق بہت ہی عمدہ اور محکم اصول دیے ہیں چنانچہ شادی کے وقت حسن انتخاب کی ہدایت کی ہے، باہمی ربط و تعلق کے بہتر سے بہتر طریقے بتائے ہیں، باقاعدہ حقوق و فرائض کے حدود مقرر کیے ہیں، اور طرفین کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ ثمرات نکاح کی نگہداشت کریں۔ یہاں تک کہ وہ پختہ ہو کر تیار ہو جائیں۔ وہ انھیں کسی بھی قیمت پر ضائع نہ ہونے دیں، نہ ان کے سلسلے میں کسی لاپروائی سے کام لیں۔ پھر اس نے پوری باریک بینی سے عائلی گتھیاں بھی سلجھائی ہیں۔ اور ان ساری ہدایات میں اس نے حسن اعتدال کو ترجیح دی ہے کہ یہ ساری ہدایات افراط و تفریط سے پاک ہیں۔

(ج) اور جب گھرانے کی اصلاح ہو جائے گی تو خود بخود صالح امت وجود میں آجائے گی کیوں کہ امت تو عبارت ہے ان ہی گھرانوں سے، بلکہ چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ گھرانہ عبارت ہے ایک چھوٹی امت سے، اور امت عبارت ہے ایک بڑے گھرانے سے۔ اسلام نے ایک امت کی حیثیت سے بھی پر مسرت اجتماعی زندگی بسر کرنے کے کچھ ضابطے دیے ہیں چنانچہ اس نے تمام اولاد آدم کو ایک ہی رشتۂ اخوت میں جوڑ دیا۔ اور اس اخوت کو اس نے ایمان کا لازمہ قرار دیا۔ پھر یہی نہیں، اس نے تو محبت اور محبت سے بھی آگے بڑھ کر ایثار کا درس دیا۔ اس نے ان ساری چیزوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا، جو ان رشتوں کو کاٹنے والی یا ان تعلقات کو کمزور کرنے والی تھیں۔ اس نے ان حقوق و فرائض کا بھی پابند کیا۔ اولاد کے سلسلے میں بھی یہی انداز اختیار کیا۔ اعزہ و اقربا کے بھی کچھ حقوق بتائے اور کچھ ذمہ داریوں کا انھیں پابند کیا۔ اس نے حکام و رعایا کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں بھی ہدایات دیں۔ باہمی معاملات کے بارے میں بھی تفصیلی احکام دیے۔ اس نے ساری اونچ نیچ ختم کر کے فضیلت کا معیار صرف تقویٰ کو بتایا۔ چنانچہ اب نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم۔ نہ آقا ہے نہ غلام۔ اس کے برعکس خدا کے ہاں سب برابر ہیں،

جیسے کنگھی کے دندانے اور اب ان کے مراتب میں اگر کچھ فرق ہوگا تو صرف نیکی وتقویٰ کی بنیاد پر۔اس نے بین الاقوامی تعلقات کے بھی حدود مقرر کیے اور ہر ایک کے حقوق وفرائض کی وضاحت کی۔غرض کوئی چیز اس نے چھوڑی نہیں۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اس نے ضروری ہدایات دیں۔اس نے معاشرتی دشواریوں کا بھی علاج بتایا۔اولاً تو اس نے کمزور رخنوں کو بند کیا کہ دشواریاں پیدا ہی نہ ہوں۔پھر اگر کسی دشواری سے آدمی دوچار ہوجائے تو اس سے نکلنے کے بھی طریقے بتائے۔غرض ہر اجتماعی بیماری کے لیے اس کے پاس نسخۂ شفا ہے اور ہر نسخے کی پہلی دوا اندرونی اصلاح اور باہمی اتحاد ہے۔

زندگی کے ایک ایک پہلو سے بحث کرنے کے باوجود اسلام کوئی ایسا طرز نہیں اختیار کرتا جس سے لوگ تنگی میں پڑ جائیں، یا کسی زحمت کا شکار ہوں۔اس کے برعکس تنگیوں سے بچاتا اور آسانیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔وہ جزئی فروعات میں پڑنے کے بجائے کلی ضابطے دیتا ہے۔ پھر تطبیق کے کچھ اصول بتا کر زمانے پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنا کام کرے۔

یہی راز ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر قوم کی شریعت ہے۔زمان ومکان کی قیود سے وہ بالاتر ہے اور اسی لیے وہ دعوت وتبلیغ کو فرض قرار دیتا ہے تاکہ اس شریعت سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔اور یہ فرمودہ الٰہی صادق آئے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ٥

''ہم نے تمھیں نہیں بھیجا، مگر سارے اہل جہان کے لیے رحمت بنا کر۔''

تو جب وہ شعور پختہ ہوجائے گا جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا، اور اس کا وہ نتیجہ سامنے آجائے گا جس کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا، اور نظام اسلامی کا جلوہ فرد، گھرانہ اور امت، تمام ہی صورتوں میں نظر آنے لگے گا۔اور یہ پیام کانوں اور کانوں سے گزر کر دلوں میں پہنچ جائے گا۔تو اس وقت ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ ہمارا فکر کامیاب ہوا، اور دعوت کا قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔اور اللہ تو اپنے نور کو غالب کر کے رہے گا۔

کعبہ بھی، کلیسا بھی

ہماری تمنا ہے کہ ہمارا ایک ایک فرد مسلم ہو، ایک ایک گھرانہ مسلم ہو، پوری قوم مسلم

ہو۔لیکن اس سے پہلے ہم فکر اسلامی کی ایسی حکمرانی چاہتے ہیں جو ہماری زندگی کے ایک ایک گوشے کو محیط ہو۔ایک ایک ادا ہماری اسلام پسندی کا ثبوت ہو۔کیوں کہ اس کے بغیر ہماری کوششیں لاحاصل ہوں گی ۔ ہماری تمنا ہے کہ ہم خالص اسلامی بنیادوں پر سوچنے کے عادی بنیں،ہم اس ذہنی غلامی سے آزاد ہو جائیں جس نے ہمیں ہر معاملے میں مغرب کی کاسہ لیسی پر مجبور کر دیا ہے۔ہماری تمنا ہے کہ ہم اپنی قدروں اور زندگی کی بنیادوں میں بالکل ممتاز ہوں جیسا کہ ہم جیسی عظیم باوقار امت کے شایاں ہے کہ ہمارا ماضی تو فخر و مجد کے ایسے ایسے کارناموں سے مزیّن ہے جن کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔

ہم نے اس دین حنیف کو وراثت میں پایا ہے،اور اس کی ہم پر ایسی گہری چھاپ پڑی ہے کہ ہمارے جذبات واحساسات میں اسی کی گرمی اور قلب وذہن میں اسی کی چاندنی ہے۔ آفتاب اسلام کی ایک ایک کرن کو مصر نے اپنے اندر جذب کیا ہے۔اس کا عقیدہ،اس کی زبان، اس کی تہذیب،سب کو مصر نے اپنایا ہے۔اس نے باقاعدہ اسلام کا دفاع کیا ہے۔دشمنوں کے حملوں سے اسے بچایا ہے۔اسلام کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹایا ہے،اور اپنے فرزندوں کے خون سے اسے سینچا ہے۔اس نے تاتاریوں کے بے درد پنجوں اور صلیبیوں کے خوں خوار جبڑوں سے اسے بچایا ہے،اور سب کو دنداں شکن جواب دیا ہے۔وہ اسلامی علوم وفنون کا مرکز بھی رہا ہے۔ جامع ازہر جیسی قدیم درس گاہ اسی کی آغوش میں ہے،جو شروع سے ہی اسلامی علوم کی سرپرستی اور ان کی ترویج وترقی میں مصروف ہے اور اس وقت تو اسے اسلامی ممالک کی علمی واجتماعی سربراہی بھی حاصل ہے۔اور وہ سب کا قبلۂ توجہ اور سب کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

یہ اسلام،اس کا عقیدہ اور نظام،اس کی زبان اور تہذیب،سب مصر کی انتہائی گراں قدر میراث ہیں اور ان کے سلسلے میں ذرا سی بھی کوتاہی نہایت سنگین ہوگی۔مصر کو اسلام سے دور کرنا ممکن نہیں،اس سلسلے میں خواہ کیسی ہی تخریبی کوششیں کی جائیں سب ناکام ہوں گی۔یہی وجہ ہے کہ مصری زندگی کے بہت سے گوشوں میں اسلامی رنگ ڈھنگ اور اسلامی مظاہر اب بھی نمایاں ہیں۔چنانچہ دیکھو،اس کے تمام نام اسلامی ہیں،اس کی زبان عربی ہے۔یہ بڑی بڑی مسجدیں ہیں جو ذکر الٰہی سے آباد رہتی ہیں،صبح وشام ان سے حق کی صدائیں بلند ہوتی ہیں،اور یہ ہمارے جذبات ہیں جو اسلام اور اسلام کے نام سے حرکت میں آجاتے ہیں ورنہ کسی اور چیز سے یہ حرکت

میں نہیں آتے ۔ہاں مگر برا ہو مغربی تہذیب کا کہ وہ ہمارے پیچھے پڑی ہے۔وہ برابر ہم سے مصروف جنگ ہے ۔ بڑی زوردار جنگ اس نے چھیڑ رکھی ہے اور یہ جنگ علم و دولت،تہذیب وثقافت، تدبیر وسیاست،سامان تعیش اور اسباب تنعم کی ایسی ایسی دل فریبیوں اور فسوں کاریوں سے وہ لڑ رہی ہے جن سے ہم اب تک غافل ہیں۔ چنانچہ ہم ان چیزوں پر فریفتہ اور ان کے دل دادہ ہو گئے۔ یہ سرد جنگ ہم پر بری طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہماری اجتماعی زندگی سے فکر اسلامی کا سایہ کھسک رہا ہے۔اس کے بہت سے اہم ترین شعبوں پر فکر اسلامی کی ہلکی پرچھائیں بھی نہ رہی۔ اور اب ہم زندگی کے نقشے بدل رہے ہیں۔تیزی سے ہم یورپ کی طرف دوڑ رہے ہیں۔شہنشاہ اسلام کو ہم نے دلوں اور مسجد کی محرابوں میں محبوس کر دیا ہے۔ عملی زندگی سے وہ بالکل بے دخل ہو گیا۔ مسائل زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہ رہا۔اس طرح ہماری زندگیوں میں حد سے زیادہ تضاد ہے اور ہم سرتا سر تذبذب کے شکار ہیں۔

اسلام کی عظمت ورعنائی،اس کے اقتدار کی دلآویزی وسحر کاری،اس کے اصولوں کی صحت مندی وحق پسندی اور اس کے دلائل کی اثر آفرینی ہمارے دلوں کو کھینچتی ہے۔وہ ہم وابستگان اسلام کو اپنے لیے فکر مند رکھتی ہے۔اور یہ مغربیت اپنی دل فریبیوں،فتنہ کاریوں اور مادی توانائیوں کے ساتھ برابر اس کوشش میں ہے کہ ہماری زندگی کے جو گوشے ابھی تک محفوظ ہیں ان پر بھی وہ چھا جائے۔ یہ کیفیت اس قدر نمایاں ہے کہ امت کا ہر دردمند شخص اس سے باخبر ہے اور دن رات اس کے مشاہدے کر رہا ہے۔

یہ تذبذب کی کیفیت بہرحال کسی نتیجے پر پہنچ کر دم لے گی اور یقینی طور پر فریقین میں سے کسی ایک کی جیت ہوگی اس لیے کہ ہر اقدام کا ایک انجام ہوا کرتا ہے۔

ہم اخوانیوں کے کلیجے کانپ جاتے ہیں کہ کہیں اس کشمکش کا نتیجہ مظاہر اسلام سے بیزاری کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔اور کہیں ہم پوری طرح مغربیت کے بحر ظلمات میں نہ ڈوب جائیں۔اس پر پہلے بھی آوازیں اٹھ چکی ہیں،اس کی بنیاد پر متعدد تحریکیں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ مختلف قومیں اور حکومتیں بھی ہم سے پہلے یہ آوازیں بلند کر چکی ہیں،گرچہ دنیا آج جن آزمائشوں اور تباہ کاریوں سے دوچار ہے،ان کے شور میں یہ آوازیں بھی گم ہو کر رہ گئیں۔

ہم اس انجام سے ڈرتے ہیں،اور پوری دل سوزی سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ مصر پھر

سے اسلام کی آغوش میں آجائے، اسی کو وہ اپنا سہارا سمجھے اور اسی سے قوت حاصل کرے۔ اسی کو وہ نئی ترقی کی بنیاد بنائے اور اپنے سارے اجتماعی معاملات کو اسلامی قوانین کی بارگاہ میں پیش کرے۔

اور جب اسلام خوب سے خوب تر کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور خیر وحکمت کو مومن کی متاع گم شدہ قرار دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی مل جائے مومن اس کا زیادہ سزاوار ہے۔ اور وہ یہ تاکید کرتا ہے کہ یہ امت بھلائی کو جہاں کہیں دیکھے، اپنی قبائے زندگی میں ٹانک لے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دوسروں کی مفید اور نفع بخش چیزوں کو نہ اپنائیں اور دین کے اصولوں اور قوم کی ضروریات میں انھیں شامل نہ کر لیں۔

لیکن ہماری عملی زندگی میں اس تذبذب کی مضرتیں کس قدر نمایاں اور سنگین ہیں۔ یہ تعلیمی، عدالتی، خانگی اور ثقافتی امور میں جو دشواریاں پیش آرہی ہیں اور زندگی کے دوسرے معاملات میں جو پیچیدگیاں سر اٹھا رہی ہیں، وہ سب نتیجہ ہیں اسی تذبذب کا۔

کیا مصر کے علاوہ اور بھی کہیں ابتداء ہی سے تعلیم وتربیت کے یہ دو نظام رائج ہیں؟ یہاں ایک طرف تو دینی تعلیم ہے جس کا تعلق ملک کی نصف آبادی سے ہے۔ اور یہ ازہر اور اس کی درس گاہوں اور کالجوں تک محدود ہے۔ اور دوسری طرف جدید تعلیم ایک دوسرے کی ضد اور اپنے اثرات ونتائج کے لحاظ سے یکسر مختلف ہیں۔ تو کیا ایسا نہیں ہے کہ پہلی تعلیم اس امت کی رہی سہی اسلام پسندی کا نتیجہ ہے، جب کہ دوسری تعلیم نتیجہ ہے مغربی دوڑ میں حصہ لینے اور مغرب کی شیشہ گری پر جان دینے کا! آخر کیا حرج ہے اگر تعلیم ابتدائی مراحل میں خالص اسلامی بنیادوں پر ایک کر دی جائے۔ پھر اس کے بعد تخصص کے درجات رکھے جائیں۔

اور کیا مصر کے علاوہ اور بھی کہیں دو دو عدالتیں قائم ہیں؟ ایک شرعی دوسری غیر شرعی؟ آخر اس کی یہی وجہ تو ہے کہ پہلی عدالت یہاں کی اسلام پسندی کا نتیجہ ہے، جب کہ دوسری عدالت نتیجہ ہے مغرب نوازی اور مغربی جراثیم سے بے پناہ شیفتگی کا۔ آخر کیا حرج ہے اگر شریعت اسلامی کو ہی ملکی نظام وقوانین کا ماخذ مان کر عدالت ایک کر دی جائے؟

اور یہ مصری گھرانے، کیا ان کی زندگیوں میں اس تذبذب کے اثرات نمایاں نہیں ہیں؟ کتنے ہی گھرانے ایسے ہیں جو اس دینی ورثے اور ملی اثاثے کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، جب کہ بے شمار گھرانے ایسے بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے بیگانہ ہیں۔ وہ اسلامی آداب کے باغی

اور مغرب کی ایک ایک چیز کے عاشق ہیں اور بعض تو تقلید مغرب میں اتنے آگے ہیں کہ اہل مغرب بھی ان سے مات کھا جائیں۔

اسی لیے اخوان کا مطالبہ ہے کہ سب سے پہلے اسلامی بنیادوں پر پوری امت میں یک جہتی پیدا کی جائے، پھر یہی یک جہتی ہماری ترقی کی بنیاد بنے۔ بس یہی ایک صورت ہے جسے اپنا کر مصر ترقی کر سکتا ہے اور یہی وہ مبارک ساعت ہوگی جب وہ صحت مند انسانی زندگی کا کامل نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آسکے گا۔

ہمارے عام وسائل

نظریہ اور تنظیم

اخوان المسلمون کے عام وسائل کیا ہیں؟ اس حیثیت سے ہم اخوان پر نظر ڈالیں تو ایک طرف تو وہ ایک خادم قوم انجمن کی صورت میں نظر آئیں گے، دوسری طرف وہ ایک ایسی تحریک کی حیثیت سے سامنے آئیں گے جو قوم وملت کی تعمیر نو کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ اور امت کے سامنے ایک ایسا نقشۂ کار رکھتی ہے جس پر اس کا گہرا ایمان ہے اور اسی کے مطابق وہ سرگرم عمل بھی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اخوانی جماعتیں خدمت قوم اور رفاہ عام کے کام برابر انجام دے رہی ہیں۔

- ☆ وہ مسجدیں بنواتی اور انھیں آباد کرتی ہیں۔
- ☆ مدرسے اور مکاتب کھولتی اور ان کی سرپرستی کرتی ہیں۔
- ☆ انجمنیں اور بزمیں قائم کرتی اور ان کی خبر گیری کرتی ہیں۔
- ☆ اسلامی یادگاروں کی ایسی تقریبیں مناتی ہیں جو ان کے شایان شان ہوں۔
- ☆ بستیوں اور شہروں میں ایسی خوش گوار فضا قائم کرتی ہیں کہ بے تکلف ایک دوسرے کی خدمات حاصل ہوسکیں، اور وقت پر مالی تعاون بھی ہو سکے۔
- ☆ غافل امراء کو نادار فقراء کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ان کے اندر ہم دردی ومواسات کے جذبات ابھارتی ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات میں خوش گواری ودلآویزی پیدا کرتی ہیں۔
- ☆ صدقات کا اجتماعی نظم کرتی ہیں کہ وہ تیوہاروں اور تقریبوں کے موقع پر صحیح حق داروں میں تقسیم ہوسکیں۔

بلاشبہ اخوان یہ سارے کام کر رہے ہیں اور خدا کا شکر ہے، ان میں وہ توقع سے زیادہ کامیاب ہیں۔ پھر چوں کہ اس وقت لوگ دعوت کی طرف مائل ہیں اور تیزی سے ان کی طرف لپک رہے ہیں۔ اس لیے فطری طور پر ان کی سرگرمیاں بھی کافی زوروں پر ہیں، جو واضح طور پر محسوس کی جارہی ہیں۔ ان میدانوں میں ان کے وسائل کار یہ ہیں:

تنظیم، رضا کارانہ جہد و عمل، تجربہ کار اور صاحب الرائے حضرات کا تعاون اور ان کی اسکیموں کے لیے حسب ضرورت سرمایے کی فراہمی، چاہے یہ فراہمی معاونین ہی کے ایثار وانفاق کا نتیجہ ہو، یا دیگر اہل خیر کی جیبوں سے ہو، یا ان اسکیموں کی مد میں آنے والی اور دوسری رقموں سے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اخوان یہ سارے کام کر چکے۔ البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ وہ روز بروز ترقی کر رہے ہیں، اور بہت تیز گامی سے اوج کمال کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بلاشبہ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اسی سے مدد کے طالب ہیں۔

یہ ہیں اخوان اور یہ ہے ان کی دعوت ایک خادم قوم انجمن کی حیثیت سے۔

مگر اخوان جیسا کہ ہم نے عرض کیا، بس یہی نہیں ہیں، ان کی دعوت کی روح ہے ایک فکر اور ایک عقیدہ جسے وہ پیش کرتے ہیں تا کہ اسی کے مطابق عام ذہن تیار ہو سکیں، اور دلوں میں اسی کا جلوہ ہو اور روحیں اسی کے گرد یک جا ہوں، وہ فکر وعقیدہ کیا ہے؟ اسلام کے لیے جدوجہد اور زندگی کے تمام گوشوں میں اسی پر عمل درآمد۔

جہاں تک اس مقصد کے حصول کا تعلق ہے، تو اس کا ذریعہ مال ومنال نہیں۔ شروع سے آج تک کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دعوتیں کبھی مال کی بنیاد پر نہیں قائم ہوتیں، نہ اس کی بنیاد پر ترقی کرتی ہیں۔ بلاشبہ بعض مرحلے ایسے آتے ہیں، جب انھیں مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مال ہی ان کا ستون اور ان کی روح نہیں۔ دعوتوں کے علم بردار اور ان کے سرفروش مجاہدین تو ہمیشہ غریب اور نادار ہی ہوا کرتے ہیں۔ تاریخ سے پوچھ لو، وہ تمھیں یہی بتائے گی۔

اسی طرح قوت پر بھی ان کا انحصار نہیں۔ کیوں کہ دعوت حق تو روحوں سے خطاب کرتی، دلوں سے سرگوشیاں کرتی اور ذہن ودماغ کے بند دروازوں پر دستک دیتی ہے اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ ڈنڈوں کے زور یا تلواروں کی نوک سے ان تک پہنچ سکے۔

کسی دعوت کی جڑیں مضبوط کرنے اور اسے دلوں میں اتارنے کا ذریعہ تو مشہور ومعلوم

ہے، ہر اس شخص پر عیاں ہے، جسے جماعتوں کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہو، خلاصہ ہے اس کا: ایمان وعمل، اخوت ومحبت ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ اور کیا کیا کہ صحابہ کو ایمان وعمل کی دعوت دی ۔ پھر اخوت ومحبت کی لڑی میں انھیں پرو دیا۔ اس طرح عقیدے کی قوت کے ساتھ ساتھ وحدت کی طاقت بھی حاصل ہوگئی ۔ اور پھر ان کی جماعت وہ مثالی جماعت بن کر ابھری کہ اگر سارے اہل زمین مل کر ان کی مخالفت کرتے تب بھی ان کی دعوت کا سر بلند ہونا، اور کلمہ کا بول بالا ہونا یقینی تھا۔

دوسرے بھی داعیان حق چاہے پہلے کے ہوں یا بعد کے، اس سے زیادہ انھوں نے کیا کیا؟ وہ آواز بلند کرتے، نظریہ وفکر کی وضاحت کرتے، لوگوں کو اس کی دعوت دیتے، لوگ اس پر ایمان لاتے، اسے غالب کرنے کی جدوجہد کرتے اور سب اس کے لیے ایک ہو جاتے ۔ اس طرح ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا، فکر کو فروغ ہوتا اور وہ کامیابیوں کی بلندیوں پر پہنچ جاتے ۔ جب کہ دوسرے نظریات وافکار اس کی طوفانی لہروں میں ہی گم ہو کے رہ جاتے ۔ یہی اللہ کی سنت رہی ہے، اور اللہ کی سنت کبھی بدلا نہیں کرتی ۔

اخوانی دعوت کوئی نرالی دعوت نہیں ہے ۔ یہ اسی دعوت پیشیں کی صدائے بازگشت ہے جوان مومنین کے دلوں میں گونج رہی ہے، اور زبانوں سے اس کے زمزمے سنے جارہے ہیں ۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ دعوت امت کے دلوں میں اس طرح اتر جائے کہ یہی اس کا ایمان بن جائے ۔ سارے دل اس پر مجتمع ہو جائیں اور تمام کاموں میں اسی کے جلوے نظر آئیں، اگر ایسا ہوگا تو یقیناً نصرت الٰہی ہم پر سایہ فگن ہوگی اور غیب سے ہماری رہ نمائی ہوگی ۔

تو اے مرے بھائیو! ایمان وعمل کے پیکر بنو، اور اخوت ومحبت کا رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو ۔ یہی تمہارا وسیلہ اور یہی تمہارا اسلحہ ہے ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہاری مدد فرمائے گا ۔ اس کی مشیت کو تو کوئی روک نہیں سکتا۔

چند سوالات

☆ ایمان بالغیب بھی ہو اور عقل سے استفادہ بھی۔
اس کی کیا شکل ہوگی؟

☆ ہماری دعوت کے اندر قومیت، عربیت اور
آفاقیت کا کیا مقام ہے؟

☆ "اسلام دین بھی ہے اور قومیت بھی،" اس کا کیا مفہوم ہے؟

☆ ہم ایسی ترقی کے خواہاں ہیں جو زندگی کے ایک ایک
گوشے پر حاوی ہو، یہ مہم کیسے سر ہوگی؟

☆ اس کے لیے ہمارا اولین اسلحہ کیا ہوگا؟

☆ وطن عزیز پر مغربیت نے کیا کیا اثرات چھوڑے؟

سلسلۂ رسائل اخوان المسلمون

(۴)

ہماری تحریک

ہماری تحریک

بالکل صاف صاف

ہم چاہتے ہیں کہ اپنی غایت کھول کر پیش کر دیں، اپنا طریق کار پوری طرح واضح کر دیں اور لوگوں کے سامنے اس طرح اپنی دعوت رکھیں کہ اس میں نہ کوئی پیچیدگی ہو نہ ابہام۔ وہ سورج سے زیادہ روشن، سحر سے زیادہ تابناک اور نصف النہار سے زیادہ درخشاں ہو۔

نہایت صاف ستھری

ہم چاہتے ہیں کہ سارے مسلمان یہ جان لیں کہ اخوانی دعوت نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ دعوت ہے۔ وہ شخصی آرزوؤں سے پاک، مادی فائدوں سے بے نیاز اور اغراض و خواہشات سے بہت بلند ہے۔ وہ شروع سے ہی ان خطوط پر چل رہی ہے جو حق تعالیٰ نے داعیانِ حق کے لیے متعین کر دیے ہیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (یوسف:۱۰۸)

''کہو، یہی ہے میری راہ، اللہ کی طرف پکارتا ہوں سمجھ بوجھ کر، میں بھی اور میرے پیرو بھی۔ اللہ بڑی عظمتوں والا ہے۔ اور میں تو کبھی شرک کرنے سے رہا۔''

چنانچہ لوگوں سے ہم کچھ نہیں مانگتے۔ نہ ہم دولت مانگتے ہیں، نہ کوئی وجاہت یا قدر و منزلت چاہتے ہیں۔ ہمیں نہ کسی صلے کی تمنا ہے، نہ کسی شکر و سپاس کی خواہش ہے۔ ہمارا اجر تو وہی دے گا جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

جذبۂ بے تاب

ہماری قوم کو جاننا چاہیے کہ وہ ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے، یہ روحیں تو اس آرزو میں جیتی ہیں کہ اس کی عزت وناموس پر فدا ہو جائیں، اپنی جانوں پر کھیل کر اس کے مجد و شرف، اس کی عزت و کرامت، اس کے دین و مذہب اور اس کے ارمانوں کی قیمت ادا کریں۔ ایسا کوئی مرحلہ آئے بھی تو! فداکاری کی یہ ساعت نصیب بھی تو ہو!

یہی جذبہ ہے جس نے ہمیں دیوانہ بنا دیا ہے، یہ جذبہ ہماری رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے، دل ودماغ پر چھا گیا ہے۔ جذبات واحساسات پر حاوی ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب آنکھیں اڈی پڑتی ہیں، اور بستر کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں۔

آخر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ یہ آنکھیں قوم کو ہلاکت کے نرغے میں دیکھیں اور پھر ہم ذلت کے آگے ہتھیار ڈال دیں، رسوائی پر راضی ہو جائیں اور یاس وناامیدی کے آگے سر جھکا دیں، تو ہم اپنے لیے جتنا کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اوروں کے لیے کرتے ہیں۔ میرے دوستو! یقین رکھو، ہم تمہارے ہی ہیں کسی اور کے نہیں اور ہم کبھی تمہارے بدخواہ نہیں ہو سکتے۔

خدا ہی کا احسان ہے

ہم کسی پر کوئی احسان نہیں دھرتے، نہ اپنی نیکی و پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہمارے سینوں میں جو احساسات ہیں، ان کا اندازہ اس آیت پاک سے ہو سکتا ہے:

بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ھَدٰکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ٥ (الحجرات:۱۷)

”بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی توفیق دی، اگر تم سچے ہو۔“

ہماری کتنی تمنا ہوتی ہے، اگر کہیں تمنائیں کارگر ہوتیں، کہ یہ دل سینوں سے باہر آجاتے اور ہمارے بھائی دیکھ لیتے کہ خیر خواہی، اخلاص و دردمندی اور جاں سوزی کے سوا کیا ان دلوں میں اور بھی کچھ ہے؟

اور کیا ایسا نہیں ہے کہ اپنی اس زبوں حالی پر ہمارے دل ایک داغِ غم کے سوا کچھ بھی نہیں؟ مگر ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ اللہ ان باتوں سے واقف ہے، مدد اسی کے ہاتھوں میں ہے اور توفیق دینے والا وہی ہے۔ دلوں کی زمام اور ذہنوں کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ

ہدایت دے، اسے کوئی خطرہ نہیں، اور جسے وہ گمراہ رکھے، اس کا کوئی رہ نما نہیں، وہ ہمارے لیے بس ہے، وہ بہترین سرپرست ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔

چار طرح کے لوگ

ہماری اس دعوت کے جواب میں چار رویوں میں سے کوئی ایک ہی رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے اور ہر رویے کے مناسب حال ہمارا بھی ایک مشورہ یا ہمارا بھی ایک موقف ہوگا۔

(۱) اہل ایمان

اگر کوئی شخص ہماری دعوت کو سمجھ چکا ہے، ہماری باتوں سے اتفاق رکھتا ہے، ہمارے اصولوں سے وہ متاثر ہے۔ اور ان ہی کو خیر و بہتری کی کلید سمجھتا ہے نیز دل کو یقین کی ٹھنڈک حاصل ہے، اور ذہن لذت اطمینان سے بہرہ مند ہے، تو ایسے شخص کو ہم دعوت دیں گے کہ وہ جلد سے جلد آکر ہم میں شامل ہو جائے۔ ہمارے ساتھ مل کر کام کرے کہ اس طرح مجاہدین کی تعداد میں اضافہ ہو، اور اہل دعوت کی آواز پر اثر ہو، ورنہ ایسے ایمان کے کیا معنی جو ولولۂ شوق اور جوش عمل سے بیتاب نہ کردے؟ ایسے عقیدے سے کیا حاصل، جو مستیٔ کردار اور جذبۂ ایثار سے سرشار نہ کردے؟ مومنین اولین جن کے سینے اللہ نے ہدایت کے لیے کھول دیے تھے، ان کا یہی حال تھا۔ انھوں نے انبیاء کی پیروی کی، ان کے پیغامات پر ایمان لائے اور راہ خدا میں جی جان سے قربان ہو گئے۔ بلاشبہ وہ خدا کے ہاں اجر عظیم سے ہم کنار ہوں گے۔ اور بعد میں جتنے لوگ بھی ان کی راہ اپنائیں گے، ان سب کے ثوابوں میں شریک ہوں گے تاہم خود ان کے ثوابوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(۲) تردد کے شکار

اور اگر کوئی تردد کا شکار ہے، حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور ہماری باتوں میں اسے اخلاص کو بو یا افادیت کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ تو اسے ہم وابستۂ تحریک ہونے کی دعوت نہیں دیں گے۔ البتہ یہ مشورہ دیں گے کہ وہ قریب سے ہمیں دیکھنے اور دور نزدیک سے ہمیں سمجھنے کی کوشش کرے۔ وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ کرے۔ ہماری مجلسوں میں شریک ہو اور ہمارے بھائیوں سے ربط رکھے۔ ان شاء اللہ وہ جلد ہی مطمئن ہو جائے گا۔ انبیائے کرام کے

پیروؤں میں جو لوگ تر دد کا شکار ہوتے ان کی یہی صورت ہوتی تھی۔

(۳) منفعت کے غلام

اور اگر کسی نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اس وقت تک ہمارا ساتھ نہ دے گا جب تک اسے کسی منفعت کی توقع یا مال غنیمت کی امید نہ ہو تو اس سے ہم کہیں گے:

ذرا دردمندی سے کام لو، ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ البتہ اگر اخلاص سے کام لو گے، اور نیک نیتی کو راہ دو گے، تو اللہ تمہیں بہت دے گا، وہ اپنی جنت سے نوازے گا، اور نعمتوں سے نہال کر دے گا۔ ورنہ ہم تو گم نام اور نادار لوگ ہیں، ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ جاہ ومنزلت ہے، نہ مال ودولت، بس جو کچھ مل جائے اسے ہم اس راہ میں لٹاتے اور رضائے الٰہی کی امید رکھتے ہیں، وہی ہمارا بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ہے۔ اب اگر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور طمع کا یہ روگ دور ہو گیا تو وہ محسوس کرے گا کہ اللہ کے یہاں جو کچھ ہے وہی بہتر اور لازوال ہے اور پھر راہ خدا میں خرچ کرنے اور ثواب الٰہی سے سرفراز ہونے کے لیے خدائی فوج میں آ ملے گا۔ بلاشبہ اس دنیا کی لذت چندروزہ ہے اور آخرت کی نعمت لازوال وبے پایاں ہے۔ لیکن اگر اس کی آنکھیں نہیں کھلیں اور حرص وآز کی آگ اسی طرح دہکتی رہی۔ تو خدا بھی اس سے بے نیاز ہے۔ ظاہر ہے اسے ایسوں کی کیا ضرورت ہے جو جان ومال، دنیا وآخرت اور موت وزندگی میں سب سے پہلا حق اس کا نہیں سمجھتے۔ غالباً اسی طرح کے لوگ تھے، جنھوں نے دست رسالت پر بھی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ وہ بس اسی شرط پر راضی تھے کہ آپ کے بعد اقتدار کے وارث ہوں۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: ”زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور کامیابی متقین ہی کے لیے ہے“

(۴) جنگ جو طبیعتیں

اور اگر کوئی ہم سے بدگمان ہے۔ وہ ہم سے متنفر اور بے زار ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں سیاہ عینک سے دیکھتا ہے اور جب بھی زبان کھولتا ہے تو فتنہ انگیزی کی باتیں کرتا ہے۔ وہ اپنے فریب خوردہ ہی رہنے پر نازاں ہے اور شکوک سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہے تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے دور

رہنے کا شعور عطا کرے۔ اور ہم دونوں کے دلوں میں پاکیزہ جذبات اور اچھے خیالات کا الہام کرے۔ نیز ہم اسے بھی پکاریں گے اگر وہ پکار کو سنے اور اسے بھی آواز دیں گے اگر وہ آواز پر کان دھرے، اور برابر خدا سے دعائیں بھی کریں گے کہ حقیقت میں امیدیں اور توقعات تو اسی سے ہیں۔ ویسے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط (القصص:۵۶)

''بلاشبہ تم ہدایت نہیں دے سکتے جسے تم چاہو بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔''

ہماری محبتیں برابر اس کے ساتھ ہوں گی اور ہم کبھی اس سے مایوس نہیں ہوں گے۔ اس کے سلسلے میں تو ہمارا وہی انداز ہوگا، جو اس سے پہلے محسن عالم کا رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے لیے دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ

''خدایا! میری قوم کو بخش دے، کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔''

آج لوگوں کی ان ہی چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن اپنی غایت کو پہچانے، اور اپنی سمت سفر طے کرے، پھر اسی سمت کی طرف بڑھنے اور منزل تک پہنچنے کے لیے کوشاں رہے۔ رہی یہ غفلت کی بدمستی، یہ خیالات کی آوارگی، یہ دلوں کی بے حسی، اور یہ آنکھیں موند کے ہر آواز پہ دوڑنا اور ہر پکارنے والے کے ساتھ ہو لینا تو یہ تو مومنین کا شیوہ نہیں!

فنائیت

ہماری قوم کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس دعوت کے لیے مفید وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کی راہ میں فنا ہو جائیں، جو اسی کو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز سمجھیں، دعوت جس چیز کا مطالبہ کرے اس کے لیے ہمہ آن تیار رہیں، تن من دھن سے اس کے لیے حاضر رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ
وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا

حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَo(التوبہ:۲۴)

''کہہ دو، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے گھرانے کے لوگ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور کاروبار، جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور گھر، جو تمہیں بہت پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یاد رہے! یہ دعوت قربانی و سرفروشی کی دعوت ہے، اسے تردد اور تذبذب سے بے انتہا نفرت ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اس کے لیے یکسو ہوتا ہے، تو وہ دعوت کا ہوگا اور دعوت اس کی ہوگی۔ لیکن اگر طبیعت اس کے لیے آمادہ نہیں، تو وہ مجاہدین کے ثواب سے محروم ہوگا، اس کا نام احدیوں کی پلٹن میں ہوگا۔ اور اسے نکموں کے ساتھ ہی بیٹھ رہنا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی دعوت کے لیے کوئی اور قوم برپا کرے گا، جو مومنین کے لیے ریشم اور کفار کے لیے فولاد ہوگی، وہ راہ خدا میں جہاد کرے گی اور ملامت گروں کی ملامت سے بے پرواہوگی، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔ (اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلاَ یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ،ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔)

وضاحت

ہم لوگوں کو ایک ''عقیدے'' کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک ایسے عقیدے کی جو بالکل واضح متعین اور سب کا دل پسند ہے۔ جو سب کا جانا پہچانا عقیدہ ہے۔ جو سب کی عقیدتوں کا مرکز اور محبتوں کا محور ہے۔ جس کی برتری و بہتری کے سب قائل ہیں، جس پر سب کا یقین ہے کہ نجات و کامرانی اور خوش وقتی کی کلید یہی ہے، جس کی موزونیت تجربے سے ثابت ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہر دور کے لیے سازگار ہے، خواہ کوئی بھی دور ہو۔ انسانیت کی اصلاح اس کے بغیر ناممکن ہے۔

دو ایمان

اس عقیدے پر ہمارا بھی ایمان ہے اور ہماری قوم کا بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قوم کا ایمان ایک خوابیدہ و بے حس ایمان ہے، جب کہ یہی ایمان اخوان کے دلوں میں ایک بیدار، توانا، پرسوز اور دہکتا ہوا ایمان ہے۔

ہم اہل مشرق کے اندر ایک عجیب نفسیاتی کمزوری ہے، جس کا احساس ہم سبھی کو ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ جب اس فکر کے سلسلے میں ہم لب کشا ہوتے ہیں، تو نہ پوچھو ہمارا زورِ کلام اور جوشِ بیان ایسا لگتا ہے گویا ہم جینے سے بےزار اور مر مٹنے کے لیے بےقرار ہیں، نہ خطرات کا کوئی ڈر ہے نہ آزمائشوں کی کوئی پروا ہے، مال کی ضرورت ہو تو مال لٹائیں، خون کی ضرورت ہو تو خون بہائیں اور راہ میں کوئی پہاڑ ہو تو وہ پہاڑ بھی پاش پاش کر ڈالیں، اور اب تو ہمیں نیند نہ آئے گی، نہ چین ملے گا، جب تک اسے غالب نہ کر لیں، یا خود اس کی راہ میں کام نہ آ جائیں۔

پھر جب گفتگو کا جوش ٹھنڈا ہوتا ہے تو ہر ایک کا ایمان طاقِ نسیاں کی زینت ہوتا ہے۔ کسی کو اپنے فکر کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا، نہ اس کے لیے کوئی امنگ ہوتی ہے، نہ کوئی جذبہ اور حوصلہ اٹھتا ہے، بلکہ کبھی تو اس غفلت ونسیان کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ آدمی یکسر متضاد روش اختیار کر بیٹھتا ہے، چاہے اسے احساس ہو یا نہ ہو! کیا تم سر نہ پیٹ لو گے اگر ایک سمجھ دار، ذی شعور اور تعلیم یافتہ شخص کو دیکھو، کہ وہ دہریوں کی مجلس میں تو دہریہ نظر آتا ہے اور عابدوں کے حلقے میں عابد!

اسی ڈھیلے پن یا اسی نسیان یا اسی غفلت یا اسی نیند نے یا اسے جو چاہو، نام دے لو، بہرکیف اسی کیفیت نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ اپنے اس فکر کو ہم زندہ کریں اور یہی وہ ہر دل عزیز فکر ہے جو ان محبوب روحوں میں رچ بس گیا ہے۔

دعوتیں اور تحریکیں

میں پھر اپنی پہلی بات کی طرف پلٹوں گا اور کہوں گا کہ اخوان کی دعوت ایک عقیدے اور فکر کی دعوت ہے۔ اس وقت مشرق ومغرب میں دعوتوں اور تحریکوں کا ایک ہجوم ہے۔ اصول و نظریات کا ایک انبار ہے۔ خیالات ورجحانات کا ایک طوفان ہے اور ہر ایک دلوں کو جیتنے اور ذہنوں پر کمندیں پھینکنے کے لیے بےتاب ہے۔ ہر ایک کے کچھ افراد ہیں جو اس کے مداح اور ثناخواں ہیں، اور ہر ایک کے پیرووں، عاشقوں اور فرزندوں کا ایک لشکر ہے جو اس کے پروپیگنڈے میں مصروف ہے۔ جو اس کی خصوصیات اور خوبیوں کے دعوے کرتا ہے اور اس دعوے میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ وہ نظریہ واقعی حسین وجمیل اور دل کش نظر آنے لگتا ہے۔

دعوتوں کے کارکن

آج دعوتوں کے کارکن بھی ویسے نہیں رہے۔ آج تو وہ بہت ہی کلچرڈ کیل کانٹوں سے لیس، نہایت ٹرینڈ اور فن کار ہوتے ہیں۔ خصوصاً مغرب میں تو ہر نظریے کا ایک ٹرینڈ دستہ ہوتا ہے جو اسے اچھالتا اور اس کی خوبیوں کے چرچے کرتا ہے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے نئے نئے وسائل اور پروپیگنڈے کے نئے نئے انداز سوچتا ہے اور ایسی آسان راہیں اور تیر بہدف تدبیریں تلاش کرتا ہے جن سے وہ دلوں میں نفوذ کر سکے، اور انھیں ہم نوا و ہم خیال بنا سکے۔

اسباب و وسائل

پروپیگنڈے کے اسباب و وسائل بھی آج وہ نہیں رہے، جو کل تھے، کل تک تو بس تقریریں تھیں، اجتماعات تھے یا خطوط و رسائل تھے، جب کہ آج نشریے ہیں، اخبارات و رسائل ہیں، سینما گھر اور تھیٹر ہیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہیں، گراموفون اور کارٹون ہیں۔ ان وسائل نے دلوں کو جیتنا بہت آسان کر دیا ہے۔

خواہ عورتیں ہوں یا مرد، اور خواہ گھروں میں ہوں یا دوکانوں پر، کھیتوں میں ہوں یا کارخانوں میں، ان سب کو اپنی باتیں سنانا اور اپنا گرویدہ و ہم نوا بنا لینا اب کچھ دشوار نہیں رہا۔

لہٰذا کارکنان دعوت کا فرض ہے کہ وہ یہ سارے ہی وسائل حاصل کریں اور ان سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں، تا کہ ان کی کوششیں زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز ہو سکیں۔

یہ میں کہاں سے کہاں جا رہا ہوں؟ میں پھر کہوں گا دنیا اس وقت دعوتوں اور تحریکوں کے کالرے میں مبتلا ہے، اور یہ دعوتیں سیاسی بھی ہیں، اور قومی بھی، وطنی بھی ہیں اور اقتصادی بھی، عسکری بھی ہیں اور امن پسند بھی۔ تم پوچھو گے اس پورے ملغوبے کے سلسلے میں اخوان کا کیا موقف ہے؟

اس کے لیے تمہیں دو باتیں سمجھنی ہوں گی: ایک تو ہماری دعوت کی خالص ایجابی شکل، دوسرے ان تحریکات کے سلسلے میں اخوان کا موقف۔

یہ بات میں بات نکلتی چلی آ رہی ہے، اس پر تم میری گرفت نہ کرنا۔ میں نے طے کیا ہے کہ میری تحریر و گفتگو میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ میں کسی تکلف یا آورد سے کام نہیں لوں گا۔ میں پوری سادگی سے باتیں کہوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے اصل رنگ میں دیکھیں۔ میری باتیں

دلوں میں اس طرح پہنچیں کہ وہ تزئین وآرائش اور ملمع کاری سے پاک ہوں۔

ہمارا اسلام

سنو میرے بھائی! ہماری دعوت کی اگر کوئی جامع تعبیر ہوسکتی ہے تو بس یہ کہ وہ ایک ''اسلامی دعوت'' ہے۔ البتہ یہ لفظ ہم اس تنگ مفہوم میں نہیں بولتے جس سے عام ذہن مانوس ہیں، کیوں کہ اسلام کا مفہوم تو بہت وسیع ہے۔

اسلام تو ایک ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو زندگی کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے، وہ تو زندگی کے ایک ایک معاملے میں رہ نمائی کرتا اور اس کے لیے انتہائی دقیق ومحکم نظام پیش کرتا ہے۔ وہ مسائل کے سامنے بے دست وپا نہیں ہوجاتا اور نہ ایسے اصول دینے سے عاجز رہتا ہے جو اصلاح کے لیے ناگزیر ہوں۔ کس قدر غلط فہمی میں ہیں وہ لوگ جن کا گمان ہے کہ اسلام تو بس چند عبادتوں یا روحانیت کی کچھ شکلوں کا نام ہے۔ اور اس طرح وہ فہم ناقص کے تنگ دائروں میں محصور ہیں۔
اسلام تو ایک ایسا وسیع اور ہمہ گیر نظام ہے جو دنیا وآخرت کے تمام مسائل سے بحث کرتا ہے۔
یہ محض کوئی دعویٰ نہیں یا وسعت وہمہ گیری کا یہ تصور خود ہماری اپنی اختراع نہیں، بلکہ کتاب اللہ اور اسوۂ سلف سے ہم نے یہی سمجھا ہے۔ اب اگر قاری کو محض لفظ ''اسلامی'' سے تسکین نہ ہو تو وہ پہلے اپنے نفس کو خواہشات واغراض سے پاک کرے، پھر مصحف کھول کر دیکھے، اس کو اس میں اخوان کی دعوت نظر آجائے گی۔

ہاں، ہماری دعوت ''اسلامی'' ہے اور ان سارے مفاہیم کے ساتھ اسلامی ہے، جن کی اس لفظ میں گنجائش ہے۔ اب تم اس کے اندر جتنی چاہو، معنیٰ آفرینی کرلو۔ البتہ اس معنیٰ آفرینی میں تم کتاب اللہ اور اسوۂ سلف کے پابند ہوگے، کیوں کہ کتاب اللہ ہی اسلام کی اساس ہے۔ سنت رسولؐ اس کی شارح وترجمان ہے اور سلف صالحین ہی اس کی فوج وسپاہ اور اس کی تعلیمات کے علم بردار تھے۔ یا یوں کہہ لو کہ وہی ان تعلیمات کا عملی نمونہ اور ان احکام کی سچی تصویر تھے۔

دیگر دعوتوں کے سلسلے میں ہمارا موقف

وہ مختلف دعوتیں جو اس دور میں طوفانی لہروں کی طرح ابھریں اور دلوں میں انتشار اور ذہنوں میں خلفشار برپا کرگئیں، ان سب کو ہم اپنی ترازو میں تولیں گے۔ جتنی باتیں ہمارے

مطابق ہوں گی انھیں خوش آمدید کہیں گے اور جو باتیں دعوت سے متصادم ہوں گی انھیں ٹھکرادیں گے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہماری دعوت نہایت جامع اور ہمہ گیر ہے۔ کسی بھی دعوت کا کوئی بہتر اور صالح عنصر ایسا نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔

وطنیت

لوگ کبھی تو وطنیت کی طرف لپکے، اور کبھی نعرۂ قومیت سے مسحور ہوئے۔ خصوصاً مشرق میں یہ کیفیت زیادہ رہی۔ کیوں کہ مشرقی قومیں مغرب سے دل آزردہ ہیں۔ ان کا احساس ہے کہ مغرب نے ان کی عزت وکرامت اور مجد وحریت کو بٹہ لگایا ہے۔ ان کو جانی ومالی نقصان پہنچایا ہے۔ مغرب کا جوجوا ان کی گردنوں پر ہے، اس سے وہ سخت مضطرب ہیں۔ اور اپنی ساری قوتوں اور توانائیوں اور جہاد کی طاقتوں کے ذریعے اسے اتار پھینکنے کے لیے بے قرار ہیں۔ چنانچہ لیڈروں کی زبانیں چل رہی ہیں، صحافت کے دریا موجزن ہیں۔ انشاء پردازوں کے قلم جوش میں ہیں، مقررین اپنی شعلہ نوائیوں میں مصروف ہیں، اور وطنیت وقومیت کے نعرے فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔

خوب! بہت خوب!! لیکن تکلیف دہ اور ناخوب یہ ہے کہ اگر تم ان مشرقی اقوام کو یہ سمجھانا چاہو کہ وطنیت وقومیت کا جو تصور تمہیں مغرب کی زبانوں اور یورپ کی کتابوں میں نظر آتا ہے، اس سے کہیں زیادہ مکمل اور جامع، صحیح اور پاکیزہ، بلند اور دلآویز تصور تمہیں اسلام میں ملے گا، تو وہ کبھی ماننے کو تیار نہ ہوں گی۔ اور تقلید مغرب کی ہی تاریکیوں میں بھٹکتی رہیں گی۔ وہ جواب دیں گی کہ اسلام کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ اور بعض تو یہاں تک کہہ گزریں گی کہ اس سے تو یہ امت ہی پارہ پارہ ہوجائے گی اور باہمی تعلقات کے رشتے کمزور پڑ جائیں گے۔

یہی غلط تصور مشرق کے لیے مہلک ہے۔ یہ اس لیے سم قاتل ہے، اسی لیے میں نے چاہا کہ اس موقع پر تحریک اخوان کے تصور وطنیت کی وضاحت کردوں اور بتادوں کہ وہ کون سا موقف ہے جو اخوان نے اپنایا ہے اور جس کے وہ داعی اور نقیب ہیں۔

حب وطن

اگر وطنیت کے ان علم برداروں کے نزدیک وطنیت کی روح یہ ہے کہ وطن سے محبت ہو، ہر ذرۂ وطن سے عشق ہو، طبیعت کو اس سے شیفتگی اور انسیت ہو، اسی کے درودیوار میں آنکھوں

کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہو تو انھیں سمجھنا چاہیے کہ حب وطن تو ہر انسان کی فطرت میں ہے، اور اسلام نے ان جذبات کو ختم نہیں کیا، بلکہ اور پروان چڑھایا ہے۔ یہ حضرت بلالؓ جو دین وعقیدہ کی راہ میں فنا تھے۔ یہی حضرت بلالؓ دار الہجرۃ (مدینہ) میں رہتے ہوئے مکہ کی محبت سے بے قرار ہو اٹھتے ہیں، اور بے اختیاری میں زباں پر یہ یہ اشعار رواں ہو جاتے ہیں جو کس قدر رقت انگیز اور حلاوت سے لبریز ہیں:

اَلَا لَیۡتَ شِعۡرِیۡ هَلۡ اَبِیۡتَنَّ لَیۡلَةً بِوَادٍ وَحَوۡلِیۡ اِذۡ خِرٌ وَجَلِیۡلُ

"کاش میں جان سکتا، کیا کوئی رات اس وادی میں بھی گزار سکوں گا جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل[1] ہوں۔"

وَهَلۡ اَرِدَنۡ یَوۡمًا مِیَاهَ مَجِنَّةٍ وَهَلۡ یَبۡدُوَنۡ لِیۡ شَامَةٌ وَطَفِیۡلُ

"اور کیا میں کسی دن مجنہ کے چشموں پر بھی پہنچ سکوں گا، اور کیا کبھی شامہ وطفیل[2] بھی مجھے نظر آئیں گے؟"

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اصیل" سے مکہ کی تعریف سنتے ہیں تو شوق ومحبت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور فرماتے ہیں:

"اصیل! ذرا دلوں کو قرار ملنے دو۔"

وطن کی آزادی وسر بلندی

اور اگر وطنیت کی روح یہ ہے کہ وطن کو غاصبوں سے چھڑانے، اسے آزادی دلانے اور نونہالان وطن کے دلوں میں آزادی وسر بلندی کے جذبات ابھارنے کی جدوجہد کی جائے تو اس تصور سے بھی ہمیں اتفاق ہے، بلکہ اسلام نے تو اس پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۝ (المنافقون:۸)

"حالاں کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے، مگر منافقین کو نہیں معلوم"

---

(۱) اذخر اور جلیل: مکے کی دو گھانسوں کے نام ہیں۔
(۲) شامہ اور طفیل: مکے کی دو پہاڑیوں کے نام ہیں۔ (مترجم)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ (النساء:۱۴۱)

''اور اللہ کبھی بھی کافروں کو مومنین پر غلبہ نہیں دے سکتا۔''

وطن کا اجتماعی استحکام

اور اگر وطنیت سے مراد یہ ہے کہ باشندگان ملک کے باہمی تعلقات استوار کیے جائیں، پھر یہ استواری اجتماعی خیر و بہبود کی راہ میں کام آئے۔ تو اس سے بھی ہمیں اتفاق ہے، بلکہ اسلام تو اسے واجبی فرض قرار دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ''اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔''

اور قرآن کریم کی یہ تاکید ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۱۸)

''اے ایمان والو! اغیار کو اپنا محرمِ راز نہ بناؤ۔ یہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمہارے لیے زحمتوں اور مصیبتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے اپنی تنبیہات واضح کر دی ہیں، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔''

دینی سیادت

اور اگر وطنیت سے مراد ملکوں کو فتح کرنا اور زمین پر دین کی سیادت و حکمرانی کا پرچم لہرانا ہے، تو اسلام نے تو اسے فرض قرار دیا ہے اور فاتحین کو نہایت عمدہ آبادکاری کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ (البقرہ:۱۹۳)

''اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (شرک) باقی نہ رہے اور اطاعت اللہ کی ہونے لگے۔''

خانہ جنگی اور طوائف الملوکی

لیکن اگر وطنیت کی روح یہ ہے کہ یہ امت مسلمہ مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہو جائے، پھر آپس میں جھگڑے ہوں، کینے اور عداوتیں ہوں، دشنام طرازیاں اور تہمت پردازیاں ہوں۔ چہ میگوئیاں اور سازشیں ہوں اور محض چند ایسے اصولوں کی بنیاد پر خانہ جنگیاں ہوں، جو سرتاسر خواہشات ونفسانیت، ذاتی اغراض ومقاصد اور شخصی مصالح کی دین ہوں، پھر اس صورت حال سے دشمن فائدہ اٹھائیں۔ وہ کینہ وعداوت کے ان شعلوں کو اور بھڑکائیں، وہ باطل کی خاطر تو سب کو ایک کرلیں مگر حق کی بنیاد پر کبھی یک جانہ ہونے دیں، وہ باہمی اتحاد وتعاون کا خواب بھی نہ دیکھنے دیں مگر اپنے میں ملانے اور سب کو اپنے گرد جمع کرلینے کی ایک سے ایک تدبیریں کریں۔ یہاں تک کہ اگر وہ جائیں تو ان ہی کے یہاں، اور جمع ہوں تو ان ہی کے مہمان خانوں میں۔ اگر وطنیت کا یہی تصور ہے تو یہ تصور نہایت کھوٹا اور ناکارہ ہے، جس سے نہ امت کا کچھ بھلا ہوگا، نہ وطنیت کے علم برداروں کا۔

دیکھا تم نے، وطنیت کے وہ تمام ہی صالح اور صحت مند تصورات جو ملک اور اہل ملک کی خیر وسعادت کے ضامن ہوں، ان کے سلسلے میں نہ صرف ہم وطنیت کے علم برداروں کے ساتھ ہیں، بلکہ جو ان میں انتہا پسند ہیں، ان سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ یاد رہے! وطنیت کے یہ نعرے اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں، بلکہ ان کا ہی ایک جزو ہیں۔

ہماری وطنیت کے حدود

البتہ ہمارے نزدیک حدود وطن کا فیصلہ عقیدے پر ہوگا، جب کہ ان کے نزدیک ملکی سرحدوں اور جغرافیائی تقسیموں پر ہوگا۔ گویا ہر وہ خطۂ زمین جہاں مسلم رہتا اور لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کی اذان دیتا ہو، وہ ہمارا وطن ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی حرمت کا پاس ولحاظ رکھیں، ہمیشہ اس کے ہم درد وبہی خواہ رہیں، اور اس کی ترقی وبہتری کی راہ میں کسی جدوجہد سے دریغ نہ کریں۔

اس طرح ان سارے ہی ملکوں کے مسلمان ہمارے بھائی ہوں گے۔ چنانچہ ہم ان کے لیے فکر مند ہوں گے، اور ان کے جذبات واحساسات میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر جو

محض وطنیت کے علم بردار ہیں، ان کا حال اس سے مختلف ہوگا۔ ان کی توجہات کا مرکز تو بس وہی چھوٹا سا محدود علاقہ ہوگا جس کے گردو پیش سے انھیں کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔

عملاً یہ فرق اس وقت نمایاں ہوگا جب کوئی مسلم قوم دوسری مسلم حکومتوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ مضبوط کرنا چاہے گی۔ کیوں کہ کسی بھی اسلامی ملک کے مقابلے میں، ہم اس طرح کی سرگرمیوں کو گوارا نہیں کریں گے۔ ہماری تو یہ کوشش ہوگی کہ ہم سبھی کے ہاتھ مضبوط ہوں مگر خالص وطنیت کے علم بردار اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھیں گے۔ بس یہیں سے تعلقات میں رخنے پڑیں گے، قوتیں کمزور ہوں گی اور دشمن بیچ میں آ گھسیں گے۔

ہماری وطنیت کی غایت

ہماری وطنیت کی غایت ایک تو یہی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ دوسرے جو خالص وطنیت کے علم بردار ہوں گے ان کی آخری آرزو یہ ہوگی کہ اپنے ملک کو آزاد کرالیں۔ پھر وہ اس کی مادی ترقی اور مادی استحکام کے لیے کوشاں ہوں گے۔ جیسا کہ آج یورپ کر رہا ہے۔ مگر ہمارا تو عقیدہ ہے کہ مسلم کی گردن پر ایک اور بڑی ذمہ داری ہے جو اسے ادا کرنی ہے اور جس کی اہمیت متقاضی ہے کہ اس کی راہ میں نہ جان کی پروا کی جائے نہ مال کی۔

وہ ذمہ داری کیا ہے؟ سینوں کو نور اسلام سے منور کرنا، زمین کے چپے چپے پر حق کا پرچم لہرانا۔ پھر طبیعت کا اس طرح بے لوث ہونا کہ اس کے پیچھے نہ کسی مال وجاہ کی تمنا ہو، نہ غلبہ واقتدار کی ہوس۔ اور نہ کسی قوم کو محکوم بنانے کی خواہش، بلکہ اس کا محرک ہو بس رب کی رضا جوئی۔ حق کی سربلندی، دین کی ضیا پاشی اور انسانیت کی بہی خواہی۔ یہی تو وہ چیز ہے جس کی بدولت سلف صالحین نے وہ مقدس فتوحات انجام دیں کہ دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور تاریخ انسانی نے اب تک عدل و انصاف، شرافت و پاکیزگی اور بلندیِ اخلاق کے جو نمونے دیکھے تھے، وہ سب ہیچ نظر آنے لگے۔

وحدت

اب میں اس لیڈر کی غلط فہمی سے تمہیں آگاہ کر دوں، جس کا دعوی ہے کہ یہ "امت جو مختلف دینی عناصر کا مجموعہ ہے، اس نظام کو اپنانے کے بعد پارہ پارہ ہو جائے گی، اس کی یک رنگی ختم ہو جائے گی، یک جہتی کے سارے تاروپود بکھر جائیں گے۔"

یہ بات کس قدر افسوس ناک اور مضحکہ خیز ہے۔آخر یہ کیوں کر ممکن ہے، جب کہ اسلام وحدت اور مساوات کا داعی ہے، جب تک لوگ خیر میں تعاون کریں، ان کے درمیان ان رشتوں کو باقی رکھنے کا ضامن ہے چنانچہ دیکھو، وہ فرماتا ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقٰتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝ (الممتحنہ:۸)

''اللہ تمہیں نہیں روکتا ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی، نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ نیکی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرو، بلاشبہ اللہ حقوق ادا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اب بتاؤ کہ تفریق کا سوال کہاں رہا؟

یہ ساری باتیں سامنے رکھو، پھر اندازہ کرو کہ آزادیِ ملک اور ترقیِ وطن کی جدوجہد میں ہم کس طرح تحریک وطنیت کے بڑے سے بڑے حامی کے بھی ساتھ ساتھ ہیں، اور جو بھی اس راہ میں مخلص ہو، ہماری ہمدردیاں اس کے شریک حال ہیں۔

بلکہ یہاں میں یہ بھی بتادوں کہ ان کی سرگرمیاں اگر اپنے ملک کی آزادی اور مجد وطن کی بازیابی تک ہی محدود رہتی ہیں، تو یہ تو اخوان کے نزدیک کچھ راستہ یا راستے کا ایک مرحلہ ہوا۔اس کے بعد یہ مرحلہ باقی رہتا ہے کہ وطن اسلامی کا جھنڈا عالم کے چپے چپے پر بلند کیا جائے اور قرآن کا پرچم ایک ایک خطے پر لہرائے۔

قومیت

اب میں یہ بتاؤں گا کہ قومیت کے سلسلے میں ہمارا کیا موقف ہے۔

حصول مجد کی کوشش

جو لوگ قومیت کے نعرے لگاتے ہیں، اگر ان کے پیش نظر یہ ہے کہ نئی نسلیں بھی اپنے اسلاف کی ہی روش اپنائیں، ان ہی کو اسوہ اور قابل تقلید نمونہ سمجھیں، ان ہی کی طرح مجد و شرف، عظمت و بلندی اور عالی ہمتی و بلند حوصلگی کی طرح ڈالیں، آبائی عظمت کو سینے سے لگائیں، اسے

اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھیں اوران کے وارث وفرزند ہونے کی حیثیت سے اپنے اندر ایک جرأت و امنگ محسوس کریں تو بلاشبہ یہ نہایت عمدہ اور بلند مقصد ہے جس کی ہم حوصلہ افزائی کرتے ہیں، بصد شوق اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے موجودہ نسلوں کے حوصلے بیدار کیسے ہوں گے اگر ہم اسلاف کے کارنامے زندہ نہ کریں، ان کے مجد وشرف کے تذکرے نہ کریں۔ حدیث ذیل میں بھی غالباً اسی طرف اشارہ ہے:

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا.

''انسانوں کی مثال کانوں کی سی ہے۔ جو لوگ دور جاہلیت میں اچھے تھے، وہی اسلام میں بھی اچھے رہیں گے اگر وہ دین کا فہم حاصل کرلیں۔''

دیکھ رہے ہو؟ اسلام بلند اور پاکیزہ مفہوم میں احساس قومیت کی نفی نہیں کرتا۔

قوم کی خدمت

اور اگر قومیت کی روح یہ ہے کہ اپنی قوم اور خاندان کو آگے رکھا جائے، ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی جائے، دکھ درد میں ان کے کام آیا جائے، ان کے آرام وراحت کا خیال رکھا جائے اوران کی فلاح وترقی کے لیے کوشاں رہا جائے تو یہ تصور بھی صحیح اور لائق تحسین ہے۔ ظاہر ہے جس قوم کے اندر آدمی پلا بڑھا ہو، جس کی آغوش محبت میں وہ جوان ہوا ہو، اس قوم سے زیادہ اس کی خدمات کا حق دار اور کون ہوگا؟

لَعَمْرِیْ لَرَهْطُ الْمَرْءِ خَيْرُ بَقِيَّةٍ عَلَيْهِ وَاِنْ عَالَوْابِهٖ كُلَّ مَرْكَبٍ

''میری زیست کی قسم، آدمی کا خاندان اس کا بہترین اثاثہ ہے، اگرچہ وہ اس کے لیے سرتاسر مصیبت ہو۔''

منصوبہ بندی

اور اگر قومیت کی روح یہ ہے کہ ہم سب مصیبت کے شکار اور طوفان حوادث میں گرفتار ہیں اور آزادی ورستگاری کے لیے ہم سب کو جدوجہد کرنی ہے، تو کیوں نہ ہر ایک اپنے اپنے

دائرے میں کوشاں رہے، یہاں تک کہ خدا نے چاہا تو ہم سب فتح ونصرت کے میدان میں آملیں گے اگر ایسا ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد! کیا خوب تقسیم ہوگی یہ!

ہے کوئی جوان مشرقی اقوام کو مختلف دستوں کی شکل میں منظّم کر دے؟ کہ سب اپنے اپنے میدان میں مصروف جہاد رہیں، یہاں تک کہ آزادی وحریت کی جاں نواز وسعتوں میں سب آ کر مل جائیں؟

قومیت کے یہ تمام مفاہیم اور یہ تمام تصورات، بہت ہی عمدہ اور دل کش ہیں۔ یہ تصورات اسلام کے منافی نہیں، بلکہ یہ عین اسلام ہیں۔ یہ تصورات تو ہمارے لیے بہت ہی جاں نواز اور مسرت بخش ہیں، اور ہم خود ان کی ترغیب دیتے ہیں۔

جاہلیت کی تجدید

لیکن اگر قومیت کی روح یہ ہے کہ قدیم جاہلی عادتیں پھر زندہ کی جائیں، جاہلیت کے محوشدہ آثار پھر اجاگر کیے جائیں، اس مفید ومحکم تہذیب کا گلا گھونٹ دیا جائے، قومیت اور نسلی امتیاز کے نعرے لگا کر اسلامی قیود توڑ دی جائیں، جیسا کہ بعض حکومتوں نے اس کے نمونے بھی پیش کیے، انھوں نے عربیت کے تمام نشان مٹا دیے۔ مظاہر اسلام کے شیشے چور چور کر ڈالے، نام، رسم الخط اور لغت کے الفاظ تک بدل ڈالے اور ان کی جگہ مٹی ہوئی جاہلی رسمیں زندہ کیں۔ اگر قومیت کا یہی تصور ہے تو یہ تصور تو انتہائی قابل نفریں اور نہایت تباہ کن ہے۔ یہ تصور تو مشرق کا سفینہ ڈبو کر دم لے گا، اس کی عظمتوں کا محل منہدم کر دے گا۔ اس کے خرمن کو خاکستر کر دے گا، اس کی قدر ومنزلت کو خاک میں ملا دے گا اور مشرق اپنا سب سے خصوصی امتیاز اور عز وشرف کا سب سے مقدس ترین مظہر کھو بیٹھے گا، ورنہ دین الٰہی کا تو کچھ بگڑے گا نہیں۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَايَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔ (محمد:۳۸)

''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم لائے گا جو تمہاری طرح نہیں ہوگی۔''

دوسروں پر دست درازی

اور اگر قومیت کی روح یہ ہے کہ نسل وجنس پر بے جا ناز ہو، اتنا ناز کہ دوسروں کی حق تلفی

ہونے لگے، ان پر دست درازی شروع ہو جائے، کسی کی ترقی دیکھی نہ جائے، سب کو نگل لینے کے لیے دل بے تاب ہو جائے، جیسا کہ آج اٹلی اور جرمنی کا یہی نعرہ ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر اس قوم کا یہی نعرہ ہے، جسے اپنی فوقیت کا دعویٰ ہے۔ اگر قومیت کا یہ تصور ہے، تو یہ تصور بھی انتہائی گھٹیا اور مذموم ہے، جسے انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ پوری نوع انسانی ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے، ایک وہم کے پیچھے وہ دیوانی ہو جائے۔ دوسروں کے خون کی پیاسی ہو جائے۔ جب کہ اس کی کوئی حقیقت ہے، نہ اس میں کوئی منفعت ہے۔

دو بنیادیں

اخوان قومیت کے ان تصورات سے واقف نہیں، نہ وہ فرعونی، عربی، فینشن، اور شامی جیسے خطابات سے واقف ہیں، وہ ان ناموں سے قطعاً نا آشنا ہیں جنہیں لوگ دوسروں کی تحقیر کے لیے استعمال کرتے ہیں، وہ تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو انسان کامل، بلکہ اکمل ترین معلم انسانیتؐ نے فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْاَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ النَّاسُ لِاٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

"اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت دور کر دی۔ آباء واجداد پر اب فخر کی گنجائش نہیں رہی۔ سارے انسان آدم سے ہیں، اور آدم مٹی سے۔ کسی عجمی پر کسی عربی کو فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔"

ان کلمات کے اندر کس قدر رعنائی، کتنا جمال اور کیسی انصاف پسندی ہے۔ سارے انسان آدم سے ہیں، اس لیے آدمیت کے پہلو سے برابر ہیں، فضیلت و برتری کا انحصار صرف اعمال پر ہے لہٰذا ہر ایک کا فرض ہے کہ خیر میں مسابقت اور نیکی میں پیش قدمی کرے۔

حقیقت میں یہی دو صحیح اور سیدھی بنیادیں ہیں جن پر انسانیت کی تعمیر کی جائے تو انسان آسمان کی بلندیوں کو چھو لے۔ سارے انسان آدم سے ہیں، لہٰذا سب بھائی بھائی ہیں۔ سب کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ باہم صلح ومحبت، رحم ومواسات اور نیکی میں تعاون کو اپنا

شعار بنائیں، نیز فضیلت و برتری کا معیار صرف اعمال ہیں اس لیے ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں سرگرم عمل رہے کہ اس طرح انسانیت ترقی کر سکے۔ ہے کوئی جو اس سے زیادہ بلند تصور دے سکے یا اصلاح و تربیت کے لیے اس سے بہتر پروگرام پیش کر سکے؟

عربی خصوصیات

اس کا یہ مطلب نہیں کہ امتوں کے باہمی فرق و امتیاز کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے یا ان کی قومی خصوصیات اور نسلی امتیازات کے ہم منکر ہیں۔ ظاہر ہے اخلاق و شرافت اور بلند نفسی میں تمام قومیں یکساں نہیں ہوتیں نہ اپنی صلاحیتوں اور لیاقتوں کے لحاظ سے وہ مساوی ہوتی ہیں، بلکہ اس پہلو سے ان میں خاصا فرق ہوتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ عرب قوم اس لحاظ سے بڑی خوش نصیب ہے، وہ اخلاق و شرافت سے پوری طرح بہرہ مند ہے۔

لیکن اس کا مطلب تو نہیں کہ قومیں ان خصوصیات کو باہم ظلم و زیادتی اور سرکشی کا بہانہ بنالیں۔ اس کے برعکس انہیں چاہیے کہ انسانی ترقی کے لیے جدوجہد کریں اور اسے بام عروج پر پہنچانے کے لیے کوشاں رہیں کہ وہ یہی کار عظیم ہے جس پر وہ مامور ہیں، اور جس کے سلسلے میں انھیں جواب دہ ہونا ہے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں تمھیں کوئی ایسی قوم نہیں ملے گی جس نے صحیح معنوں میں یہ حقیقت سمجھی ہو اور یہ ذمہ داری اس طرح محسوس کی ہو جس طرح اس عربی دستے نے محسوس کی تھی، جسے ہم صحابہ کرام کہتے ہیں۔

یہ ایک ضمنی بات تھی جو یہاں آ گئی۔ لہٰذا ہم اسے طول دینا نہیں چاہتے کہ اصل موضوع سے دور نکل جائیں۔ اور اب ہم پھر اپنی اصل گفتگو پر آتے ہیں۔

عقیدے کا رشتہ

اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمھیں اپنی نصرتوں کے سائے میں رکھے! تم نے جب یہ سمجھ لیا تو پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اپنے موقف کے لحاظ سے دو ہی طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں، یا تو وہ لوگ ہوں گے جو عقیدہ و نظریے کے لحاظ سے اخوان کے ہم نوا ہیں، اللہ کی جس کتاب و شریعت پر اخوان کا ایمان ہے، اس پر ان کا بھی ایمان ہے اور جس رسول اور رسول کی لائی ہوئی جن تعلیمات کو

اخوان تسلیم کرتے ہیں انھیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ پاک اور مقدس رشتے، رشتۂ عقیدہ کے ذریعے ہم سے جڑے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ عقیدے کا رشتہ ہمارے نزدیک نسل ووطن کے رشتوں سے کہیں زیادہ پاکیزہ رشتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے انتہائی قریب ترین بھائی ہیں، جن سے ہمیں بے پناہ محبت ہے۔ ہماری کوششیں ان کے لیے وقف ہیں۔ ان کی حرمتوں کا دفاع ہمارا فرض ہے اور جان ومال سے ہم ان پر فدا ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ کس سرزمین کے ہیں یا کس کنبہ وبرادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی کیفیت ان سے مختلف ہے۔ جو فکری حیثیت سے ہمارے مخالف ہیں۔ عقیدہ وتصور کے لحاظ سے ہم سے بہت دور ہیں۔ تو ان سے ہماری صلح رہے گی جب تک وہ صلح سے رہیں، اور جب تک وہ خود ہم پر دست درازی نہ کریں ہم ان کے بہی خواہ رہیں گے۔

البتہ ہم انھیں دعوت بھی دیں گے۔ کیوں کہ جس چیز کو ہم نے اپنایا ہے اس سے انھیں روشناس کرانا بھی ہمارا فرض ہے جب کہ فلاح انسانیت کی کلید بھی یہی ہے نیز دعوت کے فروغ کے لیے ہم وہ تمام وسیلے اختیار کریں گے، جن کی خود اس دین نے نشان دہی کی ہے۔

اب اگر کسی نے ہم پر دست درازی کی تو ہم بھی بہتر سے بہتر جوابی کارروائی کریں گے۔ کتاب الٰہی سے اس کی تائید چاہو تو یہ لو:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (الحجرات:۱۰)

''مسلمان تو بھائی بھائی ہیں، تو تم اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔''

۲۔ لَایَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ۔ (الممتحنہ:۸،۹)

''اللہ ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے تمھیں نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین میں کشمکش نہیں کی نہ تمھیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو ان لوگوں کو ولی بنانے سے روکتا ہے

جنھوں نے تم سے دین میں کشمکش کی۔تمھیں گھروں سے بے گھر کردیا۔اور تمہیں بے گھر کرنے میں دوسروں کا ساتھ دیا۔"

غالباً ہماری دعوت کا یہ گوشہ بالکل واضح ہوگیا، اور یہ سمجھنا اب کچھ دشوار نہیں رہا کہ تحریک اخوان کس انداز کی تحریک ہے، اور وہ کیا چاہتی ہے؟

فقہی اختلافات کا مسئلہ

اب ہم یہ بھی بتادیں کہ دینی وفقہی اختلافات کے سلسلے میں ہمارا موقف کیا ہے؟

اجتماعیت نہ کہ فرقہ واریت

اللہ تمھیں علم وفہم سے نوازے! سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اخوان کی دعوت ایک عالم گیر دعوت ہے، جو کسی خاص گروہ یا فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔نہ کسی ایسے فکر ونظریہ کی طرف اس کا میلان ہے جو کسی خاص رنگ یا کچھ خاص لوازم کے ساتھ معروف ہو، بلکہ اس کی توجہات اور سرگرمیاں تو ہمیشہ دین کی روح اور اس کے مغز کی طرف مرکوز رہتی ہیں۔ہماری یہ شدید آرزو ہے کہ ہم سب کا نقطۂ نظر ایک ہو، ہمتوں کا ہدف ایک ہو، تاکہ ہماری کوششیں رائگاں نہ ہوں، بلکہ زیادہ سے زیادہ سودمند اور نتیجہ خیز ہوں۔

اخوانی دعوت بالکل دھلی ہوئی صاف شفاف دعوت ہے جو ہر رنگ کے داغ دھبوں سے پاک ہے۔وہ ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتی ہے۔خواہ وہ کہیں بھی ہو۔وہ اجماع کو پسند کرتی ہے اور علیحدگی سے اسے نفرت ہے۔شاہراہ عام سے انحراف اس کے نزدیک کفر ہے۔واقعہ یہ ہے کہ گروہ بندی، تفرقہ پسندی اور باہمی اختلاف ونزاع سے بڑھ کر کوئی آزمائش مسلمانوں پر نہیں آئی۔یہی چیز ہے جو اس امت کو کھا گئی۔اگر مسلمان ذلیل و پامال ہوئے تو اسی کے ہاتھوں اور اگر کسی دور میں فتح ونصرت سے ہم کنار ہوئے تو محض الفت ومحبت اور باہمی اخوت کی برکت سے۔

یادرکھو! ہمارے اسلاف کی کامیابی اور صلاح وبہتری جس چیز سے وابستہ تھی، ہماری صلاح وبہتری بھی اسی پر موقوف ہوگی۔یہ ایک بنیادی بات ہے جو ہمارے ہر رفیق کے دل و دماغ میں جاگزیں ہے۔یہ منزل ہمیشہ ہمارے سامنے رہتی ہے۔اسی کی ہم دعوت دیتے ہیں۔اور ہماری تمام سرگرمیوں میں یہی روح کارفرما رہتی ہے۔

اختلاف تو ناگزیر ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ دین کی فروعی باتوں میں اختلاف ناگزیر ہے۔فروعی احکام اور اجتہادی مسائل میں یک رائے ہونا ممکن ہی نہیں، کیوں کہ ذہن مختلف ہوتے ہیں، عقلیں متفاوت ہوتی ہیں،قوت استنباط میں بڑا فرق ہوتا ہے۔دلائل کی گرفت،معانی کے فہم وادراک اور چیزوں کے باہمی ربط وتعلق کو سمجھنے میں خاصا اختلاف ہوتا ہے اور دین تو عبارت ہے آیات واحادیث اور کچھ نصوص سے،اور ہمارے ذہن زبان ولغت کی روشنی میں ان ہی کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں۔پھر اختلاف کے بغیر چارہ کہاں؟

علاوہ ازیں کسی کا علم وسیع ہوتا ہے، کسی کا محدود۔کسی تک ایک بات پہنچتی ہے، دوسرے تک نہیں پہنچتی۔چنانچہ امام مالکؒ نے خلیفہ ابوجعفر سے فرمایا تھا: صحابہ کرامؓ مختلف شہروں اور بستیوں میں پھیل گئے۔اس طرح ہر بستی میں کچھ علم ہے۔اگر تم نے سب کو ایک ہی مسلک پر مجبور کیا تو بڑا فتنہ ہوگا۔

پھر ہر جگہ کا ماحول مختلف ہوتا ہے،اور ماحول کے اختلاف سے مسائل واحکام میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے۔چنانچہ امام شافعیؒ کو دیکھو،عراق کے زمانۂ قیام میں ایک فتویٰ دیتے ہیں، پھر مصر پہنچتے ہیں تو بعینہٖ اسی مسئلے میں دوسرا فتویٰ دیتے ہیں۔ظاہر ہے انہوں نے دونوں جگہوں پر وہی بات کہی جو صحیح سمجھی،جس کی صداقت وحقانیت ان پر پوری طرح واضح ہوگئی۔انھوں نے کہیں بھی حق بات کی چھان بین میں کوتاہی نہیں کی۔

پھر روایتوں پر اطمینان وعدم اطمینان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ایک راوی کسی امام کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہوتا ہے۔تمہارا دل اس پر مطمئن ہوجاتا ہے،اور تم بخوشی اس سے روایت قبول کرلیتے ہو مگر وہی راوی کسی دوسرے امام کے نزدیک مجروح ہوتا ہے،اس لیے کہ اس کے بارے میں اس کی معلومات مختلف ہوتی ہیں۔

پھر دلائل کے اعتبار سے بھی اختلاف ہوتا ہے،کسی امام کے ہاں عمل صحابہؓ کو ترجیح ہوتی ہے، جب کہ دوسرے امام کے ہاں خبر آحاد (۱) کی موجودگی میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

---

(۱) خبر آحاد وہ حدیث ہوتی ہے جس کے راوی درجۂ تواتر کو نہ پہنچے ہوں،اور جس کے راوی درجۂ تواتر کو پہنچ جائیں وہ خبر متواتر کہلاتی ہے۔بالفاظ دیگر جس حدیث کی روایت ہر دور میں اتنے کثیر افراد نے کی ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہوجانا ممکن نہ ہو،اس حدیث کو خبر متواتر کہیں گے اور جس میں یہ بات نہ پائی جائے،وہ خبر آحاد کہلائے گی۔(مترجم)

فروعی مسائل میں اجماع ناممکن ہے

اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ دین کے فروعی مسائل میں اجماع ناممکن ہے، بلکہ یہ بات تو مزاج دین کے بھی منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم ودائم اور زندۂ جاوید رہے۔ وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے، بلکہ زمانے کے دوش بدوش چلتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دین میں بڑی نرمی ہے۔ یہ بڑا ہی لچک دار اور آسان ہے۔ اس میں جمود اور تشدد نام کی کوئی چیز نہیں۔

اختلاف کا انھیں حق ہے

اسی لیے جو لوگ فروعی مسائل میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، انھیں ہم اس میں حق بجانب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ اختلاف تعلق خاطر، باہمی الفت ومودت اور خیر میں تعاون سے ہمیں نہیں روکتا، بلکہ ہم سب اسلام کے بلند تر حدود وقوانین اور وسیع تر احکام وتصورات کے دامن میں ایک نظر آتے ہیں۔

تم خود سوچو، کیا ہم مسلم نہیں ہیں، اور کیا وہ مسلم نہیں ہیں؟ کیا ہم وہی کام نہیں کرتے، جس پر ہمارا دل مطمئن ہوتا ہے؟ پھر کیا ان کی بھی یہی خواہش نہ ہوگی؟ اور کیا اسلام کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہم بھائیوں کے لیے بھی وہی پسند کریں جو خود اپنے لیے پسند کریں؟ پھر ان سے ہمیں وحشت کیوں ہو؟ اگر ان کی رائے ہمارے نزدیک محل نظر ہوتی ہے تو ہماری رائے ان کے نزدیک محل نظر کیوں نہیں ہوسکتی؟ پھر جب باہم صلح ومفاہمت کے محرکات موجود ہیں، تو ہم الفت وصداقت کی پاکیزہ فضا میں افہام وتفہیم کی کوشش کیوں نہ کریں؟

دیکھو! صحابہ کرامؓ بھی تو آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے، ایک دوسرے سے مختلف فتوے دیا کرتے تھے۔ تو کیا اس سے دلوں میں کوئی نفرت وبیزاری پیدا ہوئی؟ کیا اس سے ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی یا ان کے تعلقات پر قینچی چل گئی؟

بخدا ایسا ہرگز نہ ہوا۔ بنی قریظہ میں نماز عصر کا قصہ تو سبھی کو معلوم ہے۔(۱)

تو جب ان پاک نفوس میں اختلاف ہوا، حالاں کہ وہ نبوت اور دور نبوت سے قریب تر

---

(۱) امام شہیدؒ نے یہاں جس واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس ہی تھے کہ ایک شخص نے ہم لوگوں کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے اٹھے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے گئی۔ دیکھا تو دحیہ کلبی تھے۔ واپس آکر آپؐ نے فرمایا، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تھے، اور احکام کے پس منظر سے بخوبی واقف تھے۔ پھر ہم کیوں ذرا ذرا سے اختلاف پر دست و گریباں ہوں، یا ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوں؟

جب ائمہ نے باہم اختلاف کیا، آپس میں مناظرے اور مباحثے کیے۔ حالاں کہ وعلم قرآن وفہم حدیث میں ہمارے پیشوا تھے، تو پھر ہمارے لیے اس کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟

اور جب واضح ترین فروعی مسائل میں اختلاف ہوا، جب اذان (۲) جیسی چیز میں بھی

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) یہ حضرت جبریلؑ تھے (جو دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آئے تھے) وہ کہہ رہے تھے کہ میں اسی وقت بنی قریظہ (یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جس نے غزوۂ خندق کے موقع پر خدا اور رسول اور مومنین کے ساتھ غداری کی تھی۔ بنی ﷺ سے معاہدہ ہونے کے باوجود اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا) کی مہم پر نکل پڑوں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آپؐ نے ہتھیار اتار دیے۔ ہم نے تو ابھی اتارے نہیں۔ ہم تو مشرکین کے تعاقب میں نکلے تھے، مقام حمراء الاسد تک ہم نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب کہ آپ غزوۂ خندق سے واپس ہوئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر آئے اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ میں تمھیں قسم دے کر کہتا ہوں عصر کی نماز تم سب لوگ بنی قریظہ میں ہی پہنچ کر ادا کرو۔ اس طرح صحابہ بنی قریظہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ مگر سورج وہاں پہنچنے سے پہلے ہی غروب ہونے لگا۔ اس وقت لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی یہ منشاء تو تھی نہیں کہ تم لوگ نماز چھوڑ دینا اور انھوں نے نماز پڑھ لی۔ مگر دوسرے لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں قسم دی ہے کہ نماز عصر بنی قریظہ میں ہی پہنچ کر پڑھنا۔ لہٰذا اگر نماز کا وقت نکل گیا تو ہم گناہ گار نہیں ہوں گے۔ اس طرح ایک گروہ نے نماز راستہ میں ہی پڑھ لی۔ اور دوسرے نے نہیں پڑھی مگر منشاء دونوں کی ایک ہی تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور رب کی رضا جوئی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو بعد میں معلوم ہوا تو آپ نے کسی پر عتاب نہیں فرمایا۔ (مترجم)

(۲) امام شہیدؒ نے یہاں اذان کے سلسلے میں جس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ الفاظ اذان کے سلسلے میں تو ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس باب میں اختلاف ہے کہ اذان میں ترجیع ہوگی یا نہیں؟ حنابلہ اور احناف کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہوگی۔ لیکن مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ہوگی۔ ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ اذان میں شہادتین کو پہلے دو دو بار آہستہ سے ادا کیا جائے۔ پھر بقیہ الفاظ اذان کی طرح دو دو بار بآواز بلند ان کا اعلان کیا جائے۔ یعنی اس کی صورت یہ ہوگی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَشْهَدُاَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ہلکی آواز سے جسے دوسرے لوگ بھی سن سکتے ہوں، پھر بآواز بلند) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَشْهَدُاَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پھر اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ہلکی آواز سے جسے دوسرے لوگ بھی سن سکتے ہوں، پھر بآواز بلند) اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اذان میں یہ ترجیع صرف مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہوگی۔ حنابلہ اور احناف اس کے قائل نہیں۔

اسی طرح اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ اذان میں کتنی تکبیریں ہوں گی۔ مالکی حضرات کے نزدیک صرف دو تکبیریں ہوں گی مگر بقیہ لوگوں کے ہاں چار تکبیریں ہوں گی۔ (مترجم)

اتفاق نہ ہوسکا، جو دن میں پانچ مرتبہ دی جاتی ہے، اور جس کے سلسلے میں واضح نصوص و آثار موجود ہیں، تو پھر ان دقیق مسائل میں تم کیا کہہ سکتے ہو جن کا تمام تر تعلق اجتہاد و استنباط سے ہے؟

پھر اسلاف میں اختلاف ہوتا تو وہ خلیفہ اور حکام وقضاۃ کی طرف رجوع کرتے۔ اس طرح ان کے درمیان فیصلہ ہوجاتا، اور اختلافات رفع ہوجاتے۔ رہا یہ دور تو اس دور میں خلیفہ کہاں؟ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کوئی قاضی تلاش کریں، پھر اپنا مسئلہ اس کے سامنے پیش کریں۔ کیوں کہ اگر آپس میں اختلاف ہو اور کوئی مرجع وثالث نہ ہو تو اختلافات کی خلیج کبھی نہیں پٹ سکے گی؟ بلکہ ہر اختلاف کے بطن سے مزید اختلافات جنم لیں گے۔

اخوان یہ ساری نزاکتیں سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ تمام مکاتب فکر کے لیے سب سے زیادہ فراخ دل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہر طبقے اور ہر حلقے میں کچھ نہ کچھ علم ہے اور ہر دعوت و مسلک میں کچھ غلط ہے، اور کچھ صحیح ہے۔ لہٰذا وہ حق کا سراغ لگاتے اور اسے گرہ دے لیتے ہیں، وہ پوری نرمی و دل سوزی سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے اور دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ مطمئن ہوگئے تو بہتر ہے، ورنہ وہ بھی ہمارے دینی بھائی ہیں اور ہر طرح ہماری دعاؤں اور ہمدردیوں کے مستحق ہیں۔

بدی سے جنگ کرو

اخوان کا خیال ہے کہ ہمارے معاشرے میں کچھ ایسی منظّم کوششیں بھی ہورہی ہیں جو اس دین کے لیے زبردست خطرہ ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر داعیان حق اور سربراہان ملت ان کے مقابلے کے لیے کمر بستہ ہوجاتے۔ وہ لوگوں کو ان خطرات سے پنجہ آزمائی کے لیے منظّم کرتے جو اس دین کی بنیادیں ہلا رہے ہیں جن کے بدی ہونے پر تمام لوگ متفق ہیں۔ اور جن کے سدباب کی جدوجہد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

دین کے فروعی مسائل میں یہ ہے اخوان کا طرز فکر، اس کو چاہو تو مختصراً یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ ''اخوان اختلاف رائے کی تو پوری گنجائش سمجھتے ہیں، البتہ ضد اور بے جا عصبیت کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ حق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور نرمی و دل سوزی سے دوسروں کو بھی قبول حق پر آمادہ کرتے ہیں۔''

علاج

تشخیص

عزیز من! ضعف وقوت اور صحت و بیماری کے سلسلے میں جو حال اشخاص کا ہوتا ہے وہی اقوام کا بھی ہوتا ہے۔ ایک شخص کو تم دیکھتے ہو وہ توانا، صحت منداور بھلا چنگا ہے کہ یکا یک امراض کی یورش ہوتی ہے، بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں اور جسم کی مضبوط ومحکم عمارت ہل کے رہ جاتی ہے۔ وہ برابر اضطراب کی کروٹیں بدلتا اور درد سے کراہتا ہے، یہاں تک کہ رحمت الٰہی شامل حال ہوتی ہے، اوراسے ایک ایسا ماہر طبیب میسر آجاتا ہے جو اصل مرض کو پہچانتا، اس کی عمدہ تشخیص کرتا، پھر اخلاص ودل سوزی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ کچھ دنوں بعد تم دیکھتے ہو اس کی قوت وصحت عود کر آئی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تندرستی پہلے سے بھی بہتر ہوگئی۔ بالکل یہی کیفیت قوموں کی ہے۔ وہ حوادث سے دوچار ہوتی ہیں۔ قومی عمارت شکستہ ہو جاتی ہے، قوت وشوکت کے تمام مظاہر ختم ہو جاتے ہیں، آفات وحوادث کے پیہم تھپیڑے انھیں نڈھال کر دیتے ہیں۔ وہ انتہائی نحیف وناتواں اور ضعیف ولاغر ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ لالچی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگتی ہیں اور غاصبوں کی دست درازیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اب وہ نہ کسی غاصب کا ہاتھ روک سکتی ہیں اور نہ کسی حریص کا دہان آز بند کر سکتی ہیں۔ اب ان کی قوت وصحت اور بقاء وترقی منحصر ہوتی ہے تین باتوں پر۔ مرض کی صحیح تشخیص ہو، صبر کے ساتھ علاج ہو۔ اور کوئی ماہر طبیب ہو، جو دردمندی کے ساتھ ان کا علاج اور ان کی سرپرستی کرے۔ اور یہ علاج وسرپرستی جاری رہے، تا آں کہ وہ خوش حال وفارغ البال اور صحت وقوت سے مالا مال ہو جائیں۔

تن ہمہ داغ داغ شد

تجربے نے ہمیں بتایا اور حوادث سے اندازہ ہوا کہ یہ مشرقی قومیں ایک دو مرض نہیں، نہ جانے کتنے امراض کا شکار ہیں۔ جس پہلو سے بھی دیکھو ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

یہ سیاسی حیثیت سے بھی روگی ہیں، باہر سے ان پر سامراج کا عفریت مسلط ہے۔ اور اندرونی طور پر وہ گروہی عصبیت، باہمی عداوت اور زبردست افتراق وانتشار کا شکار ہیں۔

یہ معاشی حیثیت سے بھی روگی ہیں، جس طبقے میں بھی دیکھو، سود کی گرم بازاری ہے اور اجنبی کمپنیاں تمام ذرائع آمدنی اور ساری دولت پر قابض ہیں۔

یہ فکری حیثیت سے بھی روگی ہیں۔ الحاد، بے دینی اور انارکزم کا ایک لشکر ہے جو ان کے عقائد کے قلعے منہدم اور اقدار کے شیشے پاش پاش کر رہا ہے۔

اجتماعی حیثیت سے بھی یہ روگی ہیں، یہ عادات واخلاق میں اباحیت اور انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ اور ان انسانی فضائل سے یکسر بے گانہ ہیں جو انھیں فیروز مند، سراپا نور اور مجسم خیر و برکت اسلاف سے وراثت میں ملے تھے۔ یہ تقلید مغرب کی رو میں بہہ رہی ہیں۔ مغربیت کی ناگن ان کے تمام معاملات کو زہر آلود کر رہی ہے، یہ زہر اب خون بن کر ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے، اور ان کی ساری خوشیاں مکدر ہو رہی ہیں۔ یہ ان ناقص بشری قوانین کے پیچھے دوڑ رہی ہیں جو کبھی کسی جرم کا انسداد نہیں کر سکتے، کسی سرکش کی تادیب نہیں کر سکتے اور نہ کسی ظالم کا ہاتھ روک سکتے۔ غرض جو کبھی ان آسمانی قوانین کی جگہ نہیں لے سکتے جو ہمارے خالق و مالک اور مہربان رب کے عطا کردہ ہیں۔

اسی طرح وہ تعلیم وتربیت کے باب میں بڑی آزاد خیال اور کج روی کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان نئی نسلوں کی صحیح تربیت نہیں ہو پا رہی ہے جو کل کے سیاہ وسپید کی مالک اور تعمیر قوم و تاسیس ملت کی ذمہ دار ہوں گی۔

ذہنی اور نفسیاتی حیثیت سے بھی یہ روگی ہیں۔ یہ انتہائی مہلک ناامیدی اور تباہ کن دوں ہمتی کا شکار ہیں۔ یہ شرم ناک بزدلی اور خطرناک پست فطرتی کا صید زبوں ہیں۔ یہ ایسی بے مروتی اور حرص وانانیت میں مبتلا ہیں کہ اللہ کی پناہ! نہ خرچ کرنے کا حوصلہ، نہ ایثار وقربانی سے کوئی واسطہ، نہ ذوق عمل نہ شوق جہاد، جہد ومشقت سے گریزاں، عیش وعشرت کی دل دادہ۔

جو امت اتنے سارے خطرناک عوارض سے دوچار ہو، جس امت سے اتنی ساری مہلک قوتیں برسر پیکار ہوں اور اسے بالکل مٹا دینے کے درپے ہوں، جو سامراج، گروہ بندی، سود، اجنبی، استحصال، الحاد، اباحیت، لاقانونیت، تعلیمی ابتری، حرص وناامیدی، بزدلی ونامردی کی آفتوں میں مبتلا ہو، اور بدقسمتی سے دشمن پر فریفتہ بھی ہو، فریفتگی بھی ایسی کہ دشمن کی ایک ایک ادا بالخصوص بری اداؤں کی عاشق ہو، بھلا ایسی کسی امت سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

یہ بیماریاں تو ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بیماری بڑی بڑی غالب اور مقتدر قوموں کو کھا جائے۔ پھر اس امت کا حال زار کیا کہیے جس کے ایک تن ناتواں کے ساتھ یہ ساری ہی بیماریاں چمٹی ہوئی ہوں؟

واقعہ یہ ہے کہ یہ مشرقی قومیں جو عرصۂ دراز سے دشمنوں کا نشانۂ ستم ہیں، جن کا جسم ایک طویل مدت سے ان جراثیم کی آماجگاہ ہے۔ یہاں تک کہ ان جراثیم نے اندر پہنچ کر خوب انڈے بچے بھی دیے۔ اگر یہ مشرقی قومیں نہایت دلیر، سخت جاں، باہمت اور ٹھوس نہ ہوتیں تو آج ان کا کہیں پتا نہ ہوتا۔ وہ صفحۂ ہستی سے کبھی کی مٹ چکی ہوتیں۔ مگر اللہ کو یہ منظور نہیں اور مومنین بھی اس کے لیے تیار نہیں۔

میرے بھائی! اس امت کے مرض کہن کی یہ ہے وہ تشخیص جو اخوان سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ رہیں وہ تدابیر جو اس کی صحت وشفایابی کے لیے وہ اختیار کرتے اور سرانجام دیتے ہیں۔ تو ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔

امید کی کرن، بیداری کی لہر

عزیز من! ان وسائل کا تذکرہ کرنے سے پہلے میں یہ بتادوں کہ ہم اپنی قوم وملت سے مایوس نہیں ہیں۔ ہمیں تو بڑی بھلائیوں اور کامرانیوں کی امید ہے۔ ہمارا تو گمان ہے کہ یہی مایوسی ہمارے لیے بلائے جاں ہے۔ یہی ناامیدی ہمارے لیے سم قاتل ہے۔ یہی دل شکستگی ہماری محرومیوں کی ماں ہے ورنہ خیر وسعادت کے کتنے ہی قافلے ہمارے ساتھ رہتے اور کامرانیاں ہمارے قدم چومتیں۔ اسی لیے ہم ذرا بھی مایوس نہیں۔ بحمد اللہ ناامیدی ہمارے کاشانۂ دل میں جھانکتی تک نہیں۔

ہمارا تو پورا ماحول ہمارے لیے ایک پیام امید ہے، اگرچہ بداندیش کتنے ہی شگون لیں۔ جب تم کسی مریض کے پاس جاتے ہو اور دیکھتے ہو کہ رفتہ رفتہ اس کی آواز بند ہو رہی ہے، نبض ڈوب رہی ہے، سانس اکھڑ رہی ہے اور جسم بے حس وحرکت ہو رہا ہے تو سمجھ جاتے ہو کہ بیماری قابو سے باہر ہے، اس کا وقت اب قریب ہے اور اب جاں بر ہونا مشکل ہے۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو، خاموش زبان کچھ ہل رہی ہو، ٹھنڈے جسم میں کچھ حرکت آرہی ہو، تو تمھیں کچھ تسکین ہوگی۔ اس کی صحت وزندگی کی آس بندھے گی۔

بالکل یہی مثال ان مشرقی اقوام کی ہے ان پر بھی ایک وقت آیا تھا، جب ان پر بری

طرح جمود طاری تھا۔ وہ حرکت ونمو کی ساری صلاحیتیں کھو بیٹھی تھیں، مگر اس وقت تو پوری امت میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے، ایک عام بیداری جوش مار رہی ہے، نہایت قوی اور جان دار شعور کے دیے جل رہے ہیں، نہایت تند وتیز اور زبردست احساسات کی انگیٹھیاں دہک رہی ہیں اور اگر وہ اس وقت بہت سی بیڑیوں سے بوجھل نہ ہوتی، پھر قیادت کی زبوں حالی نہ ہوتی، انھیں صحیح رہ نمائی میسر ہوتی تو یہ بیداری نہایت حسین اور خوش آیند نتائج کا پیش خیمہ ہوتی۔

بہرحال یہ بات طے ہے کہ یہ بیڑیاں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ یہ زمانہ ضرور کروٹ لے گا، کہ تلون تو زمانے کی فطرت ہے، اسے ایک حال پر قرار کہاں؟ یقین مانو، یہ سرگشتگی ختم ہوگی، یہ طوائف الملوکی دور ہوگی۔ پھر اس امت کو زمین میں غلبہ وتمکن حاصل ہوگا۔ پہلے بھی اختیارات کا مالک اللہ تھا۔ آج بھی اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

لہٰذا ہم کبھی ناامید نہیں ہو سکتے۔ قرآن پاک کی آیات، رہبر عالمؐ کے ارشادات، فلاکت زدہ امتوں کا عروج، زوال آمادہ قوموں کی ترقی اور تعمیر وترقی کے باب میں سنت الٰہی، یہ ساری چیزیں ہماری امید کے لیے کافی ہیں۔ یہ تمام باتیں دور تک امید کی کرن دکھاتی، امید کی شمعیں جلاتی، امید کے پرچم لہراتی اور امید ہی امید کے پیغام سناتی ہیں۔ نیز یہ بتاتی ہیں کہ صحیح ترقی کی راہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ تمام باتیں کھول کھول کر بتا دی گئی ہیں، کاش وہ سمجھنے کی کوشش کرتے۔

تم سورۂ قصص کے آغاز ہی میں یہ آیتیں پڑھتے ہو، دیکھو، یہ آیتیں کس قدر جاں فزا اور ولولہ انگیز ہیں:

طٰسٓمّٓ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِo نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَo اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَ ھُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَ ھُمْ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَo وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوٰرِثِیْنَo وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَo (القصص:۱۔۶)

"طٰسٓمّٓ ۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم تمھیں موسیٰ وفرعون کی سرگزشت سناتے ہیں، بالکل ٹھیک ٹھیک، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔ بے شک فرعون نے سرزمین (مصر) میں سر اٹھار کھا تھا۔ اور وہاں والوں کو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا۔ وہ ان میں سے ایک طبقے کی کمر توڑ رہا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بلاشبہ وہ مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جن لوگوں کی اس سرزمین میں کمر توڑی جارہی تھی ان پر احسان کریں، اور بنادیں انھیں سردار و پیشوا، اور بنادیں انہیں ملک کا وارث، اور زمین میں انھیں غلبہ وتمکن عطا کریں، اور دکھادیں فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو، ان کی طرف سے وہ چیز جس کا وہ اندیشہ محسوس کرتے تھے۔"

ان آیات کے آئینے میں تم دیکھتے ہو کہ باطل قوت پا کر کس طرح سرکشی کرتا ہے، اپنی طاقت پر اسے کیسا ناز ہوتا ہے، اپنی آن بان اور شان وشوکت پر وہ کس درجہ مطمئن ہوتا ہے، اور اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ چشم حق برابر اس کی گھات میں ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ خدا کی نعمتوں پر حد سے زیادہ اترانے لگتا ہے تو غیرت حق جوش میں آتی ہے، اور جلال وجبروت کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، قوت واقتدار کے تازیانے حرکت میں آجاتے ہیں اور شہنشاہ کائنات اس کو گرفت میں لے لیتا ہے، اس وقت ارادۂ الٰہی ظالموں سے انتقام لیتا اور مغلوب ومقہور بندوں کی دست گیری فرماتا ہے اور اب دیکھتے دیکھتے باطل کی بنیادیں ہل اٹھتی ہیں۔ اس کی عظمت وسطوت کے عالی شان محل زمین پر آرہتے ہیں اور حق کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور اہل حق سر بلند وسرفراز ہوتے ہیں۔

کتاب حکیم ومحکم کی ان آیات کے ہوتے ہوئے کسی اسلامی گروہ یا مسلم امت کے لیے یاس وناامیدی کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ تو آخر مسلمان کتاب الٰہی کو کب سمجھیں گے اور کب اس سے عبرت پزیر ہوں گے؟

میرے بھائی! اسی طرح کی آیات کی بنا پر (اور قرآن ان سے بھرا پڑا ہے) اخوان مایوس نہیں ہیں۔ وہ تو نہایت پر امید اور صہبائے یقین سے سرشار ہیں، وہ نصرت الٰہی کے انتظار میں ہیں۔ سامنے مشکلات کا ہجوم اور مصائب کا اژدہام ہے لیکن امید کی اسی کرن پر نظریں جمائے ہوئے وہ ایک باحوصلہ سپاہی کی طرح سرگرم عمل ہیں اور مدد تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

رہے وہ وسائل جن پر گفتگو کا ہم نے وعدہ کیا تھا تو وہ تین چیزیں ہیں اور یہی فکر اخوان کی بنیاد ہیں:

پہلی چیز، صحیح دستور العمل ہے اور یہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور احکام اسلام کی شکل میں موجود ہے، بشرطیکہ مسلمان انھیں صحیح انداز سے سمجھیں، ان میں اپنے ذاتی خیالات ورجحانات کی آمیزش نہ کریں، ان کے چشمہ صافی کو گدلا اور رخ زیبا کو میلا نہ کریں۔ چنانچہ اخوان دین اسلام کا اسی انداز سے مطالعہ کررہے ہیں۔ نہایت گہرا، وسیع اور جامع مطالعہ۔

دوسری چیز، مومن کارکن ہیں۔ اسی لیے اخوان نے اس دین سے جو کچھ سمجھا ہے، اسے بے لاگ طریقے سے اپنا رہے ہیں اور پوری شدت سے اس پر کاربند ہیں۔ اللہ کا شکر ہے انھیں اپنے فکر پر کامل ایمان ہے جو مقصد انھوں نے اپنایا ہے اس پر انھیں شرح صدر ہے اور انھیں یقین ہے کہ جب تک وہ اللہ کے ہوکر رہیں گے اور ہادیِ اعظمؐ کے نقش قدم پر چلیں گے۔ نصرت الٰہی کے فرشتے ان پر سایہ فگن رہیں گے۔

تیسری چیز، ہوش مند، باتدبیر، بیدار مغز اور قابل اعتماد قیادت ہے، بحمد اللہ اخوان کو یہ قیادت بھی میسر ہے، چنانچہ وہ اس کی کامل اطاعت کرتے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔

میرے بھائی! یہ ہے ہماری دعوت کا اجمالی تعارف، اور یہ ہیں وہ باتیں جو ہمیں تمھارے سامنے رکھنی تھیں۔ یہ وہ خواب ہیں جنھیں شرمندۂ تعبیر ہونا ہے اور ان خوابوں کے یوسف تم ہو۔ تو جس راہ پر ہم گامزن ہیں، اگر وہ راہ تمھیں پسند ہو تو اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دو، اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرو، اللہ ہمیں اپنی توفیق سے بہرہ مند فرمائے، وہ ہمارے لیے بس ہے۔ وہ بہترین کارساز، بہترین دوست اور بہترین مددگار ہے۔ وَاللہ اکبر وَللہِ الحمد۔

ہماری دعوت

تمہید

بسا اوقات تم گفتگوئیں کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ موضوع کی وضاحت ہوگئی۔ بات کھل کر سامنے آ گئی۔ افہام و تفہیم اور اظہار مافی الضمیر کا حق ادا ہو گیا، تم جن سے مخاطب تھے انھیں تم نے بالکل واضح اور روشن شاہراہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ جو حقائق ان کے سامنے رکھنے تھے، وہ سپیدۂ صبح یا آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہو گئے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد کتنا اچنبھا ہوتا ہے جب تم دیکھتے ہو کہ لوگ تو کچھ بھی نہ سمجھے، بات جوں کی توں اور جہاں کی تہاں رہ گئی۔

ایسا میں نے بہت دیکھا ہے، متعدد مواقع پر یہ تجربہ ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، یا تو مخاطب اور متکلم کے پیمانے مختلف ہوتے ہیں، ایک متکلم یا خطیب کا جو پیمانہ ہوتا ہے، مخاطب کا وہ پیمانہ نہیں ہوتا۔ ایک خطیب کسی بات کو جس آئینے میں دیکھتا ہے مخاطب اس آئینے میں نہیں دیکھتا۔ یہیں سے بات کے سمجھنے میں فرق ہو جاتا ہے، یا پھر وہ بات ہی بہت مبہم ہوتی ہے، اور خطیب سمجھتا ہے کہ یہ تو بالکل واضح ہے۔

ہمارا پیمانہ

میں چاہتا ہوں آج پوری وضاحت کے ساتھ بتا دوں کہ اخوان کی دعوت کیا ہے؟ اس دعوت کی غایت کیا اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کے طریقے اور وسائل کیا ہیں؟ میں چاہتا ہوں آج یہ باتیں بالکل سورج کی طرح عیاں ہو جائیں۔

البتہ پہلے میں یہ بتا دوں کہ ہمارا پیمانہ کیا ہوگا، وہ کون سی کسوٹی ہوگی جس پر ہم ان باتوں جانچیں اور پرکھیں گے۔ پھر ہمارا انداز گفتگو بھی حتی الامکان نہایت سہل اور قابل فہم ہوگا، تا کہ اس کو سمجھنا کسی بھی طالبِ حقیقت کے لیے دشوار نہ ہو۔

میرے نزدیک وہ پیمانہ اور وہ کسوٹی ''اللہ کی کتاب'' ہو گی جس کے فیض سے ہم سیراب ہوتے، جس کے موتیوں سے ہم مالا مال ہوتے اور جس کے فیصلے کے آگے گردنیں خم کرتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے یہ پیمانہ سب کے نزدیک مسلم ہوگا۔ کتاب الٰہی کے کسوٹی ہونے میں کسی کو بھی تردد نہ ہوگا۔

اے ہماری قوم!

قرآن کریم نہایت جامع کتاب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بتا دیا ہے کہ ہمارے عقائد کیا ہوں گے؟ اجتماعی مصالح کی بنیادیں کیا ہوں گی؟ ہمارے ہاں کیا قوانین اور کیا ضابطے ہوں گے؟ اس میں کچھ چیزوں کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ کچھ باتوں سے روکا بھی گیا ہے۔ تو کیا مسلمانوں نے قرآن پاک پر عمل کیا؟ اس میں جو عقائد بیان ہوئے ہیں، ان پر انھوں نے دھیان دیا؟ اس میں جو غایتیں متعین کی گئی ہیں، ان کو انھوں نے سمجھا؟ اور اس زندگی سے متعلق جو اجتماعی و معاشرتی قوانین دیے گئے ہیں ان کو انہوں نے برتا؟

اگر بحث و گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچیں کہ ہم نے یہ سارے کام کر لیے ہیں تو ہم لائق صد مبارک باد ہیں کہ ہم اپنی غایت کو پہنچ گئے۔ لیکن اگر ہم قرآنی شاہراہ سے دور اور قرآنی احکام سے غافل ہیں، تو پھر ہمارا فرض ہوگا کہ ہم خود بھی اس راستے کی طرف پلٹیں اور اپنے پیروؤں یا زیرِ اثر لوگوں کو بھی اسی طرف لائیں۔

قرآن میں زندگی کی غایت

قرآن پاک نے متعین طور سے بتا دیا ہے کہ زندگی میں لوگوں کے کیا کیا ارمان اور کیا کیا مقاصد ہوا کرتے ہیں۔ تو کچھ لوگ ہیں جن کا مقصد زندگی محض ناؤ نوش اور عیش و عشرت ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۝ (محمد:۱۲)

''اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں، اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ ان کا ٹھکانا ہے؟''

کچھ دوسرے لوگ ہیں جو زیب و زینت، مال و دولت اور زمین پر جان دیتے ہیں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○ (آل عمران: ۱۴)

''لوگوں کی نگاہوں میں مرغوبات دنیا عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں کھبادی گئی ہیں، یہ اس زندگی کے سروسامان ہیں، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔''

کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا شیوہ فتنہ پروری، شر پسندی اور فساد انگیزی ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ○ (البقرہ: ۲۰۴، ۲۰۵)

''اور لوگوں میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کی باتیں تو اس دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں، اور وہ اپنے دل کی نیت پر خدا کو گواہ بھی بناتے ہیں، مگر ہیں وہ کٹر دشمن۔ اور جب وہ تمہارے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان کی ساری بھاگ دوڑ اس لیے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد مچائیں اور کھیتی اور نسل تباہ کریں۔ اور اللہ بگاڑ کو ناپسند کرتا ہے۔''

زندگی کے عموماً یہی مقاصد ہوا کرتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ مومنین کو منزّہ قرار دیتا ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ بلند ڈیوٹی پر انھیں لگاتا ہے، ایک ایسی ذمہ داری ان کے سپرد کرتا ہے جو ان تمام چیزوں سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے، وہ ذمہ داری ہے ''لوگوں کی رہ نمائی، تمام انسانیت کی خیر خواہی، اور سارے عالم میں اسلام کی ضیاپاشی۔'' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؈ (الحج:۷۷،۷۸)

”اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو، اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں جی جان سے جدوجہد کرو، اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کا دین اختیار کرو۔ ان ہی نے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس میں بھی (تمہارا نام مسلم ہی رکھا گیا ہے) تا کہ رسول تم پر (حق کی) شہادت دے، اور تم لوگوں پر (حق کے) شاہد بنو۔ تو تم اچھی طرح نمازیں پڑھو، اور زکوٰۃ دو، اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو، وہی تمہارا دوست ہے۔ کیا ہی عمدہ دوست، اور کیا ہی عمدہ مددگار ہے۔“

گویا قرآن کی رو سے مسلمان ساری انسانیت کے سرپرست ہیں، وہ سارے عالم کے سربراہ ونگہبان ہیں اور قرآن انھیں حق دیتا ہے کہ دنیا میں وہ اپنا اقتدار قائم کریں تا کہ وہ اس پاکیزہ و بلند غایت تک پہنچ سکیں۔ اس طرح سرداری ہمارا حق ہے، نہ کہ مغرب کا۔ فرماں روائی اسلام کے لیے ہے، نہ کہ مغربی نظام کے لیے۔

مسلم کی سرپرستی قربانی، نہ کہ نفع اندوزی

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ مومن اپنا سارا اثاثہ اس مقصد کی نذر کر چکا ہے، وہ اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہے، اب جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ اس کا نہیں، اللہ کا ہے۔ اب نہ جان اس کی ہے نہ مال اس کا ہے۔ اب اس کے پاس جو کچھ ہے صرف اس لیے ہے کہ یہ دعوت زیادہ سے زیادہ پھیلے، اور دلوں اور روحوں پر حکمرانی کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ؈ (التوبہ:۱۱۱)

”اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں، اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

گویا مومن اپنی دنیا اپنی دعوت کے لیے تج دیتا ہے، تاکہ وہ اس قربانی کے صلے میں آخرت میں سرخرو ہو سکے۔ اس طرح ایک فاتح مسلم دراصل ایک ایسا استاذ ہوتا ہے جو تمام استاذانہ صفات سے آراستہ ہوتا ہے۔ وہ نور وہدایت کا پیکر اور رأفت ورحمت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کی فتح درحقیقت، تہذیب وتمدن کی فتح اور اس کا فروغ دراصل ارشاد وتعلیم کا فروغ ہوتا ہے۔ ایک طرف دین اسلام کی یہ جاں نوازیاں ہیں، دوسری طرف مغربی سامراج کی وہ بہیمانہ سرگرمیاں۔ ہے ان دونوں میں کوئی نسبت؟

صلاح کار کجا ومن خراب کجا

عزیز من! تمھیں تمھارے رب کی قسم، کیا مسلمانوں نے کتاب الٰہی سے یہ حقیقت سمجھی؟ کیا ان کے فکر وخیال میں عظمت اور قلب وروح میں بلندی آئی؟ کیا وہ مادہ پرستی سے آزاد اور اتباع شہوات سے پاک ہوئے؟ کیا وہ خسّت ودناءت اور رذالت پسندی سے رست گار ہوئے؟ کیا انھوں نے خالق کائنات کو کعبۂ مقصود اور قبلۂ توجہ بنایا؟ کیا ان کے اندر اعلائے کلمۂ حق اور راہ خدا میں سرفروشی وجاں بازی کی امنگ پیدا ہوئی؟ کیا وہ دین کی اشاعت اور شریعت کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہوئے؟ یا ابھی خواہشات کے اسیر اور حرص وطمع کے غلام ہیں اور نرم وتر نوالے، زرق برق جوڑے، ٹھاٹھ دار سواریاں، میٹھی اور لذیذ راتیں، مہ لقا وپری پیکر عورتیں، جھوٹی نمائش اور کھوکھلے القاب ہی ان کا حاصل تمنا ہیں؟

رَضُوْا بِالْاَ مَانِیْ وَابْتُلُوْا بِحُظُوْظِھِمْ وَخَاضُوْا بِحَارَالْجِدِّ دَعْوَیٰ فَمَا ابْتُلُوْا

''وہ آرزوؤں میں مگن ہیں اور نصیبے ان کے لیے آزمائش بن گئے۔ وہ محنت کے سمندر میں کھوکھلے دعووں کے ساتھ داخل ہوئے تو کیسی آزمائشوں میں پڑے ہیں وہ!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ، تَعِسَ عَبْدُ الْقَطِیْفَةِ۔

''ہلاک ہو بندۂ دینار، ہلاک ہو بندۂ درہم، ہلاک ہو بندۂ ریشم۔''

غایت ہی اصل اور اعمال اس کی فرع ہیں

چوں کہ غایت ہی ہماری محرک ہے، وہی ہماری ہادی ورہ نما ہے اور اس کے سلسلے میں

ذہن منتشر تھے۔اس پر تاریکی کے تہ بہ تہ پردے پڑے تھے۔لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی وضاحت اور تعیین کی جائے۔ہم سمجھتے ہیں اب اس کی خاصی وضاحت ہوچکی،اوراب اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ ہمارا اصل مقام دنیا کی پیشوائی اور انسانیت کی رہ نمائی ہے اور اسلام کے ان صالح نظاموں اوراعلیٰ تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرانا ہے جن کے بغیر سعادت کی راہ کھلنی ناممکن ہے۔

ہماری غایت کے سرچشمے

یہ وہ پیغام ہے جو ہمیں عام کرنا ہے۔ہم چاہتے ہیں امت مسلمہ اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ پھر عزم وہمت کے ساتھ اس کے لیے کمر کس لے۔یہ پیغام اخوان کا طبع زاد یا خانہ ساز نہیں ہے، یہ ان کے ذہن کی اپج یا ان کے دماغ کی اختراع نہیں ہے۔یہ تو وہ پیغام ہے جس کی جھلک قرآن کریم کی ایک ایک آیت میں موجود ہے۔رسول عظیمؐ کی ایک ایک حدیث اس کا اعلان کررہی ہے۔ قرنِ اول کی پاک روحیں جو دین داری اور اسلامی فہم میں مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ان کی ایک ایک ادا سے اسی کی بو آتی ہے۔اگر مسلمان یہ پیغام سننے کے لیے آمادہ ہوں تو یہ ان کے ایمان اور صحت اسلام کی دلیل ہوگی۔لیکن اگر وہ اس میں کوئی حرج محسوس کرتے یا اسے حقیر وکم تر اور ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں تو یہ اللہ کی کتاب ہے،وہ انصاف کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کردے گی،کہ حق کی تائید ہمیں حاصل ہے یا انھیں:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔

”اے ہمارے رب! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کردے،تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

ایک ضمنی بات

ہمارے بہت سے بھائی ہم پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔حالاں کہ ہم جان ودل سے انھیں عزیز رکھتے ہیں،ان کی بھلائی اور فلاح وکامرانی کے لیے ہم نے جان ومال اور صحت وقوت سب کچھ تج دیا ہے۔ہم نے اس راہ میں۔فلاح امت اور بہبود ملت کی راہ میں خود کو فنا کردیا ہے۔اب نہ ہمیں اپنی جانوں کا ہوش ہے،نہ اپنے مالوں کی فکر ہے۔ہم محض ان کی خاطر اپنے بیوی بچوں تک کو بھول بیٹھے ہیں۔کاش یہ نکتہ چیں حضرات ہمارے ان جوانوں کو پہچان لیتے،جن کی آنکھیں نیند سے

نا آشنا ہوتی ہیں، جب کہ لوگ میٹھی نیند میں غرق ہوتے ہیں، وہ سراپا جہد و عمل ہوتے ہیں، جب کہ بے فکرے سرمست خواب ہوتے ہیں، وہ عصر سے لے کر آدھی آدھی رات تک اپنی تحریک کے دفتر میں عرق ریزی و جاں فشانی کرتے ہیں۔ مہینے بھر ان کی یہی کیفیت رہتی ہے اور جب مہینہ پورا ہوتا ہے تو وہ اپنی گاڑھی کمائی لا کر تحریک کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ اپنے مال سے اپنے مقصد کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ جماعت کے خرچ کو اپنا خرچ سمجھتے ہیں اور اس وقت وہ بزبان حال ان فرزندان قوم سے کہہ رہے ہوتے ہیں، جو ان کی قربانیوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں:

لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالاً۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ٥ (ھود:۲۹)

''میں اس پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔''

معاذ اللہ ہمیں اپنی امت پر احسان جتانا نہیں ہے، احسان جتانے کا کیا سوال؟ کہ ہم تو اسی کے ہیں، اور اسی کے لیے ہیں۔ ان قربانیوں کا ذکر تو ہم نے صرف اس لیے کیا ہے کہ امت ہماری دعوت کو سنے اور سمجھے اور ہماری پکار پر کان دھرے۔

مال کہاں سے آتا ہے؟

ہمارے وہ محبوب بھائی جو اخوان کو دور ہی دور سے دیکھتے اور ٹیلوں سے ان پر نگاہ ڈالتے ہیں، وہ حیران ہیں کہ یہ لوگ خرچ کہاں سے کرتے ہیں؟ اتنا مال کہاں سے آتا ہے جو اتنی زبردست تحریک کے لیے کافی ہو سکے، جو روز بروز بڑھتی اور پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ جب کہ زمانہ بھی سخت ہے اور دلوں میں وہ وسعت بھی نہیں رہی؟ تو انھیں جاننا چاہیے کہ دینی تحریکات کو مال سے پہلے ایمان چاہیے، بے ثبات پونجیوں سے پہلے راسخ عقیدہ چاہیے اور جب صحیح مومن مل جاتا ہے تو کامیابی کے سارے وسائل فراہم ہو جاتے ہیں۔

اخوان کے تھوڑے سے مال میں جو وہ اپنے اخراجات میں سے نکال لیتے اور بچوں کی ضروریات میں سے بچا لیتے ہیں، پھر اسے پوری خوش دلی اور فراخی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور اس تمنا کے ساتھ خرچ کرتے ہیں کہ کاش ان کے پاس اور ہوتا کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے۔ اور اگر کسی کے پاس کچھ ہے نہیں، جسے وہ اللہ کی راہ میں پیش کر سکے۔ اسی تھوڑے سے مال اور زبردست ایمان میں جس پر ہم بارگاہ ایزدی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، عبادت گزاروں کے

لیے بشارت ہوتی ہے اور مخلص کارکنوں کے لیے کامیابی کی راہیں کھلتی ہیں۔ جس خدا کے ہاتھ میں تمام معاملات کی باگ ہے، وہ خدا اخوان کے ایک ایک پیسے میں برکت دیتا ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ط (البقرہ:۲۷۶)

''اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ (الروم:۳۹)

''اور جو تم زکوٰۃ دو گے اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے، تو وہی لوگ اپنے مال کو دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔''

ہم اور سیاست

اسی طرح کچھ لوگ کہتے ہیں اخوان تو سیاسی لوگ ہیں۔ ان کی دعوت تو ایک سیاسی دعوت ہے جس کے پیچھے کچھ شخصی مقاصد ہیں۔

پتا نہیں ہماری قوم کب تک تہمتیں باندھے گی؟ کب تک وہ ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑائے گی؟ کب تک وہ برے ناموں سے ہمارے دل چھیدتی رہے گی؟ اور کب تک وہ ایک وہم کے پیچھے صحیح بات کے انکار پر مصر رہے گی؟ جب کہ واقعاتی شواہد اسی کی تائید میں ہیں۔

اے ہماری قوم! ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن ہے اور دوسرے ہاتھ میں سنت اور سامنے صالح اسلاف کا عمل۔ پھر ہم دعوت دیتے ہیں اسلامی تعلیمات، اسلامی احکام اور اسلامی ہدایات کی۔ اب اگر تمہارے نزدیک یہ سیاست ہے، تو بلاشبہ یہ ہماری سیاست ہے۔ اور جو ان اصولوں کی دعوت دے وہ اگر سیاسی ہے تو اللہ کا شکر ہے کہ ہم بھی سیاسی ہیں۔ اور اگر تم اسے سیاست کہتے ہو تو کہہ لو۔ جب بات واضح اور مقصد عیاں ہے تو پھر ناموں سے کیا بگڑتا ہے۔

اے ہماری قوم! الفاظ کے پیچھے حقائق کو مت چھوڑنا، ناموں کے پیچھے مقاصد کو نہ بھولنا۔ اسلام کی سیاست تو ایسی سیاست ہے جس کے محمل سے دائمی فلاح وسعادت کی لیلا نمودار ہوتی ہے۔

یہی ہماری سیاست ہے جس سے ہم کبھی باز نہیں آسکتے۔ اسی سیاست کو تم بھی اپناؤ، دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دو کہ یہی چیز تمہیں اخروی عزت سے ہم کنار کرے گی لیکن اگر تمہیں

تر دد ہے تو گھبراؤ نہیں کہ حقیقت جلد ہی بے نقاب ہو جائے گی۔

ہماری قومیت اور اس کی اساس

میرے بھائی! آؤ خدائے رب العزت کی اس صدائے دل نواز پر کان لگائیں جس سے پوری کائنات گونج رہی ہے۔ زمین اور ساتوں آسمان جھوم رہے ہیں۔

مومن جب وہ پکار سنتا ہے، ہاں جب وہ پکار سنتا ہے، جس کے لیے آسمان و زمین اور تمام چیزیں ہمہ تن گوش ہیں۔ اس وقت سے مست و بے خود ہیں جب سے رسول امینؐ نے کائنات میں اس کی منادی کی۔

ہاں مومن جب وہ پکار سنتا ہے تو اس کا سینہ عزت و افتخار کے اعلیٰ ترین جذبات سے امنڈنے لگتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لے آئے۔''

ہاں، ہاں میرے بھائی! یہ تمہارے رب کی ہی پکار ہے۔ وہ تمہیں پکار رہا ہے۔ ہم حاضر ہیں خدایا، ہم حاضر ہیں، حمد تیرے لیے ہے۔ شکر و سپاس کا سزاوار تو ہی ہے۔ تیری تعریف کے لیے ہمارے پاس زبان کہاں! تو، ہاں تو ہی ہے مومنین کا دوست، خادمان دین کا مددگار، اور ان مظلوموں کا سہارا و پشت پناہ جو گھر سے بے گھر کر دیے گئے، دیس سے پردیس بھگا دیے گئے۔ بلاشبہ جو تیری پناہ میں آجائے اسے کیا ڈر! جو تیرے سائے میں آجائے اسے کیا غم!

وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ (الحج: ۴۰)

''اور اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی، جو اس کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ اللہ بڑی طاقت والا اور زبردست ہے۔''

ہاں ہاں میرے بھائی! آؤ قرآن کا نغمۂ لاہوتی سنیں، روشن آیات کی تلاوت کریں، ان کی حلاوت سے لذت اندوز ہوں، کتاب پاک کے اوراق میں جمال الٰہی کے پرنور جلوے ہیں، وہ جلوے اپنے سینوں میں جذب کر لیں۔

آؤ آؤ میرے بھائی! سنتے ہو ان آیتوں کو، کتنا رس گھلا ہوا ہے ان میں! کتنی وجد انگیز ہیں یہ آیتیں!

۱۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط (البقرہ:۲۵۷)

"اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، انھیں وہ تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔"

۲۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ o (آل عمران:۱۵۰)

"تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔"

۳۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ o (المائدہ:۵۵)

"تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔"

۴۔ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ o (الاعراف:۱۹۶)

"بے شک میرا سرپرست تو خدا ہی ہے جس نے کتاب نازل کی، اور نیک لوگوں کا وہی دوست دار ہے۔"

۵۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ o (ابراھیم:۱۱)

"کہہ دو، ہمیں تو بس وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے، اور مومنین کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

۶۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ o (یونس:۶۲)

"سن لو، اللہ کے دوستوں کے لیے کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ پر قائم رہے۔"

۷۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔ (محمد:۱۱)

''ایسا اس لیے کہ اللہ ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لائے، اور کافروں کا کوئی سرپرست نہیں۔''

دیکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا کہہ رہا ہے، اپنی ولایت و سرپرستی میں لے رہا ہے۔ تمھیں عزت و کرامت کے تخت و تاج دے رہا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَo(المنافقون:۸)

''حالاں کہ عزت کا مالک تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین ہیں، مگر منافقین نہیں جانتے۔''

ہمارے آقا (فداہ امی وابی) کی ایک حدیث ہے:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَابَنِيْ اٰدَمَ جَعَلْتُ نَسَبًا وَجَعَلْتُمْ نَسَبًا فَقُلْتُمْ فَلَانُ ابْنُ فَلَانٍ وَقُلْتُ: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ فَالْيَوْمَ اَرْفَعُ نَسَبِيْ وَاَضَعُ نَسَبَكُمْ۔

''قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: آدم کے بیٹو! میں نے ایک نسب ٹھہرایا۔ تم نے بھی ایک نسب ٹھہرایا۔ تم نے کہا: فلاں ابن فلاں۔ میں نے کہا: تم میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ تو آج میں اپنے نسب کو بلند اور تمھارے نسب کو پست کروں گا۔''

عزیز من! اسی لیے نیک اسلاف نے ہمیشہ ربانیت کو ترجیح دی، وہ خدا سے وابستہ رہے، وہ تعلق باللہ کی رفعتوں سے سرفراز ہوئے اور ان کی نمازیں اور تمام سرگرمیاں اسی ربانیت کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ چنانچہ ایک مرد صالح بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

لَا تَدْعُنِيْ اِلَّا بِيَا عَبْدَهَا　　　فَاِنَّهٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِيْ

''تم مجھے ''اے اس کے بندے'' ہی کہہ کر پکارو کہ یہی میرا سب سے پیارا نام ہے۔''

جب کہ ایک دوسرے مرد صالح سے پوچھا جاتا ہے کہ اس کا باپ تمیمی ہے یا قیسی تو بے ساختہ جواب دیتا ہے:

اَبِي الْاِسْلَامُ لَا اَبَ لِيْ سِوَاهٗ　　　اِذَا افْتَخَرُوْا بِقَيْسٍ اَوْ تَمِيْمٍ

’’جب لوگ قیس وتمیم کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں تو میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میں اسلام کی اولاد ہوں۔ اسلام کے علاوہ میرا کوئی باپ نہیں۔‘‘

عزت وبلندی کا سدرۃ المنتہیٰ

برادرعزیز! حسب ونسب پر لوگ فخر کیوں کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ آباؤاجداد کے ہاں مجد وشرف کی بلندیاں نظر آتی ہیں، پھر اس طرح لوگ چاہتے ہیں کہ فرزندان وطن اور نونہالان قوم میں بھی عزت وکرامت کی روح پھونک سکیں، اس کے علاوہ اس کا کوئی تیسرا محرک نہیں۔ اب ذرا دیکھو تو ربانیت کے اندر مجد وشرف کی وہ اونچی سے اونچی بلندیاں موجود ہیں جن کی کوئی تمنا کرے:

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ’’عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔‘‘

نیز یہاں وہ بلند سے بلند چیز بھی ملے گی جو تمہیں اعلیٰ علیین کی رفعتوں میں پہنچادے اور سرگرم قوموں کے دوش بدوش ابھرنے اور ترقی کرنے کی زبردست اسپرٹ پیدا کردے۔ بھلا اس سے بڑا مجد وشرف اور عزت وکرامت اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم ربانی ہوجاؤ، اللہ سے تمہارا تعلق ہو، اور تم اسی کی طرف منسوب ہو، آخر تمہارے رب نے یوں ہی تو نہیں فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ (آل عمران:۷۹)

’’بلکہ اللہ والے بنو، بوجہ اس کے کہ تم دوسروں کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے رہے ہو، اور خود بھی اسے پڑھتے آئے ہو۔‘‘

قوت کا سب سے بڑا سر چشمہ

ربانی ہونے میں ایک فائدہ اور بھی ہے، اور یہ فائدہ اسی کو نصیب ہوتا ہے، جو یہ طلائی ہار بخوشی اپنی گردن میں ڈال لے۔ وہ فائدہ ہے ایمان کا عمومی فیضان، کامیابی کا زبردست یقین، جس کے نشے سے دل سرشار ہوجائے، نفس کا گوشہ گوشہ معمور ہوجائے۔ پھر دل میں کسی کا ڈر نہ ہو، سارا عالم ایک طرف ہو، اور سارے انسان تمہارے عقیدے کے مخالف اور اصولوں کے دشمن ہوں، پھر بھی تمہارے اندر خوف وہراس کا نام نہ ہو۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْجَمَعُوْالَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَ ھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ o (آل عمران: ۱۷۳)

''یہ ہیں وہ کہ جن سے لوگوں نے کہا دشمن نے تمہاری سرکوبی کے لیے بڑی طاقت اکٹھا کر رکھی ہے، تو ان سے ڈرو، تو اس چیز نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا، اور وہ بولے: اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

کوئی تو بات تھی کہ اس قلیل اور بے تیغ فوج اسلام کا ایک عام سپاہی ہولناک لشکر جرار کے سامنے کھڑا ہو جاتا، مگر ایمانی غیرت وشجاعت کی چنگاریاں اسی طرح دہکتی رہتیں، اس کی پیشانی پر خوف وہراس کی ایک ہلکی سی شکن نہ ہوتی۔ ظاہر ہے وہ غیر اللہ سے ڈرنا کیا جانے، ایک مومن کے گنبد دل میں جب اس کے آقا کی یہ آواز گونجتی ہے:

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَاغَالِبَ لَکُمْ (آل عمران: ۱۶۰)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرتا ہے تو تمہیں زیر کرنے والا کوئی نہیں۔''

تو اسے کتنی زبردست قوت کا احساس ہوتا ہے۔ بھلا اس قوت کے ہوتے ہوئے کسی اور قوت سے دبنے کا کیا سوال؟

عالمی نسبت

اور اگر لوگ ربانی ہونے کا فیصلہ کر لیں تو یہ اجتماعی ترقی کی طرف ایک نہایت مبارک اور مؤثر قدم ہوگا۔ اس سے قوموں اور گروہوں کے اندر اخوت ومودت کے چراغ جلیں گے، باہمی اشتراک وتعاون کے دائرے وسیع ہوں گے، اور ان تمام خود غرضیوں اور مفاد پرستیوں کے شعلے بجھ جائیں گے جو عصبیت کی پیداوار ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں بین الاقوامی تعلقات کے شیشے پگھل جاتے ہیں اور باہمی نفرت وعداوت کے آتش کدے گرم ہو جاتے ہیں۔ تو ہے کوئی جو سارے عالم کو پرچم الٰہی کے سایے میں جمع کر دے......؟

آج جو خواب ہے، کل وہ حقیقت تھا

مسلمانوں کو یہ باتیں سنے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا، اس لیے ہو سکتا ہے آج یہ باتیں

کچھ عجیب وغریب اور نا قابل فہم معلوم ہوں ۔ چنانچہ کہنے والے کہتے بھی ہیں۔ ’’ان لوگوں کو ہوا کیا ہے؟ یہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں جن کا ہونا ممکن ہی نہیں؟ یہ آخر کیوں خواب وخیال کی دنیاؤں میں سیر کرتے ہیں؟‘‘

ذرا ٹھیرو، ٹھیرو میرے دینی بھائیو! آج جو باتیں ان ہونی معلوم ہوتی ہیں، کل وہی باتیں تمہارے اسلاف کے نزدیک بالکل واضح اور عین ممکن تھیں، یاد رکھو، تمہاری کوششیں کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوسکتیں، جب تک تمہارے اندر بھی وہی عزم ویقین نہ ہو۔

جب قرآن پاک پہلے پہل نازل ہوا تھا، اور تازہ تازہ مسلمانوں کو ملا تھا تو انھوں نے اس سے وہی سمجھا تھا، جو آج میں کہہ رہا ہوں۔

میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اخوان کا یہی عقیدہ ہے۔ وہ اسی سے خیر کی امید رکھتے اور اسی کے لیے جیتے ہیں، اور اسی میں وہ سارا کیف وسرور اور وہ ساری راحت ولذت پاتے ہیں، جس کی انھیں تمنا ہوتی ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِاللّٰہِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (الحدید:۱۶)

’’جو لوگ ایمان لائے ہیں، کیا ان کے لیے ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں لگ جائیں اور جو حق نازل ہوا ہے، اس کے آگے جھک جائیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو انھیں مدت دراز معلوم ہوئی۔ پس ان کے دل سخت ہوگئے۔ اور ان میں سے بہتیرے فاسق ہیں۔‘‘

میرے بھائیو! جب اس اساس میں تم ہمارے ہم نوا ہو، تو یاد رکھو کہ ربانیت کی یہ نسبت بلند چاہتی ہے کہ تمہیں اس ذمہ داری کا پورا احساس ہو، جو تمہارے رب نے تم پر ڈالی ہے اور اس کے لیے جدوجہد اور ایثار وقربانی ہی تمہارا شیوہ ہو۔ تو بولو کیا تم تیار ہو؟

مسلم کی ذمے داریاں

مسلم کی ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے اختصار کے ساتھ ایک ہی آیت میں جمع کردی

ہیں۔ پھر قرآن کریم نے بار بار ان کی تشریح وتوضیح کی ہے۔ وہ آیت درج ذیل ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ، هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۷، ۷۸)

''اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ اور اللہ کی راہ میں جی جان سے جدو جہد کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کا دین اختیار کرو، ان ہی نے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس میں بھی (تمہارا نام مسلم ہی رکھا گیا ہے) تا کہ رسول تم پر (حق کی) شہادت دے، اور تم لوگوں پر (حق کے) شاہد بنو۔ تو تم اچھی طرح نمازیں پڑھو، اور زکوٰۃ دو، اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو، وہی تمہارا دوست ہے تو کیا ہی عمدہ دوست اور کیا ہی بہتر مددگار ہے۔''

کس قدر واضح اور دوٹوک فرمان ہے یہ جس میں ذرا بھی ابہام نہیں، بخدا اس میں کیسا رس گھلا ہوا ہے! کتنی رعنائی ہے اس میں! بالکل صبح کی طرح درخشاں اور نور کی طرح روشن ہے۔ کانوں میں گونجتا اور دل میں اتر جاتا ہے۔ کیا مسلمانوں نے اسے سنا نہیں؟ یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں کہ وہ سمجھتے نہیں؟

ہمارے رب کا حکم ہے کہ ہم رکوع کریں، سجدہ کریں، اور نماز قائم کریں، جو دراصل عبادت کی جان، اسلام کا ستون اور ایمان کا امتیازی نشان ہے۔ اور اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور جہاں تک ممکن ہو نیکی کریں، نیکی کے اس حکم میں بدی کی ممانعت بھی شامل ہے کہ اولین نیکی تو یہی ہے کہ ہم بدی سے گریز کریں۔ کس قدر جامع اور دل نشین کلام ہے یہ! پھر اس کے نتیجہ میں وہ خیر وسعادت اور فوز وفلاح کی بشارت دیتا ہے۔ یہ فرداً فرداً ہر مسلم

کی ذمہ داری ہے، ہر مسلم کا فرض ہے کہ اسے انجام دے، خواہ وہ خلوت میں ہو یا جلوت میں گھر میں، ہو یا بازار میں۔

انسانیت کا حق

پھر فرمایا کہ ہم راہ خدا میں جہاد کریں، دلائل کے ذریعے یہ دعوت زیادہ سے زیادہ عام کریں، لوگوں کو سمجھا بجھا کر اس کی طرف مائل کریں۔ لیکن اگر وہ اس کا جواب ظلم وزیادتی اور سرکشی سے دیں، تو پھر تلواریں بے نیام کردیں۔

وَالنَّاسُ اِنْ ظَلَمُوْا الْبُرْھَانَ وَاعْتَسَفُوْا
فَالْحَرْبُ اَجْدَی عَلَی الدُّنْیَا مِنَ السَّلَمِ

''لوگ اگر دلائل پر ظلم کریں، اور زیادتی سے کام لیں، تو پھر دنیا کے حق میں صلح سے بہتر جنگ ہے۔''

حق کی حفاظت قوت سے

کسی نے کتنی حکیمانہ بات کہی ہے۔ ''حق کو حق منوانے کا بے خطا نسخہ قوت ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر حق اور قوت باہم دوست ہوتے۔'' اسلام کے مقدس مقامات کا تحفظ کرنا تو ہے ہی، اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد بھی ایک نہایت اہم فریضہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر عائد کیا ہے، اور اس فریضے کی بھی بالکل وہی حیثیت ہے جو حیثیت روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ اور نیکوکاری کی ہے، گویا یہ کام ہر ایک کو کرنا ہے اور لازماً کرنا ہے اور اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود اس سے گریز کرتا ہے تو وہ خدا کے یہاں جواب دہ ہوگا۔

ذرا اس آیت کے تیور تو دیکھو:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط (التوبہ: ۴۱)

''نکل پڑو، چاہے ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وضاحت فرمادی کہ اس ذمہ داری کی کیا حکمتیں اور کیا اس کے اسرار ہیں۔فرمایا کہ اللہ نے انھیں منتخب کرلیا ہے تا کہ وہ مخلوق کے پیشوا،شریعت کے امین،زمین پر اس کے خلیفہ اور رسول کے وارث و جانشین بنیں۔نیز انھیں ایسا دین دیا ہے جو انسانی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے،انھیں اس نے محکم قوانین،اور سہل احکام دیے ہیں اور ان میں ہر زمان ومکان کی رعایت رکھی ہے،تا کہ دنیا بآسانی انھیں قبول کرے۔اور انسانیت ان میں اپنی تمناؤں کی تصویر دیکھ سکے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ط (الحج:۷۸)

''اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔اپنے باپ ابراہیم کا دین اختیار کرو،ان ہی نے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا تھا،اور اس میں بھی (تمہارا نام مسلم ہی رکھا گیا ہے) تا کہ رسول تم پر (حق کی) شہادت دے اور تم لوگوں پر (حق کے) شاہد بنو۔''

یہ ہے وہ اجتماعی ذمے داری جو مسلمانوں پر عائد کی گئی ہے۔خدا کا حکم ہے کہ سارے مسلمان ایک قوت اور ایک بلاک بن جائیں۔وہ متحد ہو کر ایک قطار میں آجائیں،وہ ایک ایسا منظّم لشکر بن جائیں جو بدی کے پرزے اڑادے اور انسانیت کو گم رہی سے نکال کر صحیح راہ پر لگادے۔

رات میں راہب،دن میں مجاہد

پھر حق تعالیٰ نے یہ نکتہ بھی واضح کردیا ہے کہ روزہ،نماز اور اجتماعی ذمہ داریوں میں تعلق کیا ہے؟ روزے اور نمازیں ہی دراصل اجتماعی ذمے داریوں کی جان اور ان کی تکمیل کا سامان ہیں اور صحیح عقیدہ ان دونوں کی اساس ہے۔لہٰذا کوئی شخص فرائض میں کوتاہی کے لیے یہ عذر نہیں کرسکتا کہ وہ اجتماعی کاموں میں مصروف ہے،نہ اجتماعی کاموں سے گریز کے لیے یہ بہانہ کرسکتا کہ وہ عبادات میں مشغول اور تعلق باللہ میں مستغرق ہے۔کتنا دقیق اور محکم کلام ہے یہ! وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا؟ مسلمانو! اپنے رب کی عبادت کرنا،دین کو غالب و سربلند کرنا،شریعت اسلامی کو نافذ

کرنا، اوراس راہ میں ان تھک جدوجہد کرنا، یہ سب تمہاری ڈیوٹی ہے۔اب اگر تم نے کچھ ڈیوٹی ادا کی اور کچھ نظر انداز کر دی، یا پوری ڈیوٹی نظر انداز کر دی تو اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ بھی سن رکھو:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ o فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ط (المومنون:۱۱۵)

''تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت بلند ہے جو حقیقی بادشاہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ساتھی، جو انسانیت کے برگزیدہ ترین لوگ تھے اور جو بعد میں ہمارے نیک اسلاف ہوئے۔ان کے اوصاف میں آیا ہے:

رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ ''رات میں راہب، دن میں شہ سوار۔''

تم ایک شخص کو دیکھتے، وہ رات کی تنہائی میں محراب کے اندر عاجزی کی تصویر بنا کھڑا ہے، وہ ڈاڑھی دبوچے ہوئے کلیجہ پکڑے ہوئے، ایک طفل مارگزیدہ کی طرح بلک رہا ہے، تڑپ رہا ہے، سوزش غم سے بے تاب، بس ایک چشم گریاں، ایک قلب بریاں، ایک آہ سوزاں بنا ہوا ہے اور اس کی لرزتی ہوئی زبان بار بار کہہ رہی ہے:

يَا دُنْيَا غُرِّيْ غَيْرِيْ، يَا دُنْيَا غُرِّيْ غَيْرِيْ۔

''اے دنیا! جا کسی اور کو فریب دے، اے دنیا جا کسی اور کو فریب دے۔''

مگر جب صبح کی پو پھٹتی اور جہاد کے لیے نفیر ہوتی تو اسی کو تم دیکھتے، وہ اپنے اصیل گھوڑے پر سوار ایک شیر نر معلوم ہوتا ہے، جس کی ایک گرج سے پورا میدان دہل جاتا ہے۔ جس کی ایک للکار سے سارا شبستان وجود کانپ اٹھتا ہے۔

اللہ اللہ! مادیت اور روحانیت میں کیسا عجیب ربط ہے یہ؟ ناسوت اور لاہوت میں کیسا حسین امتزاج ہے یہ؟ یہ بس اسلام کا اعجاز اور اسی کا امتیاز ہے، یہ وہ شیشۂ صد رنگ ہے جس میں جلوؤں کی بہار ہے۔ حسن و جمال کا کوئی منظر بھی تو ایسا نہیں جس سے یہ گلشن تہی دامن ہو!

اصلاحی اور تعمیری تگ و تاز

مسلمانو! یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو مسلمان

زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ اور حال یہ تھا کہ قرآن سینوں میں تھا، گھوڑوں کی زینیں ان کا مسکن تھیں، تلواریں ہاتھوں میں تمہیں اور دلیل نوک زبان پر عیاں تھی۔

وہ لوگوں کے سامنے بس تین صورتیں رکھتے۔ اسلام یا جزیہ یا جنگ۔ جو اسلام لے آئے، وہ ان کا بھائی ہے، جو حقوق انھیں حاصل ہیں، وہی اسے حاصل ہوں گے، جو ذمے داریاں ان پر ہیں، وہی اس پر عائد ہوں گی اور جو جزیہ ادا کرے، وہ ان کی امان میں ہے، وہ اس کے حقوق ادا کریں گے، اس کے عہد کا خیال رکھیں گے اور اس کی جو شرطیں ہیں وہ پوری کریں گے۔ البتہ جو انکار کرے گا وہ اس سے جنگ کریں گے اور اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک اسے مغلوب نہ کرلیں۔

وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ "اور اللہ تو اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔"

ایسا انھوں نے کسی اقتدار کی ہوس میں نہیں کیا تھا، کہ جاہ و شہرت سے ان کی بے رغبتی معلوم ہے۔ ان کے دین نے تو ان تمام جھوٹے مظاہر کا خاتمہ کر دیا تھا جن پر قومیں جان دیتی ہیں۔ ان کا خلیفہ ان ہی میں کا ایک فرد ہوتا، بیت المال سے اسے اتنا ہی ملتا جتنا ایک عام فرد کو ملتا، ان کے معاملات ان ہی کے مشوروں سے طے ہوتے۔ اس خلیفہ کی بس ایک ہی امتیازی شان ہوتی، ایمان کا جلال اور یقین کی ہیبت، یہ شان اس کے ایک ایک عضو اور ایک ایک ادا سے نمایاں ہوتی۔

ان سرگرمیوں کا محرک مال کا لالچ بھی نہ تھا، کہ ان کے لیے تو روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک جرعہ کافی ہوتا۔ روزہ تو ان کے یہاں عبادت تھا ہی، یوں بھی بھوک انھیں آسودگی سے زیادہ عزیز تھی۔ لباس بھی ان کے پاس ضرورت سے زائد نہ ہوتا، کیوں کہ ان کے گنبد دل میں برابر ان کے آقا کی یہ آواز گونجتی رہتی:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ (محمد:۱۲)

"اور جنھوں نے کفر کیا وہ مزے اڑاتے، اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے جانور کھائیں، اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔"

انھیں اپنے نبیؐ کا یہ فرمان بھی یاد تھا:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ، تَعِسَ عَبْدُ الْقَطِيْفَةِ۔

"ہلاک ہو بندۂ دینار، ہلاک ہو بندۂ درہم، ہلاک ہو بندۂ ریشم۔"

معلوم ہوا، ان کا گھروں سے نکلنا جاہ وشہرت کی ہوس، مال ودولت کی طمع، غلبہ واقتدار کی طلب یا استعمار واستبداد کی نیت سے نہ تھا، اس کا محرک تو ایک خاص پیغام۔ نہایت قیمتی پیغام تھا، جس کا آپ ؐ انھیں امین بنا کر گئے تھے اور جس کی راہ میں جدوجہد پر وہ مامور تھے، تاکہ زمین میں فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت صرف اللہ کی ہو۔

وقت آگیا ہے کہ ہم ہوش میں آئیں

پہلے مسلمان یہی سمجھتے تھے چنانچہ اس کے لیے وہ جدوجہد کرتے، ایمان کی راہ میں ایثار کرتے، قربانی وسرفروشی کا مظاہرہ کرتے۔ مگر آج تو مسلمان نہ جانے کن کن زاویوں سے سوچنے لگے۔ توجیہ وتاویل کا سہارا لے کر کوتاہی و بے عملی کے مختلف بہانے تراشنے لگے۔ کوئی تو کہتا ہے: اب جہاد اور کوہ کنی کا زمانہ کہاں رہا؟ دوسرا یہ کہہ کر ہمت پست کر دیتا ہے کہ وسائل تو ناپید ہیں اور امت پابہ جولاں ہے اور تیسرا بس اتنے ہی کو دین داری سمجھتا ہے کہ صبح وشام کچھ کلمات جپ لیا کرے، بے دلی کے ساتھ کچھ رکعتیں جوڑ لیا کرے۔

نا! نا! میرے بھائیو! قرآن تمہارے درمیان کتنی وضاحت سے اعلان کر رہا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ o (الحجرات:۱۵)

”مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر شک میں نہ پڑے اور راہ خدا میں جان ومال سے جہاد کرتے رہے، یہی سچے لوگ ہیں۔“

اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرْھَمِ وَتَبَایَعُوْا بِالْعِیْنَۃِ وَتَبِعُوْا اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَکُوا الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَدْخَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ ذُلًّا لَا یَرْفَعُہٗ عَنْھُمْ حَتّٰی یُرَاجِعُوْا دِیْنَھُمْ۔

”جب لوگ دینار و درہم کے حریص ہو جائیں گے، بیع عینہ[1] کرنے لگیں گے، گایوں

---

(۱) اگر کوئی سودی کاروبار کرنا چاہے اور اس کے لیے کسی حیلہ شرعی کا سہارا لے، وہ سودی لین دین تو کرے، مگر اسے سود کے بجائے کسی اور خوش نما نام سے موسوم کرے تو اسی کو بیع عینہ کہتے ہیں۔ اس کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں مگر بنیادی طور سے ان سب کے اندر یہی ذہنیت کارفرما ہوتی ہے۔ (مترجم)

کی دم کے پیچھے پیچھے رہیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جو ان کی جان کو لاگو رہے گی، تا آں کہ وہ اپنے دین کی طرف پلٹ آئیں۔''

یہ روایت امام احمدؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے۔ امام طبرانیؒ نے الکبیر میں ذکر کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں درج کی ہے اور راوی اس کے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں۔

پھر تم فقہ کی نئی پرانی تمام ہی کتابوں میں پڑھتے ہو کہ جہاد فرض کفایہ کب ہوتا ہے، اور کب فرض عین؟ اور ان کے معانی ومطالب بھی اچھی طرح سمجھتے ہو۔ پھر یہ کیسی بے حسی وسرد مہری ہے جو ہم پر طاری ہے؟ یہ کیسی یاس وناامیدی ہے جو دل کو بجھا رہی ہے کہ نہ ہم کچھ سمجھتے ہیں نہ ہوش میں آتے ہیں؟

مسلمانو! یہ تعمیر کا دور ہے، تم اپنی تعمیر کرو، اسی سے امت کی تعمیر ہوگی۔

یہ فریضہ تم سے مومن نفوس اور صحت مند دل مانگتا ہے۔ تم اپنے ایمان کو مضبوط اور دلوں کو صحت مند بناؤ۔ یہ مال ودولت بھی چاہتا ہے، تمہاری توانائیاں، اور کوششیں بھی اسے درکار ہیں۔ ان سب کے لیے تم مستعد رہو، تمہارے پاس جو کچھ ہے فنا ہو جائے گا، مگر اللہ کے یہاں جو کچھ ہے لافانی ودائمی ہے۔ اور اللہ تو مومنین سے ان کے جان ومال خرید بھی چکا ہے، اس کے صلے میں وہ انھیں جنت دے گا۔ نہایت وسیع وعریض جنت، کہ اس کی پہنائیوں میں زمین وآسمان گم ہو جائیں۔

ابتدا کہاں سے ہو؟

جو امت تعمیر ملت کے لیے کوشاں ہو، قوموں کی تربیت جس کا نصب العین ہو، اصولوں کی حمایت جس کا مقصد زیست ہو، اور جو اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا چاہتی ہو، یا کم از کم جو جماعت ان چیزوں کی داعی ہو، اس کے لیے زبردست باطنی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ضروری ہے کہ اس کے اندر ایسی محکم قوت ارادی ہو جو کمزوری سے ناآشنا ہو۔ اس میں ایسی محکم اور ٹھوس وفاداری ہو جو تلون سے مامون اور بے وفائی سے کوسوں دور ہو، جو حرص سے بیگانہ اور بخل سے بے زار ہو، جسے عزیز سے عزیز پونجی بھی قربان کردینے میں کوئی تامل نہ

ہو۔ اسے اپنے اصولوں کی ایسی جان کاری، ان پر ایسا ایمان اور ان کی قدر و قیمت کا ایسا شعور ہو کہ ان کے سلسلے میں کبھی اس سے بھول نہ ہو، ان سے وہ کبھی منحرف نہ ہو، نہ ان کے معاملہ میں وہ کسی سودے بازی کی روادار ہو۔

یہی وہ زبردست روحانی قوت اور یہی وہ اولین بنیادیں ہیں، جن پر اصولوں کی تعمیر اور ابھرنے والی قوموں کی تشکیل ہوتی ہے، ان ہی سے جوان اور طاقت ور امتیں وجود میں آتی ہیں، جو قومیں ایک طویل مدت سے چراغ کشتہ کی مانند بجھی پڑی ہوں، جن کے اندر زندگی کے چشمے خشک ہو گئے ہوں، وہ پھر سے فروغ پاتی اور نئی زندگی کی توانائیوں سے مالا مال ہوتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی گروہ ان چاروں صفات سے خالی ہو یا کم از کم اس کے رہنما و مصلحین ان سے عاری ہوں تو وہ ایک اپاہج اور نکما گروہ ہے جو کبھی کسی خیر سے ہم کنار نہیں ہوسکتا، نہ کسی مقصد میں کامیاب ہوسکتا۔ اس کی قسمت میں تو یہی ہے کہ وہ خواب وخیال اور ظنون واوہام کی دنیا میں پڑا رہے کہ ''اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا'' (حقائق کے مقابلے میں ظنون واوہام سے تو کچھ کام نہیں بنتا)۔

اپنی مخلوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور یقین مانو اللہ کی سنت کبھی بدلا نہیں کرتی:

اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِھِمْ۔ (الرعد:11)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔''

یہی وہ قانون ہے جس کی وضاحت ایک حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

یُوْشِکُ اَنْ تَتَدَاعَی عَلَیْکُمُ الْاُمَمُ کَمَا تَتَدَاعَی الْاَکَلَۃُ اِلٰی قَصْعَتِھَا وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰہُ مِنْ قُلُوْبِ اَعْدَائِکُمُ الْمَھَابَۃَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَھَنَ۔

''عن قریب قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے اپنے پیالوں پر ٹوٹ پڑیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور دلوں میں وہن ڈال دے گا۔''

کسی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا اس دن ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا:

لَا، اِنَّکُمْ حِیْنَئِذٍ کَثِیْرٌ وَّلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ۔

''نہیں، اس دن تم بہت ہو گے، لیکن ایسے ہی ہو گے جیسے سیلاب کے جھاگ۔''
ایک شخص نے عرض کیا: اور وہن کیا ہے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا:

حُبُّ الدُّنیَا وَ کَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ ''دنیا کی محبت اور موت سے وحشت۔''

دیکھتے ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی وضاحت سے فرمایا ہے کہ امتوں کی کمزوری اور قوموں کی زبوں حالی کا اصل راز دلوں کی کمزوری، باطن کی ویرانی اخلاق کی پستی اور ہمت ومردانگی سے محرومی ہے۔ اگر کوئی قوم ان آفتوں کا شکار ہے تو خواہ اس کی تعداد کتنی ہی ہو، اور چاہے مال وثروت کی کتنی ہی فراوانی ہو، وہ کبھی پنپ نہیں سکتی۔

جب کوئی امت عیش وعشرت کی سرمستیوں میں گم اور خوش حالی کی لذتوں میں غرق ہوجاتی ہے، مادیت کی آلودگیوں پر جان دیتی اور حیات دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ ہوجاتی ہے، تن آسانی اور سہل انگاری میں مبتلا ہوجاتی اور سخت کوشی، حالات سے پنجہ آزمائی اور راہ حق میں جان بازی و سرفروشی کی عادتیں بھول جاتی ہے تو اس کی عظمتوں کے محل ڈھے جاتے ہیں، آرزوؤں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔

دو قوتوں کے درمیان

بہت سے لوگ سوچتے ہیں، مشرق کے پاس وہ مادی قوت، وہ مال واسباب، وہ آلات جنگ اور وہ سامان دفاع کہاں، کہ وہ اٹھے اور ترقی کی دوڑ میں حریف قوموں کا مقابلہ کرے؟ ان قوموں سے آنکھیں چار کرے جنہوں نے اس کے حقوق سلب کر لیے ہیں، بے شمار افراد ہضم کر لیے ہیں۔

بلاشبہ یہ بات صحیح اور خاصی اہم ہے، لیکن مادی قوت سے کہیں زیادہ اہم اور ناگزیر چیز روحانی قوت ہے۔ خلق عظیم، طبع سلیم، عزم صمیم، ولولہ صادق، ایمان راسخ، اٹوٹ وحدت، بے لوث محبت، یہ وہ چیزیں ہیں جو کسی قوم کو طاقت ور بناتی اور اس کے اقتدار کا سکہ منواتی ہیں۔

اگر مشرق دین حق کو تسلیم کر لے، اگر وہ خود کو بدلنے پر آمادہ ہوجائے، اگر وہ روحانی قوت پر توجہ دے اور اصلاح اخلاق کی اسے فکر ہوجائے تو مادی قوت تو خود بخود فراہم ہوجائے گی، مادی وسائل خود ہمیں ڈھونڈتے ہوئے آئیں گے۔ کیا زمانہ اس پر شاہد نہیں ہے؟

اخوان کو اس پر پورا یقین ہے، اسی لیے وہ اپنی روحانی تطہیر، اخلاقی اصلاح اور باطنی استحکام کے لیے کوشاں ہیں اور دعوت کی راہ میں بھی سرگرم ہیں، لوگوں کو وہ اپنے اصولوں کی دعوت دیتے، اور امت سے اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اور یہ ان کی خانہ ساز یا طبع زاد بات نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کہنے کی انھیں عادت ہی نہیں، بلکہ یہ بھی اسی بحر کی موجیں، اسی آفتاب کی شعاعیں اور اسی کان معرفت کے نگینے ہیں جسے ہم کتاب اللہ کہتے ہیں اور اس سے پہلے بھی اس کا یہ اعلان تم سن چکے ہو:

اِنَّ اللّٰهَ لَايُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۱)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔''

قرآن پاک نے بے شمار آیات میں اس کی وضاحت کی ہے، اس نے قصۂ بنی اسرائیل کی صورت میں ہمارے لیے نہایت سچی اور واقعاتی مثال بھی بیان فرمادی ہے۔ یہ دلآویز قصہ ہر اس قوم کے لیے تعمیر و ترقی کی راہ کھولتا ہے جو یاس و ناامیدی کی تاریکیوں میں سرگرداں ہو۔

راستہ روشن ہے

اخوان کا عقیدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کا مینہ برسایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز کیا اور ساری انسانیت کے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا تو اس نے اس عمدہ دین میں وہ سارے اصول بھی رکھ دیے جو قوموں کی زندگی، بقا و ترقی اور سعادت و فیروزمندی کے لیے ناگزیر تھے۔ درج ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف:۱۵۷)

''جو اللہ کے بھیجے ہوئے نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جنہیں وہ اپنے یہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، انھیں وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں، پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے وہ بوجھ اور وہ طوق اتارتے ہیں جن سے وہ گراں بار تھے۔''

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس سلسلے میں کس قدر واضح ہے:

وَاللّٰہِ مَاتَرَکْتُ مِنْ شَرٍّ اِلَّا وَنَھَیْتُکُمْ عَنْہُ۔

''بخدا میں نے کوئی بھی برائی نہیں چھوڑی ہے، ایک ایک برائی سے تمہیں روک دیا ہے۔''

اور جب تم اسلام کا غائر مطالعہ کرو گے تو اندازہ ہوگا کہ اس نے فرد، حکومت اور خاندان سبھی کے لیے کتنے صحیح اصول، کتنے اچھے ضابطے اور کتنے دقیق قوانین دیے ہیں۔ اس نے مردوں کے لیے بھی ہدایات دی ہیں اور عورتوں کے لیے بھی، عائلی نظام درست ہو یا اس کے تار و پود منتشر ہوں، قومیں طاقت ور اور مائل بہ ترقی ہوں یا ضعف و ناتوانی کا شکار ہوں، ان تمام مراحل کے لیے اس نے روشنی دی ہے اور ان سارے افکار و نظریات سے بحث کی ہے جو بھی قومی رہ نماؤں اور ملی سربراہوں کے لیے مرکز توجہ بن سکتے ہیں۔

آفاقیت، قومیت، اشتراکیت، سرمایہ داری، بالشویزم، جنگ، تقسیم زر، مالک و ملازم کے تعلقات اور ان امور سے متعلق جتنے دور و نزدیک کے مسائل یا نظریات ہیں جو قومی سربراہوں اور عمرانی ماہرین کا موضوع بحث بنتے یا بن سکتے ہیں، اسلام نے ان سب سے تعرض کیا ہے اور اس نے ایسے نظام و قوانین دیے ہیں جنھیں اپنا کر انسانیت ان نظریات یا ان مسائل کی خرابیوں اور مضرتوں سے بچتے ہوئے ان کی خوبیوں اور برکتوں سے نہال و خوش حال ہو سکتی ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں، البتہ یہ ذہن میں رہے کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اسی کی ہم دعوت دیتے ہیں اور عن قریب ہمارے دورے ہوں گے، جن میں ہم ان باتوں کی خاطر خواہ وضاحت کر سکیں گے۔

پیروی ناگزیر ہے

اخوان کا یہ عقیدہ ہے، اسی لیے ان کا مطالبہ ہے کہ اقوام مشرق کی تعمیر نو اسلامی اصولوں پر ہو اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلام کی ہی جلوہ گری ہو، ان کا احساس ہے کہ جدید ترقی کے وہ تمام مظاہر جو اسلام کے منافی اور قرآنی احکام سے متصادم ہیں ان سے امت جلد ہی اپنا دامن چھڑائے گی، مگر بعد از خرابیِ بسیار، جب کہ ان کی راہ میں وہ زبردست قربانیاں دے چکی ہوگی اور وہ ساری قربانیاں رائگاں اور لاحاصل ہوں گی۔ لہٰذا جو قومیں آج ترقی کی دوڑ میں حصہ لینا چاہتی ہیں ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اس کا مختصر راستہ اپنائیں اور جلد سے جلد جادۂ اسلام پر گامزن ہو جائیں۔

اخوان کی یہ دعوت کسی خاص ملک کے لیے نہیں ہے۔ یہ تو ان کی عام منادی ہے اور انھیں یہ امید ہے کہ یہ ان تمام ممالک کے لیڈروں اور رہنماؤں کے کانون تک پہنچے گی، جو دین اسلام کے علم بردار اور پیروی اسلام کے دعوے دار ہیں، آج جب کہ اسلامی ممالک باہم متحد ہو رہے ہیں اور مستقبل کی تعمیر، ترقی و تمدن کی نہایت ٹھوس بنیادوں پر کرنے کا عزم رکھتے ہیں، وہ ہر ایک کو یہی پیغام سناتے اور ہر ایک سے یہی اپیل کرتے ہیں۔

انحراف سے بچو

اخوان کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا ہے کہ یہ مسلم قومیں کہیں تقلید مغرب کے دھارے میں نہ بہہ جائیں۔ وہ اپنی نئی ترقی کی بنیاد ان ہی فرسودہ و بوسیدہ نظاموں پر نہ رکھ دیں جو خود ہی متزلزل ہیں اور تجربات کی زبان جن کے فاسد اور ناکارہ ہونے کا اعلان کر چکی ہے کہ شاخ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

اقوام اسلام میں سے ہر قوم کا ایک عمومی دستور ہوگا، ناگزیر ہے کہ اس دستور کی دفعات قرآن کریم سے ماخوذ ہوں۔ وہ امت جو اپنے دستور کی سب سے اولین دفعہ میں یہ اعلان کرتی ہے کہ اس کا سرکاری دین اسلام ہوگا، ناگزیر ہے کہ اس کی بقیہ دفعات بھی اسی قاعدے کی اساس پر ہوں۔ ہر وہ دفعہ جس کی اسلام میں گنجائش نہ ہو، قرآنی احکام جس سے متصادم ہوں وہ حذف کر دی جائے تا کہ حکومت کا اساسی قانون تناقض اور دورنگی کے عیب سے پاک رہے۔

قانون کی اصلاح کرو

ہر مسلم قوم کے ہاں ایک قانون ہے جس کے مطابق ان کے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس قانون میں شریعت کی آب و تاب، قرآن کا نور جمال اور فقہ اسلامی کی خوبو ہو، کیوں کہ اسلامی شریعت کے اصول اور مسلم ماہرین قانون کے اجتہادات ہی اس خلا کو پر کرتے اور اس ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف ہماری تشنگی دور کرتے ہیں، بلکہ نہایت بہتر اور خوش آئند ثمرات و نتائج سے ہمکنار کرتے ہیں چنانچہ اسلامی حدیں اگر آج نافذ ہو جائیں تو جرائم پیشہ انسانوں کے لیے زمین تنگ ہو جائے۔ وہ اپنے جرائم میں خواہ کتنے ہی پختہ ہو چکے ہوں، دوبارہ اس کی جرأت نہ کر سکیں۔ یہ بڑے سے بڑے سرکش کی گردن سیدھی کر دیں، ساری

سرکشی کافور ہو جائے، اگر چہ وہ رگ و پے میں سرایت کر چکی ہو اور یہ حکومتیں جو آئے دن نئے نئے تجربات کرتی اور ناکام ہوتی ہیں، انھیں بھی آرام مل جائے۔ تجربہ اس پر گواہ ہے۔ قانون سازی کے جدید اصول اس کی تائید میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو اسے فرض ہی قرار دیا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ٥

''اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔''

اجتماعیت کے مظاہر درست کرو

ہر امت میں اجتماعی زندگی کے کچھ مظاہر ہوتے ہیں جنھیں حکومتوں کی سرپرستی اور اقتدار وقت کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ قانون کی آنکھیں ان کی نگرانی ونگہبانی کرتی ہیں۔ ہر امت کی آرزو ہونی چاہیے کہ یہ تمام مظاہر دین کا پرتو جمال اور اسلام کا آئینۂ کمال ہوں۔ یہ اسلامی احکام سے ہم آہنگ اور دینی حدود کے پابند ہوں۔ یہ مروجہ عصمت فروشی ہر اس امت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے جو اخلاق کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتی ہو۔ پھر امت مسلمہ کے لیے یہ چیز کس قدر باعث ننگ ہوگی، جب کہ اس کا دین عصمت فروشی اور قحبہ گری کے خلاف ایک اعلان جنگ اور زانیوں کے لیے باعث صد رنج ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ آیتیں:

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥ (النور: ۲)

''اور خدا کے قانون کے سلسلے میں تمھیں ان پر ذرا بھی ترس نہ آئے، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت بھی موجود رہے۔''

یہ شاہراہوں اور سول آبادیوں میں شراب کی بھٹیاں، یہ نشہ آور مشروبات کے لمبے چوڑے سائن بورڈ، یہ ام الخبائث کے نہایت جلی جلی اشتہارات، یہ تمام مظاہر دین کو ناپسند اور پیروِ قرآن کے لیے باعثِ ننگ ہیں۔

اباحیت سے جنگ کرو

سڑکوں، بازاروں، پارکوں، گرمائی قیام گاہوں میں یہ آزادیاں، یہ سرمستیاں اور یہ

حیا سوز تفریح بازیاں، کیا جوڑ ہے ان کا اس عفت و پاک بازی، اس شرافت و خود داری، اس متانت و سنجیدگی اور اس بلند نفسی سے جس کی اسلام تاکید کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهُ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْاُمُوْرِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا۔

''اللہ تعالیٰ بلند کاموں سے خوش ہوتا اور گھٹیا کاموں سے نفرت رکھتا ہے۔''

اقوام اسلام کا فرض ہے کہ وہ تمام مظاہر کے خلاف مہم چلائیں، ان کی بیخ کنی اور سرکوبی سے دریغ نہ کریں، قانون واقتدار کا جو دباؤ بھی ڈال سکتی ہیں ضرور ڈالیں۔ اس سلسلے میں وہ ذرا بھی کم ہمتی سے کام نہ لیں، نہ اس کام کو ایک دوسرے پر ٹالنے کا خیال ذہن میں لائیں۔

تعلیم کو منظّم کرو

ہر مسلم گروہ اور مسلم قوم کا ایک نظام تعلیم ہوگا۔ مردم سازی اور نئی نسلوں کی تیاری کا ایک نقشہ ہوگا۔ ایسے افراد پیدا کرنے کا ایک پروگرام ہوگا جو آئندہ امت کے ناخدا اور مستقبل کے رہ نما بن سکیں۔ ضروری ہے کہ یہ نظام، یہ پروگرام اور یہ نقشے ایسے حکیمانہ ہوں جو نئی نسلوں میں دینی رسوخ، اخلاقی پختگی، احکام دین سے واقفیت، اسلام کی عظمت رفتہ کا احساس اور اس کی وسیع تہذیب کا شعور پیدا کرنے کے ضامن ہوں۔

یہ چند اصول ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اصول ہیں۔ اخوان کی تمنا ہے کہ مسلم قومیں نئی ترقی کی تعمیر میں انھیں پیش نظر رکھیں۔ وہ یہ اپیل تمام مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ مسلم عوام ہوں یا مسلم حکومتیں، سب سے وہ ملتجی ہیں۔

اعلیٰ اسلامی اصولوں کے نفاذ کے لیے ان کے پاس ایک ہی وسیلہ ہے، ان کی خصوصیات اور حکمتوں کی وضاحت کریں، جب یہ ذہن نشین ہو جائیں گی اور اصولوں کی افادیت پر دل مطمئن ہو جائیں گے تو یہ چیز خود ان کے اندر عمل کی اسپرٹ اور طاعت وانقیاد کے لیے تحریک پیدا کرے گی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ٥ (یوسف:۱۰۸)

''کہہ دو، میرا راستہ تو یہی ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر، میں بھی اور میرے پیرو بھی، خدا کی عظمت تو بہت بلند ہے، میں تو کبھی بھی اس کے ساتھ شرک نہیں کرسکتا۔''

بھائیوں کی اخوت سے فائدہ اٹھاؤ

اسلام فرزندانِ اسلام کو آواز دیتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْكُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ط (آل عمران:۱۰۳)

''اور سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو، اور منتشر نہ ہو جاؤ۔ اور خدا کے اس فضل کو یاد کرو، جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔''

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰) ''مومنین تو بھائی بھائی ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط (المائدہ:۵۱)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں، بعض، بعض کے دوست ہیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے:

وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا ''اللہ کے بندے بنو، بھائی بھائی۔''

اس طرح قرن اول کے مسلمانوں نے اسلام سے اسی اخوت و محبت کا درس لیا تھا، دین الٰہی پر جزم و یقین نے ان کے اندر الفت و محبت کے لافانی جذبات اور باہمی انس و مودت کی اعلیٰ ترین کیفیات پیدا کر دی تھیں۔ وہ حقیقت میں ایک جان دو قالب، بلکہ یک جسم و جان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس احسان عظیم کا ذکر بھی فرمایا ہے:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ، لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط (الانفال:۶۳)

''اور اس نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ اگر تم زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے تھے، مگر اللہ نے انھیں باہم جوڑ دیا۔''

عملی تصویر

وہ مہاجر جو اپنے اہل وعیال سے جدا ہوتا، دین کی محبت میں بے خانماں برباد ہوتا، وہ سامنے یثرب کے جوان فرزندان اسلام کو اپنے انتظار میں پاتا، سب اس کے لیے سراپا اشتیاق، سراپا انتظار، اور سراپا اخلاص ہوتے، اس کی آمد پر سب کے دل باغ باغ ہوتے، حالاں کہ پہلے سے کوئی جان پہچان نہ ہوتی، کوئی دیرینہ تعلق نہ ہوتا، کوئی ننھیالی، ددھیالی رشتہ نہ ہوتا۔ نہ کوئی غرض وابستہ ہوتی، نہ کسی منفعت کی توقع ہوتی۔

یہ بس عقیدۂ اسلام کی دین، اسی کی برکت اور اسی کا کرشمہ ہوتا کہ وہ شفقت ودل سوزی کا پیکر بن جاتے، اس اسے گھل مل جاتے، اسے گھرانے کا ایک فرد، جسم کا ایک عضو اور جگر کا ایک ٹکڑا سمجھتے، وہ مسجد نبوی تک پہنچتا نہیں کہ اوس وخزرج کی مقدس روحوں اور نورانی چہروں کا ہجوم ہو جاتا، ہر ایک اسے اپنے گھر لے جانے کا خواہش مند ہوتا، اسے اپنی ذات پر ترجیح دیتا، جان و دل اور آل وعیال سے اس پر فدا ہوتا، ہر ایک اسے اپنے یہاں لے جانے پر اتنا مصر ہوتا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوتی۔ امام بخاری کی تو روایت ہے کہ:

مَانَزَلَ مُهَاجِرٌ عَلَى اَنْصَارِيٍّ اِلَّا بِقُرْعَةٍ۔

”کوئی بھی مہاجر کسی انصاری کے یہاں نہیں آیا، مگر قرعہ اندازی کے بعد۔“

قرآن پاک نے بھی انصار کی اس خصوصیت کو سراہا اور اس فضیلت کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ذکر دوام بخش دیا ہے اور اب وہ زمانے کی پیشانی پر ایک چمکتا ہوا نشان ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلاَ يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (الحشر:۹)

”اور جوان (مہاجرین) کے آنے سے پہلے سے دار الہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں۔ جو لوگ ہجرت کر کے ان کے ہاں آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی غرض نہیں پاتے اور انھیں اپنے اوپر

ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود تنگی میں ہوں۔ اور جو حرص نفس سے بچا لیے جائیں تو وہی فلاح یاب لوگ ہیں۔"

فرزندان اسلام کی اسی انداز سے تربیت ہوئی تھی، ان سب کے دلوں میں ایمانی اخوت کے چراغ روشن تھے۔ صف اول کے مسلمانوں کا تو کہنا ہی کیا، وہ سب تو اس طرح گھل مل گئے تھے کہ اب مہاجر اور انصاری مکی اور یمنی میں کوئی امتیاز نہ رہ گیا تھا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے یمنی اشاعرہ کو سراہتے ہوئے فرمایا:

نِعْمَ الْقَوْمُ الْاَشْعَرِيُّوْنَ ،اِذَا جَهَدُوْا فِيْ سَفَرٍ اَوْ حَضَرٍ جَمَعُوْا مَا عِنْدَهُمْ فَوَضَعُوْهُ فِيْ مَزَادَتِهِمْ ثُمَّ قَسَمُوْهُ بَيْنَهُمْ بِالسَّوِيَّةِ۔

"یہ اشعری لوگ کتنے اچھے ہیں، سفر ہو یا حضر، جب وہ بھوکے ہوتے ہیں تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے، یک جا کرتے ہیں، توشہ دان میں سب اکٹھا کرتے ہیں، پھر آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔"

قرآن کریم اور احادیث رسولؐ کا مطالعہ کرو گے، پاک دل اور نور صفت اسلاف کی سیرتیں دیکھو گے تو اس طرح کی اتنی حسین تصویریں سامنے آئیں گی کہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

اخوت، جو انسانیت کی پیامی ہے

اس عقیدے کی دو برکتیں ایسی ہیں جن کی لذت وحلاوت اور خوبی ومنفعت کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ پہلی برکت تو یہ کہ استعمار کی پوری تاریخ میں اسلامی استعمار کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی، غایت ومقصد، طور طریق، نتائج وافادیت، ہر لحاظ سے وہ منفرد ہے، کیوں کہ ایک مسلم کسی سرزمین کو فتح کرتا تو محض اس لیے کہ وہاں حق کا کلمہ بلند کرے، اور اس کے افق کو قرآن کریم کی نورانی شعاعوں سے جگمگا دے۔ چنانچہ جب دلوں میں مہتاب ہدایت کی کرنیں پہنچ جاتیں، تو سارے امتیازات ختم ہو جاتے، مظالم کی دھوپ زائل ہو جاتی۔ عدل وانصاف کی چاندنی پھیل جاتی اور اخوت ومحبت کے طیور نغمہ سرا ہوتے۔ وہاں کوئی فاتح، کوئی مفتوح، کوئی غالب، کوئی مغلوب نہ ہوتا، بلکہ دونوں آپس میں نہایت مخلص، دردمند اور غم خوار بھائی ہوتے۔ یہیں سے قومیت کا تصور اس طرح پگھل جاتا، جیسے کوئی برف کی سل شعاع آفتاب سے پگھل جائے۔ بس ایک اسلامی

اخوت کا ہی نظریہ باقی رہتا۔ قرآن اسی کو تمام پیروؤں میں فروغ دیتا اور اسی کی قندیلوں سے قلب وذہن کو منور کرتا۔

وہ فاتح مسلم میدان جنگ میں اترنے سے پہلے ہی خود کو اور اپنے اہل وعیال کو بیچ چکا ہوتا۔ اللہ کی راہ میں وہ قومیت وعصبیت کا جامہ اتار چکا ہوتا۔ اب وہ کسی عصبیت کی خاطر جنگ کرتا، نہ کسی قومیت یا جنسیت کے لیے تگ ودو کرتا۔ اب تو اس کی تمام سرگرمیاں اور جاں فشانیاں خالص خدا کے لیے ہوتیں۔ کیسی حسین ودل کش ہے وہ روایت جو مقصد میں اخلاص اور خواہشات نفس سے احتراز کے سلسلے میں آتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

ایک شخص بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں، راہ خدا میں جہاد کروں اور لوگ میری جرأت وشجاعت کے جوہر دیکھیں۔ آپ خاموش رہے، کچھ بولے نہیں، پھر یکا یک یہ آیت کریمہ زبان مبارک پر رواں تھی:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکہف: ۱۱۰)

"تو جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو، چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

دیکھتے ہو؟ مدح وستائش کی خواہش جو ایک طبعی اور فطری خواہش ہے، اسلام اسے کس طرح شرک خفی سے تعبیر کرتا ہے اور کس طرح اس بلند تر مقصد کے دامن تقدس کو اس کی چھینٹوں سے پاک رکھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ کیا اخلاص کی اس سے بھی اونچی کوئی منزل ہوسکتی ہے کہ انسان مقصد کی راہ میں خود اپنی ذات کو بھول جائے؟ کیا ایسا شخص جو نفس کی قبا بھی اتار پھینکے، تمام خواہشات وجذبات سے بلند ہوجائے اور ذاتی رجحانات ومیلانات کا پہلے ہی سر کچل دے تاکہ اس کا جہاد خالص رضائے الٰہی کے لیے ہوسکے۔ کیا ایسا شخص کبھی سوچ سکتا ہے کہ وہ عصبیت کے جذبے سے جہاد کرے؟ یا کسی قومیت یا جنسیت کی راہ میں جان دے؟ بخدا ہرگز نہیں۔

وہ مغلوب جو خوبیِ قسمت سے مشرف بہ اسلام ہوتا وہ اپنی سرزمین کسی غیر کے حوالے نہ کرتا جو اس پر اپنی بادشاہی کا تخت بچھائے، اسے محکوم وماتحت بنا کر رکھے اور تنہا اس کے سارے خزانوں پر قابض ہوجائے، بلکہ وہ جو کچھ چھوڑتا اس لیے چھوڑتا کہ اس سے داعی اسلام کو قلبی لگاؤ

اور روحانی وابستگی ہوتی۔ وہ اسے اپنا پارۂ دل اور لخت جگر سمجھتا اور اخلاص و دل سوزی کے ساتھ یہ اعلان کرتا کہ: جو حقوق ہمیں حاصل ہیں وہ تمھیں بھی حاصل ہوں گے۔ اور جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں وہی تم پر عائد ہوں گی۔ اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان حکم ہوگی۔

ان میں سے ہر ایک اپنی غایت میں فنا اور عقیدے کی راہ میں قربان ہوتا۔ وہ جو کچھ چھوڑتا اس لیے چھوڑتا کہ پوری انسانیت میں خدا کا نور پھیلے اور ہر طرف شاہ قرآن کی نوبت بجے۔ سچ ہے انسانیت کی ساری عظمت و سعادت کا راز یہی ہے، اگر اسے شعور ہو۔

وطن اسلامی کے حدود

اس عقیدے کی دوسری برکت یہ ہے کہ ایک ایک مسلم اس تصور سے سرشار ہوگیا کہ ہر وہ گوشۂ زمین جو کسی مسلم قوم کا مسکن ہے، وہ سرزمین اسلام ہی ایک چمن ہے۔ فرزندان اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی حمایت و سعادت کے لیے کوشاں رہیں۔ اس طرح وطن اسلامی کے حدود بہت وسیع ہو گئے۔ وہ نسلی اور جغرافیائی قیود سے آزاد ہوگیا کہ اب تو ہر وہ خطہ وطن اسلام کے اندر شامل ہوگیا جہاں پاکیزہ اصولوں کی فرماں روائی، راست عقائد کی حکمرانی اور نور ہدایت کی ضیا پاشی ہو۔

پھر اسلام جس وقت اپنے فرزندوں کو یہ درس دیتا اور ذہنوں میں یہ تصور جاگزیں کرتا ہے، اسی لمحہ یہ تاکید بھی کرتا ہے کہ وہ سرزمین اسلام کو ظالموں سے محفوظ رکھیں، شر پسند عناصر کے پنجے وہاں نہ پڑنے دیں۔ نہ دشمنان اسلام کے قدم ادھر بڑھنے دیں۔

راستہ لمبا ہے

مجھے امید ہے اخوانی دعوت کے سلسلے میں یہ مسلسل اور طویل گفتگوئیں، توضیح مقصد کے لیے کافی ہوں گی اور اس مقصد کے لیے جو خطوط کار ہم نے اپنائے ہیں وہ بھی اب واضح ہو گئے ہوں گے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے بہت سے غیور اور حساس فرزندان اسلام سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگوئیں کی تھیں، جو تقریباً اسی انداز کی تھیں۔

جن لوگوں سے میں مخاطب تھا، انھوں نے بڑی توجہ اور سنجیدگی سے ہماری گفتگوئیں سنی تھیں جس پر وہ شکریے کے مستحق ہیں۔ ہم بتدریج ایک ایک بات کو سمجھتے ہوئے چل رہے تھے،

یہاں تک کہ گفتگو ختم ہوئی تو ہم سب کے ذہن مطمئن تھے، کہ مقصد تو نہایت پاکیزہ و بلند ہے اور جو وسیلہ ہم نے اختیار کیا ہے اس کی کامیابی کے بھی روشن امکانات ہیں، البتہ راستہ لمبا اور سفر بہت دشوار ہے، خطرات کے پرے ہیں جو راستہ روکے کھڑے ہیں، آزمائشوں کے بادل ہیں جو سروں پر منڈلا رہے ہیں، جن کے تصور سے ہی دل بیٹھنے لگتے ہیں، ہمتیں پست ہونے لگتی ہیں اور عزم و حوصلے کے پاؤں پھولنے لگتے ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہیں معزز قارئین کے ذہنوں پر بھی وہی تاریک سائے نہ آجائیں۔ لہٰذا میں یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ حالات بہت امید افزا ہیں، مایوسی کی اس شب تاریک میں بھی امید و یقین کے بے شمار ماہتاب آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی کام یابی کے اتنے روشن امکانات پائے جارہے ہیں جو ہمیں سرگرم عمل کردینے کے لیے کافی ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور فتح و نصرت کے فرشتے ہم پر سایہ کریں گے۔ بلاشبہ تمام اختیارات کا مالک وہی ہے، پہلے بھی وہی تھا اور آج بھی وہی ہے۔

ماہرین عمرانیات کا بیان

ماہرین عمرانیات کا کہنا ہے کہ آج جو حقیقت ہے، کل وہ خواب تھا، آج جو خواب ہے کل وہ حقیقت ہوگا۔ واقعات کی زبان اس کی تائید کرتی ہے، اور عقلی دلائل اس کی حمایت میں ہیں، بلکہ سچ پوچھو تو انسانی ترقی کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسانیت کی ساری عظمتوں اور تمام کمالات کا راز یہی ہے۔ تم خود سوچو آج سے چند سال پہلے کسے اندازہ تھا کہ سائنسی دنیا اس حد تک ترقی کرسکے گی۔ ایجادات کی یہ ریل پیل ہوگی اور بازار اختراع میں یہ دھوم مچی ہوگی، بلکہ ابتداء میں تو خود سائنس دانوں کو اس کا یقین نہ تھا یہاں تک کہ یہ خواب ایک واقعہ بن گیا، اور دلائل کے لشکر نے اپنی کامیابی کا پرچم لہرایا۔ اس کی مثالیں بہت ہیں اور اس قدر واضح ہیں کہ ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

تاریخ کی شہادت

دنیا میں جن قوموں نے بھی ترقی کی ہے شروع میں وہ بہت ہی کمزور و گم نام تھیں، دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ ان کا ستارۂ قسمت کبھی نہ چمکے گا، ان کا آفتاب اقبال کبھی نہ طلوع ہوگا۔ ان کا چراغ بجھا کا بجھا رہے گا۔ مگر صبر و استقلال اور تدبیر و حکمت نے یہ اندازے غلط ٹھہرائے، وہ کمزور و

ناتواں اور بے سہارا قومیں ترقی کے بام عروج پر پہنچ گئیں، کامرانی کی ان بلندیوں تک پہنچ گئیں، جن کی وہ آرزومند تھیں۔ بھلا کسے یقین ہوسکتا تھا کہ اس جزیرۂ عرب سے، اس کے بے آب و گیاہ اور سنسان صحرا سے نور و معرفت کے چشمے ابلیں گے۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ روحانی ارتقاء اور سیاسی رسوخ کے اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ دنیا کی عظیم ترین سلطنت کو اپنے آگے سرنگوں کرلے گا۔

کسے گمان ہوسکتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ شفقت و دل سوزی کے پیکر، رقت و نرمی کے مظہر، بغاوتوں کے ہجوم میں ہوں گے، اور اعوان و انصار ان کے ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ اس کے باوجود سب کو جوش حمیت سے سرشار کر کے وہ ایک ہی دن میں گیارہ گیارہ لشکر روانہ کرسکیں گے جو باغیوں کی تادیب، بدد ماغوں کی تنبیہ، سرکشوں کی سرزنش اور ارتداد پسندوں کی سرکوبی کریں اور مانعین زکوۃ سے اللہ کا حق وصول کر کے دم لیں؟

کون کہہ سکتا تھا کہ آل علیؓ وعباسؓ کی وہ چھوٹی سی گم نام و بے نام ٹولی صبح و شام میں اس پرشکوہ سلطنت کو الٹ کر رکھ دے گی؟ حالاں کہ ایک دن وہ تھا جب اسے کہیں پناہ نہیں ملتی تھی، ہر آن اس کے سروں پر دھمکیوں کے بادل گرجتے تھے اور وہ تلواروں اور سنگینوں کی زد میں تھی۔

اور کون یہ تصور کرسکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کا چھوٹا سا ناتواں جسم برسہابرس تک کوہ گراں کے مانند اپنی جگہ ڈٹا رہے گا یہاں تک کہ سلاطین یورپ کو نہایت ذلت و بے آبروئی کے ساتھ الٹے پاؤں لوٹا کر دم لے گا۔ بیک وقت پچیس پچیس جابر و قاہر بادشاہوں سے مقابلہ ہوگا، زبردست لشکروں کا ہجوم ہوگا، آلات جنگ سے مسلح افواج کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہوگا لیکن وہ ان پر حاوی رہے گا؟

یہ تو تاریخ قدیم کے واقعات ہوئے۔ تاریخ جدید کے جیب و دامن بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ بھلا کسے گمان تھا کہ سلطان عبدالعزیز آل سعود جن کا خاندان جلاوطن کردیا گیا، اعزہ ملک بدر کردیے گئے، حکومت واقتدار سے بے دخل کردیے گئے وہ بیس سے کچھ زائد آدمیوں کی مدد سے کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرلیں گے اور آناً فاناً عالم اسلام کی آرزوؤں کا مرکز بن جائیں گے؟ اسلامی عظمت وسطوت کی بازیافت اور ملی وحدت کے احیاء کی ان سے امیدیں قائم کی جائیں گی؟ اور کون یہ باور کرسکتا تھا کہ وہ جرمن مزدور (ہٹلر) یہ عظمت وسطوت، یہ قوت واقتدار اور ایسی محیر العقول کامیابی حاصل کرسکے گا؟

کیا کوئی اور بھی راہ ہے

پھر مسئلے کے دو پہلو اور بھی ہیں، ان سے بھی ٹھیک یہی نتیجہ سامنے آتا ہے اور ایک غیور و باحمیت مومن کے دل میں جہد و عمل کا جذبۂ بے پناہ امنڈ نے لگتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ راستہ چاہے کتنا ہی لمبا ہو، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس پر ہمیں کسی استدلال کی ضرورت نہیں، زمانے کی گواہی اور تجربات کی شہادت اس کے لیے کافی ہے۔

فرض کی ادائی پہلے

دوسرے، ایک کارکن کے پیش نظر پہلے فرض کی ادائی ہونی چاہیے، اس کے بعد اجر آخرت کی نیت، پھر افادۂ عام کا خیال۔ اگر وہ کام کرتا ہے تو فرض سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے اور ثواب الٰہی سے بھی مالا مال ہوتا ہے بشرطے کہ اس کے تمام آداب و شرائط کا اس نے خیال رکھا ہو۔ اب جہاں تک افادے کا تعلق ہے تو یہ اللہ کے اوپر ہے، کیوں کہ بسا اوقات کوئی ایسی ساعت آجاتی ہے جو اس کے سان و گمان میں نہیں ہوتی اور اس وقت اس کے عمل کی برکت و افادیت کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔ ایک طرف یہ ہے، دوسری طرف اگر وہ عمل سے رک رہے، تو جرم کوتاہی الگ، اجر جہاد سے محرومی الگ، افادے کی حسرت الگ۔ اب خود سوچ لو، دونوں میں سے کیا بہتر ہے؟
قرآن کریم نے تو اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے:

لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۶۴، ۱۶۵)

”تم ایسوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں یا تو خدا ہلاک کر کے چھوڑے گا یا نہایت سخت سزا دے گا۔ انھوں نے کہا، تاکہ تمھارے رب کے سامنے معذرت کر سکیں اور کیا معلوم، ہوسکتا ہے وہ ڈرنے لگیں، تو جب انھوں نے ان باتوں سے اعراض کیا جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی، تو جو لوگ بدی سے روکتے تھے، انھیں ہم نے بچالیا اور جو ظالم تھے انھیں ہم نے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا کہ وہ نافرمانی کیے جاتے تھے۔“

ایک اٹھتی ہوئی امت کی کہانی

ضعف و ناتوانی

اس وقت ہمارے سامنے ایک جبار و متکبر بادشاہ ہے، جو بندگان خدا پر خدائی جتاتا ہے، ان کی قوت کو بے دردی سے کچلتا ہے، انھیں تابع و محکوم بنا کر ان سے بے گار لیتا ہے۔ دوسری طرف ایک نیک سیرت اور معزز قوم ہے جو اس بے رحم کا نشانۂ ستم، مدت سے مبتلائے الم اور سرتا بہ قدم ایک نالۂ غم ہے۔ پھر کتاب فطرت کا صفحہ الٹتا ہے، مشیت ایزدی کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس معزز قوم کے دن پھریں، اس کی آزادی واپس ملے۔ عزت و کرامت کا جو تاج سر سے اتر گیا ہے، وہ تاج دوبارہ اس کے سر کی زینت بنے، مجد و شرف کا جو قلعہ ڈھے گیا ہے وہ از سر نو تعمیر ہو، عظمت و بزرگی کے جو آثار مٹ گئے ہیں وہ پھر سے اجاگر ہوں چنانچہ اس قوم کی صبح آزادی طلوع ہوتی ہے۔ قائد حریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک بچۂ شیر خوار کی صورت میں نمودار ہوتی ہے:

نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآئَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ٥ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ٥ وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ (القصص: ۳۔۶)

”ہم تمہیں موسیٰ و فرعون کی سرگزشت سناتے ہیں، بالکل ٹھیک ٹھیک، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔ بے شک فرعون نے سرزمین (مصر) میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں والوں کو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا۔ وہ ان میں سے ایک طبقے کی کمر توڑ رہا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا، اور ان کی عورتوں (لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا۔ بلاشبہ وہ مفسدین میں سے تھا اور ہم چاہتے تھے کہ جن لوگوں کی اس سرزمین میں

کمر توڑی جارہی تھی ان پر احسان کریں۔اور بنادیں انھیں سردار وپیشوا،اور بنادیں انھیں ملک کا وارث اور زمین میں انھیں غلبہ وتمکن عطا کریں۔''

قیادت

اب وہ قائد ہمارے سامنے ہے۔قوت کا شباب ہے،جوبن کا ابھار ہے،طبیعت ظلم سے بےزار ہے،وہ زیادتی کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے،بالآخر وہ متاع حریت کو سینے سے لگائے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔اب رحمت الٰہی اس کی سرپرستی کرتی ہے،اس کارعظیم کے لیے اسے تیار کرتی ہے،اس پر رسالت کی ذمے داریاں ڈالتی ہے،جنگ آزادی پر اسے مامور کرتی ہے۔وہ ایمان ویقین سے سرشار وہاں سے واپس آتا ہے،جبار سے آنکھیں چار کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ قوم کی متاع آزادی واپس کرے،اس کی عزت وکرامت کی خلعت اس کے حوالے کرے اور اس پر ایمان لاکر اس کی پیروی کرے۔اس موقع پر رسول عظیم کا وہ چبھتا ہوا طنز بھی کتنا دل کش ہے،کہ وہ جبار تلملا کر رہ جاتا ہے:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَo(الشعراء:۲۲)

''اور کیا یہی احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔''

اے سرکش!اے نشۂ اقتدار سے بدمست!یہ تو اللہ کے بندے ہیں نہ کہ تیرے،آیا مجھ پر یہ احسان جتا رہا ہے کہ تو نے میری قوم کو غلام بنا رکھا ہے،میری امت کو ذلیل کر رہا ہے اور انسانوں کو جانوروں کی طرح جوت رہا ہے؟

یہ حق کی چیخ تھی،جو اس نبی کریم کے منھ سے بلند ہوئی اور باطل کا کلیجہ چیر گئی،اس جبار کا تخت ہلنے لگا،ایوان سلطنت لرزنے لگا۔

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَo**اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ** o **قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ**o**وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ**o **قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ**o**فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ**o **وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ**o(الشعراء:۱۶۔۲۲)

''تو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم رب العالمین کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔(اس لیے آئے ہیں) کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔اس نے کہا، کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے بچپن سے اپنے درمیان تمہاری پرورش کی اور تم برسوں ہمارے یہاں رہے اور تم نے وہ حرکت کی جو کی، بلاشبہ تم نہایت احسان فراموش ہو،انھوں نے کہا، مجھ سے وہ حرکت اس وقت سرزد ہوئی تھی، جب کہ میں حق سے بے خبر تھا، تو جب مجھے تم سے اندیشہ ہوا تو میں تم سے بھاگ کھڑا ہوا، پھر مجھے میرے رب نے حکمت سے نوازا اور مجھے پیغمبروں میں سے بنا دیا۔اور کیا یہی احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے، کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟''

کشمکش

اقتدار وقت اب چراغ پا ہے۔آنکھوں میں خون اتر آیا ہے، وہ حق پر بری طرح پل پڑا ہے۔بے دردی سے دل کی بھڑاس نکال رہا ہے، نہایت بے رحمی سے اہل حق کو ستا رہا ہے۔ظلم کی چکی میں پیس رہا ہے۔پھر اہل حق کی استقامت دیکھو کہ وہ کس طرح پامردی سے ساری اذیتیں جھیل رہے ہیں، ان کے رہ نما حسین آرزوؤں کے گلزار سجا کر، شیریں تمناؤں کی جنت دکھا کر ان کے پیر جما رہے ہیں کہ کہیں سے پست ہمتی نہ آئے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ،قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ ۔قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O (الاعراف:۷، ۱۲۷، ۱۲۸)

''اور قوم فرعون کے جو سردار تھے، کہنے لگے، کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہیں گے کہ وہ زمین میں بگاڑ پھیلائیں۔اور وہ آپ سے اور آپ کے خداؤں سے دست کش رہے؟ اس نے کہا، ہم ان کے لڑکوں کو تو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں؟ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو، زمین تو خدا کی ہے وہ اپنے

بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور آخری کامیابی تو متقین کی ہی ہونی ہے۔"

ایمان

اور یہ منظر کس قدر حسین، کتنا دل کش، کیسا وجد آفریں، کتنا نشاط انگیز اور ناقابل فراموش ہے کہ اس عظیم رہ نما کے پیرو، اس کی دعوت کے ہیرو، صبر و ثبات کے پیکر بنے ہوئے حق کو سینے سے لگائے ہوئے ایمان و عقیدہ کی راہ میں سب کچھ جھیل رہے ہیں، ہر چیز ان کی نگاہوں میں ہیچ ہے، حتی کہ زندگی کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ جذبہ سرفروشی سے بے تاب ہو کر وہ اس جبار کو چیلنج بھی کر دیتے ہیں:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ،اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطَایَا نَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ، وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰیo(طٰہٰ:۷۳)

"تو جو کچھ کرنا ہو، کرے۔ تو اسی زندگی میں تو کچھ کر سکتا ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ تو نے ہم سے جو زبردستی جادو کرایا ہے اس سے درگزر کرے اور اللہ ہی بہتر ہے، وہ سدا رہنے والا ہے۔"

غلبہ و کامرانی

یہ تمام مناظر گزر گئے۔ اب پانچواں منظر سامنے ہے۔ آخری فیصلہ، آخری نتیجہ، آخری انجام، کیا جانو تم وہ کیا ہے؟ فوز و فلاح، غلبہ و کامرانی، مژدۂ نصرت، مظلوم خوابوں کی تعبیر، دیرینہ تمناؤں کی تکمیل اور اس وقت شہنشاہ حق کی پر جلال آواز سے ساری کائنات گونج اٹھتی ہے:

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ(طٰہٰ:۸۰)

"اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی۔"

نور کی طرف

پیش لفظ

رجب ۱۳۶۶ھ میں اخوان کے مرشد عام امام حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مصر و سوڈان کے فرماں روا شاہ فاروق اول اور وزیر اعظم مصطفیٰ نحاس پاشا کے نام یہ نامہ ارسال فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ عالم اسلام کے مختلف امراء و حکام اور سلاطین کے پاس بھی یہ مکتوب گیا تھا۔ ان ممالک میں جو دوسری نمایاں شخصیتیں تھیں، ان کے پاس بھی یہ نامہ ارسال کیا گیا تھا، آج ہم پھر اسے زیور طبع سے آراستہ کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں جو ہدایات اور مشورے ہیں، وہ آج بھی ہر مسلم کے دل کی آواز ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے حالات ساز گار فرمائے اور ایسے ہاتھ بہم پہنچائے جو ان خاکوں میں رنگ بھر سکیں۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً، وَّھَیِّیٔ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔

پایۂ تخت قاہرہ　　　　رجب ۱۳۶۶ھ

جناب.......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب عالی میں، یہ نامہ ارسال کرنے کی محرک بس یہ شدید آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس امت کا سربراہ بنایا ہے، اس ''نئے دور'' میں جس قوم کی زمام آپ کے ہاتھ میں دی ہے اس کی صحیح رہ نمائی ہوتا کہ وہ سب سے بہتر راہ پر گامزن ہو۔ اس کے سامنے ایسے خطوط کار اور نقوش راہ نمایاں کیے جائیں جو اس کے لیے خیر وبہتری کے ضامن ہوں ۔تزلزل اور اضطراب سے اسے نجات دیں اور جاں کاہ طویل تجربات سے محفوظ رکھیں۔ یہ نامہ تحریر کرنے کی غرض اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں چاہتے کہ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو جائیں۔ نصح وخیر خواہی کا جو حق ہم پر عائد ہوتا ہے اس کو ادا کر دیں ورنہ کسی اور چیز کی ہمیں تمنا نہیں کہ اللہ کا انعام سب سے بہتر اور لازوال ہے۔

امیر کی ذمے داری

جناب.......

اللہ تعالیٰ نے یہ امت آپ کے سپرد کی ہے، اس کے نیک وبد کا آپ کو ذمہ دار بنایا ہے۔ اس کا حال اور مستقبل آپ کے ہاتھ میں امانت ہے، اللہ کے یہاں اس سلسلے میں آپ کو جواب دہ ہونا ہے۔ اگر موجودہ نسل آپ کا لشکر ہوگی تو آیندہ نسل آپ کی شاخ عمل کا ثمر

ہوگی۔اللہ اکبر! پوری ایک امت کی جواب دہی ! کتنی زبردست امانت ہے یہ !! کیسی عظیم ذمہ داری ہے یہ!!

وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

''تم میں سے ہرایک ذمہ دار ہے، اور ہرایک اپنی رعایا کا جواب دہ ہے۔''

بہت پہلے امام عادلؓ نے فرمایا تھا: ''اگر عراق میں کوئی خچر بھی ٹھوکر کھا جائے تو میں اللہ کے یہاں جواب دہ ہوں گا، کہ میں نے اس کے لیے راستہ ہموار کیوں نہ کیا تھا۔''

امام اعظم حضرت عمرؓ نے تو ایک ہی جملے میں ساری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے:

لَوَدِدْتُ اَنْ اَخْرُجَ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِيْ وَلَا عَلَيَّ

''میری آرزو تو یہ ہے کہ اس ذمے داری کے حساب سے برابر سرابر پر ہی چھوٹ جاؤں، نہ مجھے کچھ ملے، نہ میرے اوپر کچھ آئے۔''

کچھ ابتدائی باتیں

(الف) تبدیلی کا دور

قوموں کی زندگی میں سب سے اہم اور نازک دور وہ ہوتا ہے جس میں قومیں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتی ہیں۔یہی وقت ہوتا ہے جب نئے عہد کے لیے نئے دستور بنتے ہیں۔وہ خطوط متعین ہوتے ہیں جن کے مطابق قومی زندگی کے اگلے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔وہ قانون اور ضابطے تیار ہوتے ہیں جن کی روشنی میں قومی ڈھانچے کی تشکیل ہوتی ہے۔اب اگر یہ خطوط اور یہ ضابطے صالح ہیں، صحیح اور روشن ہیں تو اس قوم کو بشارت دو کہ اس کی عمر دراز ہوگی، وہ بڑے بڑے کارناموں سے سرفراز ہوگی اور جو لوگ بہشت کامرانی کی طرف اسے لے چل رہے ہوں، گل ہائے سعادت سے اس کے دامن بھر رہے ہوں، انھیں مژدہ سناؤ کہ اللہ کے یہاں وہ اجر عظیم سے ہم کنار ہوں گے، ان کا نام ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔نیک نامیوں کے حسین تاج ان کے سروں پر رکھے جائیں گے اور تاریخ انھیں کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

(ب) دوراہے پر

ہماری اس مہم کے دو جزو تھے۔

(۱) امت کو سیاسی بیڑیوں سے نجات ملے، اسے آزادی حاصل ہو عزت وسیادت کا جو تاج اس سے چھن گیا ہے وہ تاج دوبارہ اس کے سر کی زینت بنے۔

(۲) اس کی از سر نو تعمیر ہو، تاکہ وہ بھی دوسری قوموں کے درمیان اپنی راہ نکال سکے۔ اجتماعی ترقی کی دوڑ میں ان کے دوش بدوش چل سکے۔

اس وقت مسلح جنگ نے ایک مدت کے لیے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور اب یہ امت ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ اس وقت آپ کے سامنے دو راستے ہوں گے۔ ہر راستہ آپ کو اپنی طرف مائل کرے گا، وہ دعوت دے گا کہ آپ امت کو اسی پر لے چلیں، اسی کے خطوط پر اپنے قومی سفر کا آغاز کریں، ان میں سے ہر راستے کی کچھ خصوصیات ہیں، کچھ آثار وعلائم ہیں، کچھ عواقب و نتائج ہیں، کچھ ماننے اور سراہنے والے ہیں۔ پہلا راستہ اسلام کا ہے، اس کے اصول واحکام کا ہے، یہی راستہ ہمارا راستہ ہے، ہماری امت کا بھی راستہ ہے۔ اس نسل کا اور آنے والی نسل کا بھی راستہ ہے۔ اسی راستے کو اختیار کرنا اور پوری امت کو اس پر لے چلنا ہمارا فرض ہے۔

(ج) اسلامی نظام کے فائدے

جب امت کو ہم اس راہ پر لے چلیں گے تو ہمیں گوناگوں فائدے حاصل ہوں گے۔ اسلامی نظام پہلے کا آزمودہ ہے، تاریخ اس کا مدتوں تجربہ کر چکی ہے۔ وہ ماضی میں ایک ایسی امت برپا کر چکا ہے جو سب سے زیادہ طاقت ور، سب سے زیادہ بہتر، سب سے زیادہ رحم دل، سب سے زیادہ شفیق ودردمند اور انسانیت کے حق میں سب سے زیادہ باعث خیر وبرکت تھی۔ دلوں میں اس نظام کا وہ مقام اور وہ تقدس ہے کہ اسے اختیار کرنا، اس کو سمجھنا، اس کی آواز پر لبیک کہنا اور اس کی راہ پر گامزن ہونا سب کے لیے آسان ہوگا، اس وقت کوئی قومیت پر فخر کرے گا نہ خالص وطنیت کے گن گائے گا، اس لیے کہ ہم اپنی زندگی کی تعمیر خود اپنے اصولوں پر کریں گے۔ اغیار سے ہم کچھ نہیں لیں گے نیز اس وقت ہمیں سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں قومی اور اجتماعی آزادی بھی حاصل ہو سکے گی۔

اس نظام کو اپنانے سے عربی وحدت، پھر اسلامی وحدت کو بھی زبردست استحکام حاصل ہوگا۔ اس وقت سارے عالم اسلام کا ہم سے جذباتی وروحانی تعلق ہوگا، سب کی ہم دردیاں، سب کی دل سوزیاں، شفقتیں اور تائیدیں ہمارے ساتھ ہوں گی، وہ جذبۂ اخوت کے تحت ہماری مدد کریں گے اور ہم سے بھی یہی توقع رکھیں گے۔ یہ ایک ایسا زبردست فائدہ ہوگا جسے کوئی عاقل نظر انداز نہیں کر سکتا۔

پھر یہ نظام بہت ہی جامع وکامل نظام ہے۔ عام ملی زندگی کے لیے بہتر سے بہتر اصول وقوانین دینے کا ضامن ہے۔ عملی میدان میں بھی ہمارا کفیل ہے، اور روحانی نقطۂ نظر سے بھی ہمارا رہ نما ہے۔

یہ وہ خصوصیت ہے، جس میں اسلام منفرد ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، وہ قومی نظام کے لیے دو اہم بنیادیں فراہم کرتا ہے: ''اچھے کو لے لو، برے کو چھوڑ دو، مفید کی قدر کرو، مضر کو ٹھکرا دو۔''

جب ہم اس راستے پر گامزن ہوں گے تو زندگی کی بہت سی پیچیدگیوں سے بچ جائیں گے۔ ان تمام مسائل سے نجات پا جائیں گے جن سے آج کی وہ تمام قومیں دوچار ہیں، جو اس راستے سے ناآشنا ہیں، بلکہ اس وقت ہم بہت سی ان گتھیوں کو بھی سلجھا سکیں گے جن کو سلجھانے سے موجودہ نظام عاجز ہیں۔ یہاں برنارڈ شا کا یہ تأثر قابل ذکر ہے:

''انسانیت اپنے اس نئے عہد میں ''محمدؐ'' جیسے انسان کی کتنی شدید ضرورت مند ہے جو اس کی پیچ در پیچ گتھیاں قہوہ کا ایک فنجان پیتے پیتے سلجھا دے۔''

مزید آں جب ہم اس راہ پر گامزن ہوں گے تو خدا کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہوگی جو کمزوری میں قوت پہنچائے گی، مصیبتوں میں سہارا دے گی، دشواریوں کو آسان کر دے گی اور ہمیشہ ہمیں ترقی کی طرف رواں دواں رکھے گی۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ، اِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُوْنَ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۰۴)

''اور تم ان کفار کا تعاقب کرنے سے ہمت نہ ہارو، اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم

رسیدہ ہیں جس طرح تم الم رسیدہ ہو، اور تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

(د) مغربی تمدن کی زبوں حالی

یہ بحث ناتمام رہے گی اگر ہم ایک اور گوشہ بے نقاب نہ کر دیں۔ مغربی تمدن جو ایک زمانے تک اپنی علمی اور سائنسی آب و تاب دکھاتا رہا، جس نے سائنسی ایجادات کی بدولت سارے عالم کو سرنگوں کر لیا۔ آج اس کی ساری حکومتیں بری طرح مفلسی اور پسپائی کا شکار ہیں، اس کے اصولوں کے قلعے منہدم ہو رہے ہیں۔ نظریات کے شیش محل چکنا چور ہو رہے ہیں۔ یہ سیاسی نظام ہیں جو ڈکٹیٹر شپ کے ہاتھوں درہم برہم ہو رہے ہیں۔ یہ معاشی نظام ہیں جو اقتصادی بحران کے پاؤں تلے بلبلا رہے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں بے روزگار، فاقہ کش اور پریشان حال روحوں کی دردناک چیخیں ان کے خلاف احتجاج کر رہی ہیں۔ ان کے معاشرتی نظاموں کے خلاف جگہ جگہ سے شورشیں اور بغاوتیں ہو رہی ہیں۔

اہل مغرب حیران ہیں، ان کی عقلیں پریشان ہیں، راستے مسدود ہیں، ساری تدبیریں بے سود ہیں۔ کانفرنسیں ہوتی ہیں، پر کوئی حاصل نہیں۔ معاہدے چاک ہو رہے ہیں، وعدوں کے پرزے اڑ رہے ہیں، ان کی انجمن اقوام اب ایک ڈھانچہ ہے جس میں روح نہیں۔ وہ اثر و رسوخ سے محروم ہے۔ آج ان کا سب سے بڑا سربراہ کاٹھ کا الو ہے، جسے کوئی اختیار نہیں، اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ بھی اوروں کے ساتھ معاہدۂ امن پر دستخط کر دے، اور بس۔

اور نہ جانے کن کن ہاتھوں سے رخسار مغرب پر طمانچے لگ رہے ہیں۔ اس طرح ان بے رحم سیاستوں کے ہاتھوں آج سارا عالم پریشان ہے۔ آج اس کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے موجوں کے تلاطم میں کوئی جہاز ہو، ہر طرف سے طوفانی ہواؤں کی یلغار ہو اور ناخدا گم صم اور حیران ہوں۔

آج ساری انسانیت ہیجان و اضطراب سے دوچار اور شقاوت و نحوست کا شکار ہے۔ اس نے مفاد پرستی اور مادیت کی آتشیں سلاخوں سے اپنا پورا جسم داغ لیا ہے۔ آج وہ دین حنیف کے شیریں آب دہن کی سب سے زیادہ ضرورت مند ہے تاکہ شقاوت و نحوست کے یہ پھوڑے مندمل ہوں اور وہ غسل صحت کر کے جام سعادت نوش کر سکے۔

کسی دور میں دنیا کی قیادت خالص مشرق کے ہاتھوں میں تھی، پھر روم و یونان کے عروج سے مغرب کے ہاتھ میں چلی گئی۔ پھر مشرق زبردست مدہوشی کا شکار ہوا، اور مغرب میں نئی بیداری کی لہر اٹھی۔ اس طرح اٹل سنت الٰہی نے اپنا کام کیا، اور عالمی قیادت پھر مغرب کے ہاتھوں میں آ گئی۔

اب مغرب ہمیں ظلم و ستم کی چکی میں پیس رہا ہے۔ وہ سرکشی اور گھمنڈ کے نشے میں بدمست ہے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ کوئی زبردست ''مشرقی'' قیادت آگے بڑھے، جس کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا ہو، سر پر قرآن کا سایہ ہو اور ساتھ میں زبردست ایمانی پلٹن ہو۔ پھر تو تم دیکھو گے کہ دنیا اسلام کی آغوش میں ہے۔ عیش و مسرت کی فردوس میں، سکون و اطمینان کی جنت میں اور سارے عالم کی زبان پر یہ ترانۂ حمد ہے:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَاكُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ؕ (الاعراف: ۴۳)

''خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کا راستہ دکھایا۔ اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم کہاں یہ راستہ پا سکتے تھے؟''

یہ کوئی خیال آرائی نہیں، یہ تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے جو ہمارے ذریعے نہ پورا ہوا تو عن قریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائے گا جو اسے محبوب ہوں گے، وہ انھیں محبوب ہو گا۔ مومنین کے لیے وہ نرم ہوں گے، کافروں کے لیے سخت ہوں گے، راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی پروا نہیں کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، اس سے نوازتا ہے۔ (فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ، یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ) (المائدہ: ۵۴)

البتہ تمنا تھی کہ یہ سرفرازی ہمیں ملتی، عزت و کرامت کی یہ خلعت ہم پر راست آتی اور اس نامۂ عز و شرف کی پیشانی پر ہم یہ لکھتے:

وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ (القصص: ۶۸)

''تمہارا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے چنتا ہے۔''

اسلام ترقی پزیر قوم کی ضروریات کا کفیل ہے

ایک ابھرنے والی قوم جن اصولوں اور نظاموں، جن عزائم اور ارادوں، جن حوصلوں

اور ولولوں کی ضرورت مند ہوتی ہے، پھر اسلام جس خوبی وکمال کے ساتھ اس کی اس ضرورت کی تکمیل کرتا، اس کے اس خلا کو پر کرتا، اس کی اس تشنگی کو دور کرتا اور اس کی آسودگی کا سامان بہم پہنچاتا ہے، وہ بس اسلام کا حصہ ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا نظام اس میں اس کا شریک اور اس میدان میں اس کا حریف نہیں۔ قرآن کریم نے تو خصوصیت کے ساتھ اس پہلو کو ابھارا اور ان گلوں سے اپنے طاقوں کو سجایا ہے، کبھی اجمال اور کبھی تفصیل کے سات اس کی تمثیلیں پیش کی ہیں اور ان پہلوؤں پر اتنی وضاحت سے گفتگو کی ہے کہ کوئی بھی قوم ان سے فائدہ اٹھائے تو اپنی آرزوؤں کی جنت میں پہنچ جائے، کوئی بھی قوت راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

(۱) اسلام اور عزم ویقین

ایک ترقی پزیر قوم، بے پناہ عزم ویقین اور زبردست جوش وولولے کی ضرورت مند ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اپنے پیروؤں کو ان جذبات سے اس طرح مالا مال کیا ہے کہ مردہ و بے جان قوم بھی زندگی کی امنگوں اور عزم ویقین کے ولولوں سے سرشار ہو جائے اور اس کے تاریک آسمانِ وجود پر امیدوں اور آرزووں کے بے شمار تارے جگ مگانے لگیں۔ حد یہ ہے کہ اس نے یاس کو کفر اور ناامیدی کو گمراہی کہا ہے۔ ایک کمزور سے کمزور امت بھی جب یہ آیت سنے گی:

وَنُرِیْدُ اَنْ نَمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ، وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (القصص:۵)

''اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جن کا زمین میں زور گھٹایا جارہا تھا، اور بنادیں انھیں امام اور بنادیں انھیں ملک کا وارث، اور زمین میں انھیں غلبہ وتمکن عطا کریں۔''

تسلی ودل جوئی کے یہ کلمات جب اس کے کانوں میں گونجیں گے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ط (آل عمران:۱۴۰)

''اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، اگر تم مومن ہو کہ سربلند تو تم ہی ہو، اگر تمھیں کوئی چوٹ پہنچتی ہے تو آخر دشمن کو بھی تو اسی طرح کی چوٹ پہنچی ہے۔ یہ ایام اسی طرح ہم لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی یہ جاں نواز اور حیات بخش آیتیں جب اس کے کانوں میں رس گھولیں گی:

هُوَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ مَاظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَاَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ٥ (الحشر: ۲)

''وہی ہے جس نے کافر اہل کتاب کو پہلی ہی لشکر کشی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمھیں توقع نہ تھی کہ وہ نکلیں گے۔ اور انھیں بھی یقین تھا کہ ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچالیں گے۔ تو اللہ نے انھیں اس طرح آلیا کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں اجاڑنے لگے تو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔''

اللہ تعالیٰ کے اس ولولہ انگیز ارشاد سے جب اس کے کان مانوس ہوں گے:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ ٥ (البقرہ: ۲۱۴)

''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالاں کہ ابھی تمھیں ان حالات سے سابقہ پیش نہیں آیا، جن سے تمہارے اگلوں کو پیش آیا۔ ان کو طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے بلبلا اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو، اللہ کی مدد قریب ہے۔''

ایک کمزور سے کمزور امت بھی جو دنیا میں ابھرنے اور ترقی کرنے کی تمنا رکھتی ہو جب یہ خوش خبریاں سنے گی اور اس کی واقعاتی مثالوں کا مطالعہ کرے گی تو لازماً وہ ایمانی اور روحانی قوتوں سے معمور ہو جائے گی۔ فکری اور جذباتی توانائیوں میں سب سے آگے نکل جائے گی۔ اس کے اندر مشکلات میں بے خطر کود پڑنے اور سنگین سے سنگین حوادث سے پنجہ آزمائی کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا اور پھر وہ عروج و کمال کی جن بلندیوں تک پہنچنا چاہے گی پہنچ کر رہے گی۔

(ب) اسلام اور قومی مجد

ابھرنے والی قوموں کے لیے ضروری ہے کہ انھیں اپنی شخصیت اور حیثیت پر فخر ہو، وہ ایک ایسی بلند اور صاحب مجد قوم کی حیثیت سے سامنے آئیں جو اپنی کچھ خصوصیات و امتیازات رکھتی ہو، کارناموں کی ایک روشن تاریخ رکھتی ہو، تاکہ فرزندان قوم کے دلوں میں اس طرح اس کا نقش بیٹھ جائے کہ وہ اس مجد وشرف پر اپنی جانوں سے فدا ہوسکیں، اس کے لیے سردھڑ کی بازی لگا سکیں، وطن عزیز کی خیر وسعادت اور عزت وسربلندی کے لیے اپنا سب کچھ لٹا سکیں۔ مگر یہ تصور قومیت تم کہیں بھی اس شان سے نہیں پاؤ گے جس شان سے اس دین حنیف میں نظر آئے گا۔ ایک ایسا روشن تصور جس میں شفقت ورحمت کی خنکی بھی ہے، عدل وانصاف کی جاں نوازی بھی ہے اور عظمت و کرامت کی سربلندیاں بھی ہیں۔ بھلا وہ امت جس کے لیے پہلے ہی سے خدا نے عز وشرف کی سربلندیاں لکھ دی ہوں اور کتاب حکیم میں جابجا اس کے تذکرے کیے ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰)

”تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کی رہ نمائی کے لیے منظر عام پر لائی گئی ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ:۱۴۳)

”اسی طرح ہم نے تمھیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:۸)

”حالاں کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لیے ہے۔“

جس امت کو یہ اعزاز وامتیاز حاصل ہو، کیا وہ امت سب سے زیادہ اس بات کی سزاوار نہ ہوگی کہ وہ اس خدائی اعزاز وامتیاز پر دنیا ومافیہا کو قربان کردے؟

نئی قوموں نے بھی اپنے نونہالوں کے اندر یہ روح پھونکنے اور یہ شعور بیدار کرنے کی

کوششیں کیں چنانچہ کبھی تو ہمارے کانوں سے یہ آوازیں ٹکرائیں۔ ''ساری دنیا کی شہنشاہی ہے اٹلی کے لیے۔'' کبھی فضا میں یہ غلغلہ بلند ہوا: ''جرمنی ہے حکمرانی کے لیے'' اور کبھی ان فلک شگاف نعروں سے سارا عالم گونج اٹھا: ''سارے عالم کا خدا ــــــ برطانیہ، برطانیہ۔'' مگر جو شعور اسلام پیدا کرتا ہے، اور جو شعور یہ فقرے اور یہ نظریے پیدا کرتے ہیں، ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مسلم کا شعور تو بلند ہوتے ہوتے خدا سے جاملتا ہے۔ جب کہ دوسروں کا شعور حدود گفتار سے آگے نہیں بڑھتا۔ پھر اسلام نے اس شعور کی غایت بھی متعین کر دی ہے اور اس کا شدت سے التزام کیا ہے۔ اس نے صاف صاف بتایا ہے کہ وہ غایت نسلی تعصب یا جھوٹا فخر و ناز نہیں ہے کہ اس کے پیش نظر تو دنیا کی رہ نمائی اور انسانیت کی بہی خواہی ہے:

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

''معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

گویا اس کی غایت ہے نیکی کی اشاعت، بدی سے عداوت، بلند قدروں کا احترام اور ہر کام میں اس کا التزام۔ یہی وجہ ہے کہ اس سیادت و سر بلندی کے احساس نے مسلم اسلاف کو عدل و انصاف اور رحمت و دل سوزی کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا تھا جس کا کوئی تصور کر سکتا ہے، جب کہ مغربی اقوام کے ذہنوں میں سیادت کا جو تصور ہے اس کی غایت غلط اور خطا کار عصبیت کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں اور کمزوروں پر دست درازی سے زیادہ لذیذ چیز ان کے لیے کوئی نہیں۔ گویا قومیت و وطنیت کی جو خوبیاں تھیں وہ اسلام میں آگئیں اور فرزندان اسلام کے ذہن و دماغ میں پیوست ہو گئیں۔ مگر جو برائیاں اور بدعنوانیاں تھیں وہ دوسروں کے لیے رہ گئیں۔

پھر اسلام نے وطن اسلامی کے حدود کو بھی بڑی وسعت دی اور اس کی خیر خواہی اور آزادیِ وطن کی راہ میں ایثار و قربانی کی شدت سے تاکید کی۔ چنانچہ اسلام کی نگاہ میں مسلم کا سب سے پہلا وطن تو وہ خاص خطہ ہے جہاں اس نے آنکھیں کھولیں۔ پھر دوسرے اسلامی ممالک بھی اس کے دائرے میں آجاتے ہیں کہ وہ سب بھی مسلم کا وطن ہیں، پھر اس کے ڈانڈے اس قدیم اور عظیم مسلم سلطنت سے بھی جا ملتے ہیں جو اسلاف کے خون مقدس سے وجود میں آئی تھی، جس کی فضاؤں میں انھوں نے خدائی پرچم لہرایا تھا اور جہاں کے آثار و نشانات آج بھی ان کی عظمت

وسطوت کے قصے اور مجد وشرف کی داستانیں سناتے ہیں۔ان تمام اقالیم کے بارے میں خدا کے ہاں مسلم جواب دہ ہوگا کہ اس نے ان کی بازیابی کے لیے جدوجہد کیوں نہ کی؟

پھر مسلم کا وطن اس سے بھی آگے بڑھ کر ساری دنیا کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے۔چنانچہ دیکھو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ط (البقرہ: ۱۹۳)

''اور تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کہیں بھی فتنہ (نظام شرک) باقی نہ رہے۔اور ساری اطاعت اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

اس طرح اسلام محدود تصور وطنیت کو آفاقی تصور وطنیت کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے۔اس کے یہاں دونوں تصورات ایک دوسرے سے آکر مل جاتے ہیں۔اور سچ پوچھو تو ساری انسانیت کی کامرانی بھی اسی میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط (الحجرات: ۱۳)

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی صورت میں کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔''

(ج) اسلام اور فوجی طاقت

اسی طرح ترقی کرنے والی قومیں ضرورت مند ہوتی ہیں کہ ان کے پاس عسکری قوت ہو، بچے بچے میں سپاہیانہ جوش ہو، جوانوں میں سرفروشانہ امنگیں ہوں، خصوصاً اس دور میں تو یہ چیز اور زیادہ ضروری ہے کہ آج تو جنگی تیاریوں کے بغیر صلح وسلامتی کی کوئی ضمانت نہیں۔آج کا ذہن تو یہ ہے کہ:

''اپنا حق منوانے کا بے خطا نسخہ، بلکہ سب سے عمدہ ذریعہ طاقت ہے۔''

اسلام نے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ اسے ایک اہم فرض قرار دیا ہے۔اس نے جو اہمیت نماز روزے کو دی ہے، بالکل وہی اہمیت اسے بھی دی ہے، بلکہ سچ پوچھو تو دنیا میں کوئی بھی ایسا نظام نہیں ہے جس نے اس پہلو پر اتنی توجہ دی ہو، جتنی اسلام نے دی ہے۔قرآن پاک

کی آیات ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہوں یا آپؐ کی پاک سیرت، ہر جگہ یہ حقیقت جلوہ گر نظر آئے گی۔ اسلام جیسا نظام نہ پہلے کبھی تھا اور نہ آج کہیں ہے۔ درج ذیل آیات میں یہ حقیقت کس قدر نمایاں ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۔ (الانفال:۶۰)

''اور جہاں تک ہو سکے تم فوج اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے ان کے لیے تیار رکھو، تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر سکو۔''

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ (البقرہ:۲۱۶)

''تم پر کفار سے جنگ فرض کی گئی اور وہ تمہیں ناگوار ہے، بہت ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناگوار خیال کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسندیدہ چیز سمجھو اور وہ تمہارے لیے بری ہو۔''

اور کیا تم نے کسی کتاب مقدس میں کوئی ایسا عسکری فرمان دیکھا ہے جس کی ذکر و نماز اور عبادات و مناجات میں اس طرح تلاوت ہوتی ہو؟ جس طرح اس فرمان کی ہوتی ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ۔ (النساء:۷۴)

''تو جو لوگ اس زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کریں، انھیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑیں۔''

اس کے بعد اس کے انعام کا ذکر ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء:۷۴)

''اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا تو وہ مارا جائے یا غالب رہے، اسے جلد ہی ہم اجر عظیم سے نوازیں گے۔''

پھر اس پاکیزہ ترین جذبے کو مہمیز لگائی جاتی ہے، جو فطرت انسانی میں ودیعت ہے۔ یعنی اہل و عیال کی حمایت اور وطن کی حفاظت کا جذبہ۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَالَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًاo(النساء:۷۵)

''تم خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر کیوں نہیں لڑتے جو دعائیں کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا، اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

پھر اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان کا مقصد کس قدر پاکیزہ و بلند ہے اور دشمن کا مقصد کس قدر گھٹیا اور حقیر ہے، تاکہ ذہن میں یہ احساس رہے کہ وہ زندگی جیسی چیز تو قربان کرنے جا رہے ہیں مگر عوض میں جو چیز ملے گی وہ کتنی گراں قدر ہوگی جو اس قیمت کی سزاوار بھی ہے اور اسی سے نمو پزیر بھی اور وہ ہے اللہ کی خوش نودی جب کہ دوسرے لوگوں کی جنگوں کی کوئی غایت ہی نہیں۔ لہٰذا وہ بودے اور ذلیل لوگ ہیں۔ فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطَانِ ، اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًاo(النساء:۷۶)

''جو ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، تو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو، شیطان کا داؤ تو بہت بودا ہوتا ہے۔''

پھر ان لوگوں کی سرزنش ہوتی ہے جنہوں نے فرض کی ادائی میں بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ جنہوں نے شجاعت و مردانگی کے کام چھوڑ کر سہل پسندی و سہل انگاری سے کام لیا کہ ان کا رویہ کس قدر غلط رہا۔ اگر وہ جاں بازی و سرفروشی سے کام لیتے ہیں تو اس میں کچھ بھی نقصان نہیں، اس کے برعکس وہ زبردست انعام کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اگر وہ بزدلی کا ثبوت دیتے ہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ موت تو آنی ہی ہے، اس سے کسی کو چھٹکارا کہاں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ (النساء:۷۷،۷۸)

''تم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روکے رکھواور نماز کا اہتمام کرواور زکوٰۃ دیتے رہو،تو جب ان پر جنگ فرض کردی گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح اللہ سے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب،تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کردی؟ کچھ اور مہلت کیوں نہ دی؟ کہہ دواس دنیا کی لذت تو بہت تھوڑی ہے اور جولوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔اور تمہاری ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔اور موت تو تم کو پالے گی تم جہاں کہیں بھی رہو۔اگر چہ مضبوط قلعوں کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔''

تمہارے رب کی قسم! کون سا فوجی فرمان ہوگا اس قدر واضح اور زوردار جو سپاہی کو عزم و ہمت، غیرت وحمیت اور ایمان و یقین کی ان کیفیات سے سرشار کردے؟ جو ایک کمانڈر کو مطلوب ہوتی ہے۔

پھر دو چیزیں ہیں جو فوجی نظام میں سب سے زیادہ اہم ہوتی ہیں، نظم اور اطاعت۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دونوں ہی چیزیں دو آیتوں میں جمع کردی ہیں۔فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف:۴)

''اللہ تو ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بہ صف ہوکر لڑتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

فَاَوْلٰى لَهُمْ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۭ

''سو افسوس ہے ان پر، بہتر تھا کہ وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔''

اور جب تم پڑھو گے کہ اسلام نے جنگ کی تیاری، قوت کی فراہمی، تیر اندازی کی تربیت، شہ سواری کی مشق، شہادت کی فضیلت، جہاد کی اہمیت، انفاق کے ثواب، مجاہدین کے اجر کے سلسلے میں کتنا مواد فراہم کیا ہے، کس کس انداز سے اس پر زور دیا ہے۔ تو اس کا شمار تمہارے بس میں نہ ہوگا۔ قرآن کریم کی آیات، رسول عظیمؐ کی احادیث، آپؐ کی پاک زندگی، فقہ کے احکام، سب کی یہی کیفیت ہے:

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

''ہمارے رب کا علم ہر شے کو محیط ہے۔''

عہد جدید کی قوموں نے بھی اس پر توجہ دی ہے، انھوں نے بھی ان ہی اصولوں پر اپنی عمارت کھڑی کی ہے۔ مسولینی کے فاشزم، ہٹلر کے نازی ازم، اسٹالن کے کمیونزم کی اساس بھی خالص عسکری اور فوجی ہے۔ لیکن ان میں اور اسلامی عسکریت میں بڑا فرق ہے۔ اسلام نے قوت کو یہ عظمت و تقدس تو بخشا ہے، لیکن ساتھ ہی اس نے صلح کو ترجیح بھی دی ہے۔ جہاں اس نے قوت فراہم کرنے کی تاکید کی ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ (الانفال:۶۱)

''اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسی کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

اس نے نصرت الٰہی کی قیمت اور اس کے مظاہر کی بھی تعیین کر دی ہے۔ فرمایا:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ، اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ، وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج:۴۰)

''اور اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ اللہ طاقت والا اور زبردست ہے۔ وہ لوگ کہ جنھیں ہم زمین میں غلبہ و تمکن عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔ اور معاملات کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

اس نے بین الاقوامی جنگی قانون کی اساس بھی واضح کر دی ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ،اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ o (الانفال:۵۸)

''اور اگر تمھیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان ہی کی طرف پھینک دو اور اس میں تم حق بجانب ہو گے۔ بے شک اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اپنے کمانڈروں کو جو وصیتیں کرتے وہ رأفت ورحمت کی رعنائیوں اور شفقت ومحبت کی دل سوزیوں سے معمور ہوتیں:

وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَاتَغُلُّوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا امْرَأَةً وَلَا طِفْلاً وَلَا شَيْخًا كَبِيْرًا وَّلَا تَقْطَعُوْا شَجَرَةً مُّثْمِرَةً وَلَا تُجْهِزُوْا عَلٰى جَرِيْحٍ وَسَتَمُرُّوْنَ عَلٰى اَقْوَامٍ تَرَهَّبُوْا فِى الصَّوَامِعِ فَدَعُوْهُمْ وَمَافَرَّغُوْا اَنْفُسَهُمْ لَهٗ ۔

''دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کسی عورت کو، چھوٹے بچے کو، بڑے بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کوئی پھل دار درخت نہ کاٹنا، کسی زخمی کی جان نہ لینا۔ اور تمھارا اگزر ایسے لوگوں سے ہوگا جنھوں نے گرجا گھروں میں رہبانیت اختیار کر رکھی ہوگی تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔''

اس طرح اسلام کی عسکریت عدل وانصاف کی پولیس اور نظام وقانون کی سپاہ تھی، جب کہ آج مغرب کی عسکریت کا حال سب کو معلوم ہے کہ وہ ظلم کی فوج اور مفادات کا لشکر ہے، تو اب سوچ سکتے ہو کہ ان میں کون بہتر ہے؟ اور کس کی محفل زیادہ اچھی ہے؟

(د) اسلام اور صحت عامہ

چوں کہ ترقی کرنے والی قومیں اس اعلیٰ عسکریت اور فوجی طاقت کی ضرورت مند ہوتی ہیں، اور فوجی طاقت کا تمام تر دارومدار جسمانی صحت وتوانائی پر ہے، اسی لیے قرآن پاک نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس نے ایک امت کا قصہ بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس امت کے اندر جہاد کی امنگ پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک سردار کا انتخاب کیا، جو فکری توانائیوں کا بھی حامل تھا، اور جسمانی قوتوں سے بھی مالا مال تھا اور جسمانی قوت

کواس کی اہلیت کے اہم اسباب میں شمار کیا۔ چنانچہ قصہ بنی اسرائیل میں سردار طالوت کی اہلیت ثابت کرتے ہوئے ان کے نبی نے کہا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ۔ (البقرہ:۲۴۷)

''اللہ نے تمہاری سرداری کے لیے اسی کو چنا ہے، اور اس کو علم و جسم دونوں میں کشادگی عطا فرمائی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر خاصی توجہ دی ہے۔ آپؐ نے جس طرح روحانی قوت پر زور دیا ہے اسی طرح جسمانی قوت کو بھی سراہا ہے، اور مومنین کو برابر اس کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث ہے:

اَلۡمُؤۡمِنُ الۡقَوِیُّ خَیۡرٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِ الضَّعِیۡفِ

''طاقت ور مومن کمزور مومن سے بڑھ کر ہے۔''

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ لِبَدَنِکَ عَلَیۡکَ حَقًّا ''تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔''

پھر اتنا ہی نہیں، آپ نے تو اپنی امت کو صحت عامہ کے بہت سے اصول بھی بتائے۔ پرہیز و احتیاط جو بیماری کا نصف علاج ہے، اس کے سلسلے میں قیمتی ہدایات دیں۔ چنانچہ آپؐ کا یہ ارشاد کہ:

نَحۡنُ قَوۡمٌ لَانَاۡکُلُ اِلَّا اِذَا جُعۡنَا وَاِذَا اَکَلۡنَا لَانَشۡبَعُ

''ہم وہ لوگ ہیں کہ جب بھوک لگتی ہے تبھی کھاتے ہیں اور جب کھاتے ہیں تو شکم سیر نہیں ہوتے۔''

اسی طرح پانی کے سلسلے میں آپؐ کا اہتمام جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یَسۡتَعۡذِبُ الۡمَآءَ۔

''پینے کے لیے آپؐ شیریں پانی طلب فرماتے۔''

اسی طرح ٹھیرے ہوئے پانی میں بول و براز کی ممانعت۔ طاعون زدہ علاقے پر یہ پابندی کہ نہ وہاں سے لوگ جائیں، نہ دوسرے وہاں آئیں۔ متعدی امراض سے بچنے کی تاکید،

کوڑھی سے دور رہنے کی ہدایت، تیر اندازی، تیراکی، شہ سواری اور دوڑ وغیرہ کا اہتمام اور امت کو ان سب چیزوں کے اہتمام کی تاکید، حتی کہ حدیث میں آیا ہے:

مَنْ عَلِمَ الرَّمْیَ ثُمَّ نَسِیَهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

''جس نے تیر اندازی سیکھی، پھر اسے بھلا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اسی طرح رضائے الٰہی کی خاطر گوشہ گیری، عزلت نشینی، رہبانیت، جسم آزاری اور نفس کشی کی شدید ممانعت اور تمام کاموں میں اعتدال وتوازن کی تاکید، یہ تمام باتیں واضح طور پر بتاتی ہیں کہ اسلام امت کی صحت عامہ کا کتنا خیال رکھتا ہے، حفظان صحت کی کتنی تاکید کرتا ہے اور اس پہلو سے جو چیزیں بھی موجب خیر وسعادت ہو سکتی ہیں، ان کے لیے ہمیشہ اپنا سینہ کھلا رکھتا ہے۔

(ہ) اسلام اور اخلاق

ترقی کرنے والی قوم کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز اخلاق ہے۔ عمدہ اور محکم اخلاق، زبردست اور باحوصلہ طبیعت۔ اس لیے کہ نئے دور کے کچھ تقاضے ہوں گے، وہ تقاضے پورے ہوں گے ہی نہیں جب تک سچا اور مضبوط کردار نہ ہو، گہرا ایمان اور پہاڑ جیسا استقلال نہ ہو۔ حد سے زیادہ تحمل اور قربانیوں کا بے پناہ جذبہ نہ ہو۔ اور یہ سارے اوصاف صرف اسلام ہی پیدا کرسکتا ہے، کیوں کہ وہی ہے جو تزکیۂ نفس اور صلاح باطن کو فلاح وکامرانی کی اساس قرار دیتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس:١٠)

''کام یاب ہوا جس نے اسے سنوارا، اور نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔''

اسی طرح وہ قومی خوش حالی کو حسن اخلاق، طہارت نفس اور صلاح باطن کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:١١)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔''

مکارم اخلاق کے سلسلے میں قرآن پاک میں جو دل نشیں آیتیں آئی ہیں انھیں تم سنو گے تو اندازہ ہوگا کہ اصلاح وتربیت اور تزکیہ وطہارت کے باب میں وہ کتنی موثر اور کس قدر زوردار ہیں۔ مثلاً وفاداری کے سلسلے میں ارشاد ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاًo(الاحزاب:۲۳)

''مومنین میں سے کتنے ہی ایسے ہیں کہ جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا تو ان میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے، اور کچھ انتظار میں ہیں اور انھوں نے اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔''

اسی طرح بذل وانفاق، صبر وتحمل، قربانی وسرفروشی اور مشکلات سے پنجہ آزمائی کے سلسلے میں فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَايُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَانَصَبٌ وَّلَامَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِاً يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَايَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلاً اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ اَجْرَا الْمُحْسِنِيْنَo وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَo(۱۲۰،۱۲۱)

''یہ اس لیے کہ انھیں خدا کی راہ میں جو تکلیف بھی پہنچے گی پیاس ہو یا تکان ہو یا بھوک ہو، یا وہ جو کوئی بھی ایسا موقف اختیار کریں گے جو کفار کو کھلے یا دشمن کو جو نقصان بھی پہنچائیں گے، ان سب کے بدلے ان کے حصے میں نیک عمل لکھا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور وہ جو خرچ بھی کریں گے تھوڑا یا زیادہ یا کوئی وادی بھی طے کریں گے تو یہ سب کچھ ان کے لیے لکھ لیا جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔''

واقعہ یہ ہے کہ زندہ دلی، شعور کی بیداری اور احتساب نفس کے سلسلے میں اسلام جو کچھ کرسکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا اور جب تک یہ چیزیں نہ ہوں کشور دل کے اندر کسی قانون کی حکمرانی ممکن نہیں۔

(و) اسلام اور معیشت

ترقی کرنے والی قوموں کی سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ان کا اقتصادی نظام

درست ہو اور معاشی مسائل حل ہو جائیں۔ آج کے اس دور میں اس سے زیادہ اہم مسئلہ کوئی نہیں۔

اسلام نے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں بھی اس نے بنیادی ہدایات دی ہیں، اور یہ لو، مال کی قدر و قیمت اور دولت کی نگہداشت کے سلسلے میں یہ فرمان الٰہی کانوں میں گونج رہا ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَامًا۔ (النساء:۵)

''اور تم وہ مال جس کو خدا نے تمہارے لیے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے، ناسمجھ یتیموں کے حوالے نہ کرو۔''

اسی طرح آمدنی اور خرچ کے درمیان توازن قائم رکھنے کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ط (الاسراء:۲۹)

''اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا کر لو اور نہ بالکل ہی کھول دو۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ ''جو میانہ روی پر رہے گا، وہ کبھی تنگ دست نہ ہوگا۔''

یہ ایک نہایت قیمتی اور قابل قدر ہدایت ہے، خواہ شخصی حیثیت سے دیکھا جائے یا قومی پیمانہ پر سوچا جائے۔ اسی طرح ارشاد ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ

''اچھے آدمی کے لیے اچھا مال، کیا خوب ہے۔''

پھر کوئی بھی عمدہ معاشی اصول یا عمدہ اقتصادی نظام ہو، اسلام اسے خوش آمدید کہتا اور اس کی حوصلہ فزائی کرتا ہے، وہ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اور فقہ اسلامی تو مالی احکام سے پر ہے۔ اس سلسلے میں اتنی وضاحت و تفصیل کے ساتھ وہ رہنمائی کرتی ہے کہ مزید رہنمائی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

مختصر یہ کہ قومی عمارت کو امید و یقین، وطنیت و قومیت، صحت و قوت اور اقتصاد و معیشت کے یہ ستون فراہم ہو جائیں تو بلاشبہ وہ سب سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط قوم ہوگی اور مستقبل کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ بالخصوص جب کہ وہ خود غرضی، انانیت، دست درازی اور سرکشی کے جراثیم سے پاک اور ساری انسانیت کے لیے خیر و سعادت کی آرزو مند ہو۔ اسلام اس بات کا

پوری طرح ضامن ہے۔لہٰذا کسی ایسی امت کے لیے جو ترقی کی خواہاں ہو،اس سے روگردانی کرنے اور اس کے بجائے کوئی اور راہ اپنانے کی عقل و منطق کی رو سے کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

(ز) عام نظام ہائے اسلام

یہ چند اسلامی نظام ہیں اور ان کے چند حسین جلوے۔چند نظاموں سے مراد وہ نظام ہیں جو قوموں کی ترقی سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے جلوے بے نقاب کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اب ہم بھی ترقی کے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔رہی تمام اسلامی نظاموں کے سارے بوقلموں جلووں کی تفصیل تو اس کے لیے تو دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔بحث و تحقیق کے کتنے ہی صحرا طے کرنے ہوں گے۔لہٰذا اس وقت تو ہم اتنا ہی کہیں گے کہ اسلامی نظام خواہ فرد سے تعلق رکھتے ہوں یا قوم اور گھرانے سے،حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا رعایا اور قوموں کے باہمی رشتوں سے،ان تمام نظاموں کے اندر جامعیت بھی ہے اور باریک بینی بھی۔وہ سب کے سب حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں۔دور جدید یا عہد قدیم میں انسانیت جتنے نظاموں سے آشنا ہو سکی ہے،ان سب سے زیادہ کامل بھی ہیں اور نفع بخش بھی۔یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جسے تاریخ کی تائید حاصل ہے اور امت کے تمام مظاہر زندگی کا غائر مطالعہ بھی اس پر شاہد ہے۔

پہلے یہ بات کچھ خاص طبقوں کی تھیں اور کچھ خاص زبانوں سے سنی جاتی تھیں مگر اب تو یہ ایک عام فیصلہ ہے جس کی شہادت ہر انصاف پسند انسان دے گا اور جوں جوں تحقیقات آگے بڑھیں گی ان لافانی نظاموں کے ایسے ایسے حسین گوشے بے نقاب ہوں گے جو ان کے اسلاف کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔سچ فرمایا ہے خدائے برتر نے:

سَنُرِیْهِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ، اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ شَهِیْدٌ؟!(فصلت:۵۳)

''جلد ہی ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے کائنات کے اندر بھی،اور خود ان کے اندر بھی،یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔کیا تمہارے رب کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔''

اسلام اقلیتوں کی حمایت اور حقوق کی حفاظت کرتا ہے

جناب عالی جاہ!

لوگ سوچتے ہیں اگر ہم نے اسلام کی اپنایا اور اسے نظام زندگی کی اساس قرار دیا، تو امت مسلمہ کے اندر غیر مسلم اقلیتوں کے لیے کیا صورت ہوگی اور وہ کیوں کر رہ سکیں گی؟ نیز امت کے مختلف عناصر میں وحدت کی کیا صورت ہوگی؟ حالاں کہ اس دور میں ترقی کے لیے یہ چیز بھی ناگزیر ہے۔

مگر یہ خدشہ صحیح نہیں، وہ دین اسلام جو اس حکیم وخبیر ہستی کا دیا ہوا ہے، جو قوموں کے ماضی، حال، مستقبل سب سے واقف ہے، اس نے اس گھاٹی کو پہلے ہی سے ہموار کر رکھا ہے۔ اس نے اپنا مقدس اور حکمتوں سے معمور دستور صادر کرنے سے پہلے ہی اس میں اقلیتوں کے تحفظ کا ایسا واضح اور صریح حکم رکھ دیا ہے جس میں ابہام والتباس کا کوئی احتمال نہیں، کیا لوگ اس سے بھی زیادہ واضح نص چاہتے ہیں؟:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ (الممتحنہ:۸)

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ نیکی اور ان کے حقوق کی ادائی کرو۔ اللہ تو حقوق ادا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت میں صرف حمایت اور تحفظ کی ہی بات نہیں، اس میں تو شفقت اور حسن سلوک کی بھی ہدایت ہے۔ وہ اسلام جس نے عام وحدت انسانی کو محترم قرار دیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط (الحجرات:۱۳)

''لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا، اور تمھیں قوموں اور قبیلوں کی صورت میں کر دیا کہ تم باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔''

پھر جس نے عام دینی وحدت کو بھی محترم قرار دیا۔ چنانچہ تعصب کی جڑ کاٹ دی اور سارے آسمانی مذاہب پر ایمان لانا فرض قرار دیا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ (البقرہ:۱۳۵۔۱۳۸)

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی، اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لائے جو موسیٰ وعیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے ملی۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اب اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب تو وہ راہ یاب ہوئے اور اگر وہ اعراض کریں تو پھر وہ درپے مخالفت ہیں۔ ان کے مقابلے میں تمہارے لیے اللہ کافی ہوگا، وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ سے اچھا کون ہوسکتا ہے کہ اس کا رنگ اختیار کیا جائے۔''

پھر جس نے ذرا بھی تعلّی یا زیادتی کو راہ دیے بغیر اس خالص ایمانی وحدت کو بھی تقدس عطا کیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الحجرات:۱۰)

''مومن تو بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم رحم کے سزاوار رہو۔''

یہ اسلام جس کے مزاج میں اس درجہ اعتدال اور انصاف پسندی ہے، کیوں کر ممکن ہے کہ اس کی پیروی جڑی ہوئی وحدت کو پارہ پارہ کردے؟ کہ اس نے تو اس وحدت کو مذہبی تقدس بھی عطا کردیا، جب کہ اس سے پہلے اس کا تمام تر دارومدار محض تمدنی تقاضوں پر تھا۔

اسلام نے نہایت باریک بینی کے ساتھ واضح کردیا ہے کہ کون لوگ ہماری عداوت اور قطع تعلق کے سزاوار ہیں، اور کن سے ہمیں دور رہنا ہے۔ چنانچہ سابقہ آیت کے بعد ہی فرمایا:

اِنَّمَا یَنۡہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قَاتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَاَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَظَاہَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡہُمۡ وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ○(الممتحنہ:۹)

’’اللہ تو تمھیں بس ان لوگوں سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمھیں تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی کہ تم انھیں اپنا دوست اور ہم راز بناؤ اور جو انھیں دوست بنائیں وہ پکے ظالم لوگ ہیں۔‘‘

دنیا میں کوئی انصاف پسند انسان ایسا نہیں ہوگا جو کسی قوم یا گروہ کو مجبور کرے کہ وہ ان لوگوں کو بھی گوارا کرلے جو اس کے فرزندوں میں بگاڑ پیدا کریں اور اس کے اندرونی نظام کو درہم برہم کریں۔ یہ ہے غیر مسلم اقلیتوں کے سلسلے میں اسلام کا موقف، بالکل واضح اور روشن جس میں نہ کوئی زیادتی ہے نہ گھپلے بازی، اور اغیار کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ جب تک وہ اخلاص و شرافت کے ساتھ رہیں، ان کے ساتھ صلح اور نرم جوئی کا انداز ہو، لیکن اگر نیتیں خراب ہوں اور شرارتیں زیادہ ہوجائیں تو اس وقت کے لیے یہ ہدایت ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَۃً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ۚۖ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُہُمۡ اَکۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ○ ہٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَہُمۡ وَلَا یُحِبُّوۡنَکُمۡ۔ (آل عمران:۱۱۸۔۱۱۹)

’’اے ایمان والو! اغیار کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔ یہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمہارے لیے زحمتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے اپنی تنبیہات واضح کردی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ یہ تم ہی ہو کہ تم ان کی طرف محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو حالاں کہ وہ تو تمھیں ذرا بھی نہیں چاہتے۔‘‘

اسلام تعلقات کو گدلا نہیں کرتا

اسی طرح لوگ سوچتے ہیں کہ اسلامی نظام اور اسلامی احکام تو ہمارے اور مغرب کے درمیان دوری حائل کر دیں گے، اور تعلقات کے چشمے گدلے ہو جائیں گے۔ مگر یہ گمان بھی ایک وہم ہے، کیوں کہ یہ حکومتیں اگر ہم سے بدگمان ہیں تو یہ کبھی راضی نہیں ہوسکتیں، چاہے ہم اسلام کی پیروی کریں یا نہ کریں لیکن اگر انھوں نے اخلاص کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور ہمارے درمیان اتحاد کی فضا قائم ہو چکی ہے تو ان کے سربراہ اور نمائندے تو صراحت کر چکے ہیں کہ ہر حکومت اپنے داخلی نظام میں آزاد ہوگی، بشرطے کہ دوسروں کے حقوق سے تعرض نہ کرے، تو ان تمام حکومتوں کو سمجھنا چاہیے کہ عالمی اسلام کا شرف وہ مقدس ترین شرف ہے جس سے تاریخ آشنا ہوئی ہے اور اس شرف کے تحفظ کے لیے اس عالمی دین نے جو ضابطے دیے ہیں وہ سب سے زیادہ ٹھوس اور مضبوط ضابطے ہیں۔

چنانچہ اسلام ہی ہے جو معاہدوں کی حفاظت اور ذمہ داریوں کی ادائی کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ، اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ (الاسراء: ۳۴)

''اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔''

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (التوبہ: ۴)

''البتہ جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہو، پھر انھوں نے تمہارے ساتھ اس کی ذرا بھی خلاف ورزی نہ کی ہو اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی ہو، تو جس مدت کے لیے ان سے عہد کیا ہو، اسے پورا کرو کہ خدا متقین کو دوست رکھتا ہے۔''

ایک اور جگہ کہتا ہے:

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ (التوبہ: ۷)

''تو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں، تم بھی اپنے قول و قرار پر قائم رہو۔''

اسی طرح پناہ گزینوں اور امان چاہنے والوں کے ساتھ حسن برتاؤ کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط (التوبہ:۶)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔''

جب مشرکین کے ساتھ اسلام کا یہ انداز ہے تو پھر سمجھنا چاہیے کہ اہل کتاب کے ساتھ اس کا کیا انداز ہوگا؟

تو جو اسلام یہ اصول دیتا ہے اور اپنے پیروؤں کے ساتھ یہ انداز اختیار کرتا ہے مغربی قوموں کا فرض ہے کہ اسے وہ اپنے حق میں ایک ضمانت تصور کریں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ خود مغرب کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ اس کے باہمی تعلقات ومعاملات میں ان ہی عمدہ اور صالح نظریات کی حکمرانی ہو۔ یہی اس کے حق میں زیادہ بہتر اور زیادہ مفید ہے!

ترقی کے جو اصول مغرب میں ہیں وہ مشرق میں نہیں

جناب............

مشرقی اقوام کی اسلام بے زاری اور مغرب پرستی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے دانشوروں اور سربراہوں نے مغربی ترقی کا مطالعہ کیا تو انھیں نظر آیا کہ مغرب میں یہ ترقی اسی وقت ہوئی ہے جب وہاں دین ومذہب کے پرزے اڑادیے گئے، کلیسے منہدم کردیے گئے، پوپ کے تسلط سے نجات حاصل کرلی گئی، پجاری وکاہن بے دست وپا کردیے گئے، سماج کے اندر دینی ومذہبی غلبہ وتسلط کے جتنے آثار ومظاہر تھے، سب ختم کردیے گئے اور حکومت کی عام سیاست سے دین کو بے دخل کردیا گیا۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اگر یہ بات مغربی اقوام کی بابت صحیح ہے تو مسلم امتوں کے سلسلے میں کبھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ اسلامی تعلیمات کا مزاج دوسرے مذاہب کے مزاج سے بالکل مختلف ہے۔ پھر مسلم دینی پیشواؤں کو دین کے سلسلے میں وہ اختیارات حاصل نہیں ہیں، جو

مغرب میں کاہنوں اور پادریوں کو حاصل رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے دینی پیشوادین کی کسی ہیئت کو بدل نہیں سکتے، اِس کے کسی نظام کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ صدیاں گزر گئیں، مگر اسلام کے اساسی احکام زمانے کے ساتھ ساتھ جوں کے توں چل رہے ہیں، اور وہ ترقی کی دعوت دیتے، علم کی پشت پناہی کرتے اور اہل علم کی حمایت کرتے ہیں۔ تو جو کچھ وہاں ہوا اس کا یہاں ہونا صحیح نہ ہوگا۔ یہ تو بہت وسیع اور تفصیل طلب بحثیں ہیں، جن پر بہت سی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں ہمارے پیش نظر بس اتنا ہے کہ مسئلے کا سرسری سا تذکرہ اور کچھ شبہات کا ازالہ کردیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہر انصاف پسند انسان اس بنیادی بات میں ہماری تائید کرے گا۔ لہٰذا یہ بات کسی طرح جائز نہ ہوگی کہ ہماری اس ترقی میں بھی وہی شعور واحساس کارفرما ہو جو مغرب میں کارفرما رہا ہے۔ کہ یہ ترقی تو اول دن سے ہی بلند اخلاق، صحیح اور حقیقی علم اور زبردست خدائی قوت کے مضبوط ستونوں پر قائم ہونی چاہیے۔ بلاشبہ اسلام کی منشاء یہی ہے۔

افراد کا نام دین نہیں

جن لوگوں نے اہل مغرب کی راہ اختیار کی ہے، ان میں سے کچھ لوگ مسلم علماء کی تشہیر کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی اس روش کی خوش نما بنا سکیں، ان کا کہنا ہے کہ ”علمائے اسلام کا موقف ترقی وطن کی راہ کا روڑا ہے، وہ اہل وطن کو نقصان پہنچا رہے ہیں، وہ غاصبوں کے ہم نوا و پشت پناہ ہیں۔“

اگر واقعتاً یہ بات صحیح ہے، تو یہ خود ان افراد کی کمزوری ہے، نہ کہ دین کی۔ ورنہ کیا دین یہی کہتا ہے؟ کیا امت اسلامیہ کے ان جلیل القدر اور بلند سیرت علماء کی زندگیاں یہی تاثر دیتی ہیں؟ جو سلاطین اور حکام کے درباروں میں جا گھستے، انھیں ملامت اور سرزنش کرتے، انھیں نیکی کی تاکید اور بدی پر تنبیہ کرتے، ان کے گراں قدر عطیے بے نیازی سے ٹھکرا دیتے، ان کے روبرو کلمۂ حق کا اعلان کرتے اور ان کے سامنے امت کی ضروریات رکھتے، یہی کیا، ظلم وجور کے مقابلے میں وہ مسلح اور صف آرا بھی ہوتے۔ تاریخ نے اب تک فقہائے اسلام کے اس دستے کو فراموش نہیں کیا ہے جو دولت اسلامیہ کے مشرق میں ابن اشعث کی سرکردگی میں منظّم ہوا تھا۔ اور نہ مغرب میں قاضی ابن یحیٰ لیثی مالکی کی تگ وتاز اس کے ذہنوں سے محو ہوئی ہے۔

یہ ہے دین اور یہ ہے فقہائے اسلام کی تاریخ! کیا اس میں ہے کوئی ایسی چیز جس کی یہ

لوگ تشہیر کرتے ہیں؟ کیا انصاف یہی ہے کہ دین کو ان افراد کے کاموں کا ذمے دار ٹھہرایا جائے جو خود دین کے مخلص نہیں؟

پھر یہ بیانات اگر کچھ لوگوں کے بارے میں صحیح ہوں تو سب کے بارے میں تو صحیح نہیں ہو سکتے اور اگر کچھ مخصوص حالات میں یہ باتیں ہوئی ہوں تو ہمیشہ تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ یہ مشرق میں نشأۃ جدیدہ کی تاریخ ہے جو علمائے حق اور زعمائے اسلام کے سنہری کارناموں سے پر ہے! یہ مصر میں ''ازہر'' کا کردار، فلسطین ولبنان میں مجلس اعلیٰ کا کردار، ہندوستان میں مولانا آزاد اور دوسرے علمائے عظام کا کردار اور انڈونیشیا میں مسلم لیڈروں اور وہ نماؤں کا کردار! یہ کچھ زیادہ دنوں کی باتیں نہیں ہیں، نہ ابھی ملت کے ذہنوں سے فراموش ہوئی ہیں۔

لہٰذا یہ کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ خالص وطنیت کا نعرہ لگایا جائے۔ پھر دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اس طرح کی باتوں کا سہارا لیا جائے۔ کیا امت کے لیے زیادہ مفید بات یہ نہ ہوگی کہ وہ ارباب دین کی اصلاح اور ان سے صلح کی راہ اختیار کرے؟ نہ کہ ایسا کوئی موقف اختیار کرے جس کی ہلاکت سامانیوں سے کوئی نہ بچ سکے۔

اور یہ ''افراد دین، علم برداران دین'' اور ان ہی جیسے دوسرے نام جو تقلید کی راہ سے ہمارے اندر گھس آئے ہیں، یہ ہمارے مزاج وعرف سے ذرا بھی میل نہیں کھاتے۔ اگر یہ نام مغرب میں ''اہل کلیسا'' کے لیے خاص ہوں تو ہوں، اسلام میں تو یہ ہر مسلم کے لیے عام ہیں۔ مسلمان خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب کے سب ''ارباب دین'' اور افراد دین ہیں۔

جرأت مندانہ قدم

جناب عالی مرتبت!

ان باتوں کے بعد ہمارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا، اگر ہم نے اسلام کی شاہراہ حق سے گریز کیا اور رنگینیوں اور دل فریبیوں کی راہ اختیار کر لی، جو کہ یورپ کی راہ ہے۔ بلا شبہ یورپ کی راہ میں زینت وآرائش ہے، آرام وآسائش ہے، دل کشی ورعنائی ہے، لذت وخوش حالی ہے، آزادی ومطلق العنانی ہے اور وہ ساری چیزیں ہیں جو نفس کو مرغوب اور طبیعت کو مطلوب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (آل عمران:۱۴)

''لوگوں کی نظروں میں مرغوبات دنیا،عورتیں، بیٹے،سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر،نشان زدہ گھوڑے،چوپائے اور کھیتیاں کھادی گئی ہیں۔یہ اسی زندگی کے سروسامان ہیں۔''

لیکن اسلام کی راہ عزت اور شوکت،قوت اور عظمت،حق اور برکت، پامردی اور استقامت، نیکی اور بزرگی کی راہ ہے۔لہٰذا امت کو اسی راہ پر لے چلیے،اللہ آپ کی مدد کرے گا:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَالِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ٥ (آل عمران:۱۵)

''ان سے کہو، کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر چیز کا پتا دوں؟ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے ان کے رب کے ہاں باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی،ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی،اور اللہ کی خوش نودی ہوگی۔اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

قوموں کو ہمیشہ خوش حالی نے ہی ہلاک کیا ہے۔آج یورپ کی بنیادیں بھی عیش کوشی اور راحت پسندی کے ہاتھوں ہل رہی ہیں:

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا ٥ (الاسراء:۱۶)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے آسودہ و خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں،وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں اس طرح اس بستی پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہوتا ہے اور ہم اسے تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے ساتھ اپنی سچی کتاب بھیجی جو قیامت تک کے لیے نور و ہدایت کا سر چشمہ ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت کبھی مٹ نہیں سکتی نہ آپ کی سرداری و پیشوائی کبھی ختم ہو سکتی۔ اور نہ قرآن پاک کو عظمت و سربلندی کی مسند سے کبھی اتارا جا سکتا۔ انسانیت کو لازماً دیر سویر ان دونوں کی طرف پلٹنا ہے، خواہ عزت و سربلندی کے ساتھ وہ خود ان کے دامن رحمت میں آ جائے یا ذلت و محکومی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان کی بارگاہ عظمت میں حاضر کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت پوری ہو:

لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ”تاکہ اسے وہ سارے دین پر غالب کرے۔“

تو تم رسول خداؐ کا نام لے کر آگے بڑھو، اور طبیب قرآن سے شفا کی بوتلیں لے کر ستم رسیدہ روگی دنیا کو دکھ سے نجات دو۔

بلاشبہ یہ ایک جرأت مندانہ قدم ہوگا۔ اور خدا نے چاہا تو اس کی تائید و رحمت تمہارے ساتھ ہوگی، وہ اپنا فیصلہ پورا کر کے رہے گا اور وہ دن مومنین کے لیے بڑی مسرتوں کا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر خوشیوں سے معمور ہوں گے۔ بلاشبہ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ وہ بڑی قوتوں والا اور بڑا مہربان ہے۔

عملی اصلاح کی طرف چند ابتدائی قدم

جناب عالی مقام!

ہماری اس جدید ترقی کے موقع پر امت کے ذہن و دماغ میں کیا احساسات رہنے چاہییں، اس کی وضاحت ہوگئی۔ اب ہم کچھ عملی اصلاحات کی نشان دہی کرتے ہیں جو ان احساسات کا لازمی تقاضا ہیں۔ یہاں ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے، بس کچھ اہم اہم شعبوں کا تذکرہ کریں گے۔ ورنہ یہ موضوعات تو متقاضی ہیں کہ انتہائی وسعت و باریک بینی کے ساتھ ان پر تحقیق و بحث کی جائے اور بہت سے محققین اپنی عمریں اور صلاحیتیں ان پر صرف کر دیں۔ ساتھ ہی ہمیں احساس ہے کہ ہم امت کی ضروریات و مطالبات اور ترقی کے تمام مظاہر کا احاطہ نہیں کر سکے ہیں۔

پھر یہ بات مسلم ہے کہ ان خاکوں میں رنگ بھرنا، یا ان اصلاحات کو نافذ کرنا کوئی کھیل نہیں ہے، یہ کوئی گڑیا گڈے کا نکاح پڑھانا نہیں ہے کہ صبح و شام میں یہ کام ہو جائے، بلاشبہ ان اصلاحات کی راہ میں پیچ در پیچ گھاٹیاں حائل ہیں جن سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان پر فتح پانے کے لیے بڑے صبر و تحمل، نہایت بردباری و دوراندیشی اور زبردست عزم و ارادے کی ضرورت ہوگی۔ یہ بات ہمارے علم میں ہے اور اس کا ہمیں پورا احساس ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ۔

جب ولولہ صادق ہوتا ہے، جب عزم مصمم ہوتا ہے
تکمیل کا ساماں غیب سے خود اس وقت فراہم ہوتا ہے

عزم وارادہ سچا ہو تو راستہ خود بخود روشن ہو جاتا ہے۔ایک باہمت اور اولوالعزم امت خیر کی راہ میں قدم رکھ دے گی تو ان شاء اللہ وہ آرزووں کی جنت میں پہنچ کر رہے گی۔لہٰذا آپ اس راہ پر چل پڑیں، اللہ کا سایہ آپ کے سر پر ہوگا۔

وہ اہم اہم گوشے جو اصلاح کے محتاج اور صحیح اسلامی روح کے طالب ہیں درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلے سیاسی، عدالتی اور انتظامی شعبوں میں درج ذیل اصلاحات درکار ہیں:

☆ گروہ بندیوں اور جماعتی سیاست بازیوں کا خاتمہ کیا جائے۔امت کی تمام سیاسی توانائیوں کو ایک رخ پر لگایا جائے اور سب ایک پلیٹ فارم پر نظر آئیں۔

☆ قانون کی اصلاح کی جائے، یہاں تک کہ وہ اپنی تمام شکلوں میں شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہو جائے۔

☆ فوجی قوت مضبوط کی جائے۔جوانوں کی زیادہ سے زیادہ ٹیمیں بنائی جائیں اور ان کے اندر جہاد اسلامی کی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

☆ تمام اسلامی ممالک، بالخصوص عرب دنیا سے تعلقات استوار کیے جائیں تا کہ جو "خلافت" ہاتھ سے نکل گئی ہے، اس کی بازیابی کے لیے سنجیدہ اور منظّم جدوجہد کی جا سکے۔

☆ سرکاری دفاتر میں اسلامی روح عام کی جائے۔تمام ملازمین یہ سمجھنے لگیں کہ انھیں اسلامی تعلیمات کا سچا نمونہ بننا ہے۔

☆ افسروں اور ملازموں کے شخصی معاملات کی بھی نگرانی کی جائے۔منصبی اور شخصی فرائض میں تفریق نہ کی جائے۔

☆ موسم سرما ہو یا موسم گرما، دفاتر اور پہلے کھولے جائیں، تاکہ ڈیوٹیاں صحیح طور سے انجام دی جا سکیں اور راتوں میں زیادہ جاگنا بھی نہ پڑے۔

☆ رشوتوں اور "بخششوں" کا خاتمہ کیا جائے۔تمام تر اعتماد صلاحیتوں اور قانونی گنجائشوں پر کیا جائے۔

☆ پورا سرکاری نظام اسلامی احکام اور دینی ہدایات سے ہم آہنگ ہو۔سرکاری میٹنگ اور

کانفرنسوں کے پروگرام یا قیدخانوں اور شفاخانوں کے نظام اسلامی تعلیمات سے ٹکرائیں نہیں، نہ ڈیوٹیاں اور کاموں کی باریاں اوقات نماز سے متصادم ہوں۔

☆ فضلائے از ہر کوفوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز کیا جائے اور انھیں ان چیزوں کی ٹریننگ دی جائے۔

(۲) تعلیمی اور اجتماعی شعبوں میں درج ذیل اصلاحات کی جائیں:

☆ عوام کو اسلامی آداب کا خوگر بنایا جائے، انھیں اخلاقی ہدایات دی جائیں جنھیں قانون کی حمایت حاصل ہو۔ اور اخلاقی جرائم کی سخت سزائیں مقرر کی جائیں۔

☆ عورت کے مسئلے کو اس طرح حل کیا جائے کہ وہ بھی ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکے، اور اس کے دامن عصمت پر کوئی چھینٹ بھی نہ آئے تاکہ یہ مسئلہ جو معاشرتی مسائل میں سب سے زیادہ اہم اور نازک مسئلہ ہے، سیاست باز بوقلموں اور اعتدال دشمن نظریوں کے رحم وکرم پر نہ رہے۔

☆ کھلی چھپی عصمت فروشی کا سد باب کیا جائے۔ زنا کو انتہائی گھناؤنا اور سنگین جرم تصور کیا جائے چاہے وہ کیسے ہی حالات میں ہو اور اس کے مرتکب کو درّے لگائے جائیں۔

☆ جوئے لاٹری کی جتنی بھی قسمیں ہوسکتی ہوں ان سب پر پابندی لگائی جائے۔

☆ شراب اور دوسری تمام نشہ آور یا مخدّر چیزوں کے خلاف مہم چلائی جائے، اور امت کو ان تمام آفتوں سے دور رکھا جائے۔

☆ حسن فروشی اور بے حیائی کا سد باب کیا جائے۔ شریف خواتین کو ان کے فرائض یاد دلائے جائیں اور اس سلسلے میں پوری سختی کی جائے، خصوصاً معلمات، طالبات اور لیڈی ڈاکٹروں وغیرہ کے سلسلے میں کوئی نرمی نہ کی جائے۔

☆ بچیوں کے تعلیمی نظام پر نظر ثانی کی جائے۔ ضرورتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے بچیوں اور بچوں کے تعلیمی نظام میں فرق کیا جائے۔

☆ مخلوط تعلیم پر پابندی لگائی جائے۔ مرد کا کسی نامحرم عورت کے ساتھ تخلیے میں ہونا جرم سمجھا جائے اور اس پر دونوں کی گرفت کی جائے۔

☆ شادی بیاہ اور افزائش نسل کی حوصلہ افزائی کی جائے، وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں

جو اس میں معاون ہوں، اور ایسا ضابطہ بنایا جائے جس سے گھرانے آباد ہوں اور شادی بیاہ کی پیچیدگیاں دور ہوں۔

☆ رقص گاہیں اور عریانی کے اڈے بند کیے جائیں۔ ناچ گانے وغیرہ پر کڑی پابندی لگائی جائے۔

☆ فلموں اور سنیما گھروں کی نگرانی کی جائے۔ غیر اسلامی یا غیر اخلاقی فلمیں اور ڈرامے نہ پیش کیے جائیں۔

☆ گیتوں اور ترانوں کی اصلاح کی جائے۔ ان کا صحیح انتخاب اور مکمل نگرانی کی جائے۔ اور اس باب میں ذرا بھی نرمی نہ کی جائے۔

☆ جو تقریریں یا مقالے یا ترانے ریڈیو سے نشر کرنے ہوں ان کے سلسلے میں پہلے سے اطمینان کرلیا جائے۔ ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں کو وطن کی عمدہ اخلاقی تربیت کے لیے استعمال کیا جائے۔

☆ جو ناولیں، کتابیں اور رسالے جذبات میں ہیجان پیدا کریں، ذہن و دماغ کو خراب کریں اور فسق و فجور کو ہوا دیں انھیں ضبط کیا جائے، اور ان پر جرمانے عائد کیے جائیں۔

☆ گرمائی قیام گاہوں کا عمدہ اور معقول نظم کیا جائے۔ آوارہ گردی اور اباحیت پسندی کا سد باب کیا جائے۔ ورنہ ان سے فائدہ کیا؟

☆ عام قہوہ خانوں کے اوقات متعین کیے جائیں۔ وہاں اٹھنے بیٹھنے والوں کے مشاغل پر نظر رکھی جائے۔ ان کی صحیح رہنمائی کی جائے، اور یہ قہوہ خانے ہمہ وقتی نہ رہیں۔

☆ یہ قہوہ خانے ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کے لیے استعمال کیے جائیں، اور اس میں باصلاحیت طلبہ اور حوصلہ مند مدرسین سے مدد لی جائے۔

☆ مضر عادتوں کے خلاف مہم چلائی جائے، خواہ وہ معاشی حیثیت سے مضر ہوں یا اخلاقی نقطۂ نظر سے، یا کسی بھی حیثیت سے۔ اور عوامی دھارے کو ان سے موڑ کر مفید عادتوں کی طرف پھیر دیا جائے، یا خود ان عادتوں میں ایسی ترمیم کردی جائے کہ وہ مضر ہونے کے بجائے مفید ہو جائیں، جیسے خوشی، غمی، عید یا پیدائش کی رسمیں ہوئیں، بھوت پریت کا عقیدہ ہوا یا مختلف موسموں کے مختلف رواج ہوئے اور اس سلسلے میں خود حکومت بہتر نمونہ پیش کرے۔

☆ باقاعدہ احتساب کے محکمے کھولے جائیں اور جس کے سلسلے میں کسی حکم شرعی کی مخالفت کا ثبوت فراہم ہو جائے، اس سے باز پرس کی جائے مثلاً کوئی رمضان میں روزے نہ رکھے، یا قصداً نماز چھوڑ دے، یا دین کی بے حرمتی کرے تو اسے سخت سزا دی جائے۔

☆ جبری اسکولوں کا مساجد سے الحاق کر دیا جائے۔ اور ان دونوں کا ہر پہلو سے بہتر نظم کیا جائے۔ اچھے کارکن رکھے جائیں۔ صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے۔ ان کی پوری دیکھ ریکھ اور مکمل سرپرستی کی جائے، تاکہ چھوٹوں کو نماز کی عادت ہو اور بڑوں کی علمی تربیت ہو سکے۔

☆ تمام مدارس میں خواہ وہ کسی بھی نوع کے ہوں، دینی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے۔

☆ عام مکاتب میں حفظ قرآن کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ علمی ڈگریوں کے لیے جن کا تعلق لغت یا دینی علوم سے ہو، حفظ قرآن کو لازمی قرار دیا جائے اور کچھ حصے کا حفظ تو تمام ہی مدارس میں ضروری قرار دیا جائے۔

☆ تعلیم کے لیے ایک ایسی ٹھوس اسکیم تیار کی جائے جس سے معیار تعلیم زیادہ سے زیادہ بلند ہو۔ جس سے پورا نظام تعلیم منظّم ہو جائے۔ قدیم اور جدید کی باہمی دوریاں ختم ہو جائیں۔ اور شروع سے ہی طلبہ کے اندر خالص عمدہ اخلاق اور حب وطن کا پاکیزہ و بلند شعور بیدار ہو۔

☆ تمام تعلیمی مراحل میں زبان عربی پر خاص توجہ دی جائے۔ ابتدائی مراحل میں تو عربی کے علاوہ کوئی اور زبان پڑھائی ہی نہ جائے۔

☆ تاریخ اسلام اور تاریخ وطن پر کامل توجہ دی جائے۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ کا ایک ایک باب ذہن نشین کرا دیا جائے اور ابنائے وطن کی تربیت کا پورا اہتمام کیا جائے۔

☆ پوری امت میں بتدریج ایک ہی وضع قطع اور ایک ہی نظام رائج کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔

☆ گھروں کے اندر زبان، عادات واطوار، وضع قطع اور دوسری مختلف چیزوں کے سلسلے میں جو مغربی ذہن اور مغربی رنگ پایا جاتا ہے۔ اس کو ختم کر کے اسلامی ذہن اور اسلامی رنگ کو فروغ دیا جائے۔ خصوصاً اونچے طبقات میں اس پر خاص توجہ دی جائے۔

☆ صحافت کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ اسلامی موضوعات کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی جائے۔

☆ حفظان صحت پر پوری توجہ دی جائے، مفید اصولوں اور طبی مشوروں کو فروغ دیا جائے، زیادہ سے زیادہ ہسپتال کھولے جائیں، حکیموں اور ڈاکٹروں کی تعداد بڑھائی جائے، گشتی دواخانوں اور تشخیص گاہوں کا انتظام کیا جائے اور دوا علاج کی تمام سہولتیں مہیا کی جائیں۔

☆ گاؤں اور دیہاتوں پر توجہ دی جائے، وہاں کا نظم درست کیا جائے، عام صفائی بالخصوص پانی کی صفائی کا انتظام کیا جائے۔ ثقافتی وسائل اور دوسری تمام آسانیاں مہیا کی جائیں، اور انھیں زیادہ سے زیادہ بنانے سنوارنے اور بہتر بنانے کی فکر کی جائے۔

(۳) معاشی میدان میں درج ذیل اصلاحات کی جائیں:

☆ شریعت اسلامی کی ہدایات کے مطابق زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا جائے، اس سے ناگزیر رفاہی کاموں میں مدد لی جائے۔ یتیم خانے تعمیر کرائے جائیں، عاجزوں اور محتاجوں کے ٹھکانے بنوائے جائیں، فوجی قوت میں اضافہ کیا جائے۔

☆ سود کا سد باب کیا جائے۔ بنکوں کا ایسا نظام رکھا جائے کہ اس مقصد کا حصول آسان ہو جائے۔ حکومت اپنی سرکاری اسکیموں میں سود سے دست بردار ہو کر سب سے پہلے اس کی مثال قائم کرے۔ وہ غیر سودی بنک قائم کرے اور بغیر سود کے صنعتی قرضے دینے کا انتظام کرے۔

☆ معاشی اسکیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے، ان میں برابر اضافہ کیا جائے۔ جو بے روزگار اہل وطن ہیں انھیں کام پر لگایا جائے اور جو اسکیمیں اغیار کے ہاتھوں میں ہیں بہبود وطن کی خاطر ان سے انھیں بے دخل کیا جائے۔

☆ ذخیرہ اندوز کمپنیوں کی زیادتیوں سے عوام کو بچایا جائے، انھیں ان کے حدود سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور مسلم عوام کے لیے فائدے کی جو بھی صورت ہو، اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

☆ چھوٹے ملازمین کی حالت اور بہتر بنائی جائے، ان کی تنخواہیں بڑھائی جائیں، اضافے اور انعامات باقی رکھے جائیں اور بڑے بڑے عہدے داروں کی تنخواہیں کچھ کم کر دی جائیں۔

☆ وظائف بالخصوص بڑے بڑے وظائف روک دیے جائیں۔ جو ضروری ہوں ان ہی پر

اکتفا کیا جائے اور ملازمین پر کام انصاف پسندی اور باریک بینی سے تقسیم کیے جائیں۔

☆ زرعی اسکیموں اور صنعتی مشوروں کی حوصلہ افزائی کی جائے، کاری گروں اور کاشت کاروں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے۔

☆ مزدوروں کی صنعتی ومعاشرتی ضروریات پر توجہ دی جائے، ان کا معیار زندگی کچھ اور بلند کیا جائے۔

☆ قدرتی ذرائع پیداوار پر دھیان دیا جائے۔ بنجر زمینوں اور افتادہ کانوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

☆ ضروریات کو تعیّشات پر مقدم رکھا جائے۔ ان ہی کو پہلے تیار کرایا جائے اور انھیں تمام ہاتھوں تک پہنچایا جائے۔

یہ ہے اخوان کا پیغام، جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں، ہم اپنی جانیں اور صلاحیتیں اور تمام چیزیں ہر ایسی انجمن یا حکومت کے حوالے کرتے ہیں جو امت اسلامیہ کی ترقی کے لیے فکر مند ہو، ہم اس کی پکار پر لبیک کہیں گے اور تن من دھن سے اس پر قربان ہوں گے۔

غالبًا بات واضح ہوگئی، اور اپنی ذمہ داری سے ہم عہدہ برآ ہوگئے۔ اور دین تو نام ہی ہے، اللہ ورسولؐ، کتاب وسنت اور مسلم عوام وحکام کی خیر خواہی کا۔

وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

حسن البنا

ہمارا ماضی وحال

اخوان نے بہت سے رسالے شائع کیے ہیں جن سے ان کی دعوت کی تشریح، فکر کی وضاحت اور طریق کار کی تعیین ہوتی ہے۔ وہ رسالے دعوت کے اصول اور تحریک کے مختلف مراحل پر مشتمل ہیں، اور دعوت کی حقیقت اور اس کے مقاصد کو واضح کرتے ہیں۔ اب یہ ایک دوسرا رسالہ ہے ''ہمارا ماضی وحال'' جو ان تغیرات و انقلابات پر روشنی ڈالتا ہے جن سے فکر اسلامی مختلف ادوار میں دوچار ہوا۔ یہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہی دعوت کے بالکل ابتدائی دور میں شائع ہوا تھا، اسی وقت سے اخوان کے پرجوش ہاتھوں میں گردش کر رہا ہے۔ اس میں اسلامی اصولوں کی نہایت عمدہ تشریح ہے۔ نیز اصلاح کے ان وسائل کی بھی تشریح ہے جو امامؒ نے تجویز کیے ہیں۔ دولت اسلامیہ جب قرآن کی رہ نمائی اور رسول خداؐ کی سرپرستی میں ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی، اس وقت کی بھی ایک جھلک ہے، اور ان عوامل کا بھی تجزیہ ہے جنھوں نے مسلمانوں کی ترقی میں رخنے ڈال دیے۔ اور آسمان سے انھیں زمین پر دے مارا۔ رسالے کے آخر میں کچھ قیمتی ہدایات ہیں۔ بلاشبہ جو چیز پہلے امت کی بہتری کی ضامن تھی، آج بھی وہی چیز اس کی بہتری کی ضامن ہوسکتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر خلوص وللّٰہیت پیدا کرے اور دین حنیف کی ہدایات کے لیے مسلمانوں کے قلب وذہن کھول دے۔

رسول امینؐ کا پیغام-قرآن کریم کا نظام

تیرہ سوستر سال پہلے نبی امی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ مکہ میں کوہِ صفا سے یہ آواز دی تھی:

یٰۤاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ،لَاۤاِلٰہَ اِلَّا ھُوَیُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ،فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ○ (الاعراف:۱۵۸)

''لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں ،اس اللہ کا جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔پس ایمان لاؤ اللہ اوراس کے رسول پر جو نبی ہے،امی ہے۔اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ اوراس کی باتوں پراوراس کی پیروی کروتا کہ تم راہ یاب ہو۔''

یہ پکار پوری کائنات کے اندر تاریک ماضی،روشن مستقبل،اور مبارک دورحاضر کے درمیان ایک حد فاصل تھی۔اورنہایت واضح منادی تھی ایک ایسے نظام کی ،جس کا شارع خدائے علیم و خبیر،جس کا داعی رسول بشیر ونذیر،جس کا صحیفہ واضح اورروشن قرآن اور جس کا لشکر مومن مہاجرین و انصاراوران کے نیک پیروتھےاور جوانسانوں کانہیں خدا کا رنگ تھااور خدا سے بہتر کس کا رنگ ہوگا:

مَاکُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَاالۡکِتَابُ وَلَاالۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّھۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ○صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الۡاَرۡضِؕ اَلَاۤاِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ○ (الشوریٰ:۵۲-۵۳)

’’تمہیں کچھ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے، اور نہ یہ معلوم تھا کہ ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہ نمائی کر رہے ہو اس خدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ خبردار رہو۔ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔‘‘ (الشوریٰ: ۵۲۔ ۵۳)

مکمل اجتماعی اصلاح کے قرآنی اصول

قرآن ہی اس ہمہ گیر اجتماعی اصلاح کے اصولوں کا جامع ہے۔ وہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے موقع بہ موقع نازل ہوتا رہا اور آپؐ مومنین میں اس کا اعلان فرماتے رہے:

کَذَالِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا۔ وَلَایَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًاO (الفرقان: ۳۳)

’’اسی طریقے سے ہم قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے موقع موقع سے نازل کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے تمہارے دل کو جما دیں، اور لوگ جو اعتراض بھی کرتے ہیں اس کے سلسلے میں حقیقت حال کو بہترین وضاحت کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔‘‘

نزول قرآن کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ وحی مکمل ہوگئی، اور بائیس سال سے کچھ زائد مدت میں ذہنوں اور صحیفوں کے اندر محفوظ ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ہر چیز کی وضاحت فرما دی ہے۔ مکمل اجتماعی اصلاح کے جو اصول اس میں نظر آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ دلوں میں للّٰہیت کے چراغ روشن کرتا ہے۔

۲۔ وہ انسانوں کو رفعتوں سے آشنا کرتا ہے۔

۳۔ وہ قلب و ذہن میں عقیدۂ جزا کو راسخ کرتا ہے۔

۴۔ وہ ساری انسانیت کو الفت و محبت کا پیغام سناتا ہے۔

۵۔ وہ مرد، عورت دونوں کو اونچا اٹھاتا ہے۔ انھیں مساوی حقوق دیتا، ان کے درمیان باہمی تعاون کا اعلان کرتا اور باریک بینی سے ان کے فرائض متعین کرتا ہے۔

۶۔ وہ زندگی، ملکیت، عمل، صحت، آزادی، علم اور امن کو یکساں طور سے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیتا اور ذرائع آمدنی کی تعیین کر کے معاشرے کو پر امن بناتا ہے۔

۷۔ وہ حفظ نفس اور حفظ نوع کے رجحانات پر کنٹرول رکھتا، اور جنسی خواہشات اور کام و دہن کے مطالبات کو بے قید نہیں چھوڑتا۔

۸۔ وہ بنیادی جرائم کا سختی سے قلع قمع کرتا ہے۔

۹۔ وہ ملی وحدت پر زور دیتا اور انتشار و خلفشار کے وجوہ و اسباب کا خاتمہ کرتا ہے۔

۱۰۔ غلبہ حق کے لیے جو اصول اس نظام نے پیش کیے ہیں ان کی راہ میں جہاد کو وہ لازم قرار دیتا ہے۔

۱۱۔ وہ حکومت کو قرآنی فکر اور قرآنی نظام کا نمائندہ و محافظ سمجھتا، مسلم معاشرے میں اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذمے دار تصور کرتا اور سارے انسانوں کو اس سے روشناس کرانا اس کے فرائض میں شمار کرتا ہے۔

قرآنی نظام کے عملی شعائر

یہ قرآنی نظام دوسرے انسانی نظاموں اور نظری فلسفوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اس کا قائل نہیں کہ اس کے اصول و مبادی مجرد ایک نظریہ بن کر ذہن کے گوشوں میں پڑے رہیں یا کچھ رایوں کی صورت میں کتابوں کے اوراق میں چھپے رہیں، یا کچھ بے جان کلمات اور بے روح الفاظ کی شکل میں ہونٹوں اور زبانوں پر گردش کریں، بلکہ اس نے انھیں عملاً قائم و نافذ کرنے اور ان کے بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے کچھ پروگرام دیے ہیں، کچھ عملی شکلیں تجویز کی ہیں اور جو لوگ اس نظام پر ایمان رکھتے اور اس کی اطاعت کا اعلان کرتے ہوں، ان سے اس کا مطالبہ ہے کہ ان پروگراموں سے انھیں جذباتی لگاؤ اور روحانی وابستگی ہو۔ وہ ان پروگراموں کو فرض قرار دیتا اور ان سے بے اعتنائی کو ناقابل معافی جرم کہتا ہے۔ جو لوگ ان کا پاس و لحاظ رکھیں انھیں وہ صلہ دیتا، اور جو لوگ کوتاہی کریں انھیں عبرت ناک سزا دیتا ہے، ایسی سخت سزا دیتا ہے کہ اسے سن کر یا دیکھ کر ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ وہ اہم فرائض جن کے ذریعے یہ نظام اپنے اصولوں کو قائم و نافذ کرتا ہے درج ذیل ہیں:

(ا) نماز، ذکر اور توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا۔

(ب) روزے رکھنا، پاک بازی اختیار کرنا اور عیاشی سے پرہیز کرنا۔

(ج) صدقہ وزکوٰۃ کا اہتمام کرنا، اس کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں خرچ کرنا۔
(د) حج کرنا، سیر وسیاحت کرنا، تحقیق وانکشاف کرنا اور خدا کی بادشاہت میں غور وتدبر کرنا۔
(ہ) تجارت کرنا، محنت ومشقت کرنا اور گداگری سے کوسوں دور رہنا۔
(و) جنگ وجہاد کرنا، مجاہدین کی تیاری میں حصہ لینا، عازمین جہاد کے اہل وعیال اور ان کے مصالح کی نگرانی کرنا۔
(ز) نصح وخیر خواہی کا رویہ اپنانا اور نیکی کی تلقین کرنا۔
(ح) بدی کی سرکوبی کرنا اور بدکاری سے میلوں دور رہنا۔
(ط) زندگی کے مختلف فنون سے آگہی رکھنا، مرد کے لیے مردانہ فنون ہوں اور زن کے لیے زنانہ فنون۔
(ی) معاملے کا پکا ہونا اور بلند اخلاق سے آراستہ ہونا۔
(ک) صحت وقوت اور تندرستی کی حفاظت کرنا۔
(ل) حاکم ومحکوم کے درمیان مکمل تعاون ہونا، ایک طرف طاعت ہو، دوسری طرف شفقت۔

یہ ہیں وہ فرائض جو مسلم کو ادا کرنے ہیں، اور اس طرح انجام دینے ہیں جس طرح قرآنی نظام کو مطلوب ہیں۔ مسلم کا فرض ہے کہ وہ ان میں کوتاہی نہ کرے۔ ان تمام کا ذکر قرآن کریم نے بھی کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور دیگر اسلاف امت کی زندگیاں ان کی عملی تفسیر ہیں۔ پھر ان میں سے ایک ایک عمل یا چند اعمال مل کر ان مذکورہ اصولوں میں سے ایک یا چند کو مضبوط ومرتکز کرتے ہیں۔ جنھیں قائم کرنے اور جن کے نتائج وثمرات سے بہرہ مند کرنے کے لیے یہ نظام آیا ہے۔

پہلی اسلامی سلطنت

اسی عمدہ قرآنی نظام کی بنیادوں پر وہ پہلی اسلامی سلطنت وجود میں آئی تھی۔ وہ اس نظام پر گہرا ایمان رکھتی تھی اور پوری باریک بینی سے اسے نافذ کرتی اور ساری دنیا میں اسے عام کرتی تھی، یہاں تک کہ خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لَوْ ضَاعَ مِنِّیْ عِقَالُ بَعِیْرٍ لَوَجَدْتُہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ

''اگر مجھ سے اونٹ کی ایک رسی بھی غائب ہوجائے تو اللہ کی کتاب میں اسے ڈھونڈ نکالوں۔''

اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کرتے ہیں اور نظام اسلامی کے اس ستون کو منہدم کرنے پر انھیں مرتد تصور کرتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عِقَالاً کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ مَتٰی اسْتَمْسَکَ السَّیْفُ بِیَدِیْ۔

''اللہ کی قسم، اگر انھوں نے اونٹ کی ایک رسی بھی مجھے نہیں دی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے، تو اس وقت تک میں ان سے جنگ کروں گا جب تک میرے ہاتھ سے تلوار سنبھل سکے گی۔''

اس وقت اس نوخیز امت میں ہر قسم کی یک جہتی موجود تھی، اجتماعی یک جہتی بھی تھی، اس لیے کہ ہر طرف قرآنی نظام کا بول بالا تھا، ہر سمت قرآنی زبان کا ہی چرچا تھا۔ پوری سلطنت میں امیر المومنین کے زیر سایہ سیاسی یک جہتی کا بھی دل ربا منظر تھا۔ فکر اسلامی اگرچہ فوج، بیت المال اور گورنروں کے اختیارات کے سلسلے میں لامرکزی تھا۔ صوبے ان تمام امور میں داخلی طور پر آزاد تھے، لیکن اس کے باوجود سیاسی یک جہتی کا فرشتہ سایہ فگن تھا اس لیے کہ سب کی رگ و پے میں ایک ہی عقیدے کا خون دوڑ رہا تھا، اور سب ایک ہی رہ نما کے زیر قیادت سرگرم عمل تھے۔

ان قرآنی نظاموں نے جزیرۂ عرب اور سرزمین ایران کی بے سروپا اور توہماتی بت پرستی کا بری طرح تعاقب کیا، اور اسے ختم کر کے ہی دم لیا۔ چال باز یہودیت کا بھی تعاقب کیا اور اسے ایک تنگ دائرے میں محصور کر کے چھوڑا، اس کے مذہبی اور سیاسی اقتدار کا تو خاتمہ ہی کر دیا۔ مسیحیت سے بھی پنجہ آزمائی کی یہاں تک کہ ایشیا اور افریقہ سے اس کا سایہ کھسک کر قسطنطنیہ کی مشرقی رومی سلطنت کے زیر سایہ یورپ میں سمٹ آیا۔

اس طرح دونوں بڑے براعظم ایشیا اور افریقہ میں سیاسی اور روحانی اقتدار دولت اسلامیہ کو حاصل ہوگیا۔ تیسرے براعظم یورپ پر بھی اس نے مسلسل فوج کشی کی۔ مشرق کی طرف سے وہ قسطنطنیہ پر یلغار کرتی ہوئی آئی اور مدتوں محاصرہ کر کے اس کا ناک میں دم کر دیا اور مغرب کی طرف سے وہ اندلس میں در آئی اور اس کی فوج ظفر موج فرانس کے قلب اور اٹلی کے شمال،

مغرب، جنوب میں جا پہنچی۔ اور مغربی یورپ میں ایک نہایت عالیشان اور علم ودانش کے تاروں سے مزین سلطنت قائم کردی۔ پھر ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب کہ قسطنطنیہ بھی فتح ہوجاتا ہے اور مسیحیت وسط یورپ کے محدود حصے میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور اب اسلام کے جنگی بیڑے بحر ابیض اور بحر احمر کی موجیں چیرتے ہوئے جاتے ہیں اور یہ دونوں سمندر مکمل طور سے دولت اسلامیہ کے تصرف میں آجاتے ہیں۔

اس طرح دولت اسلامیہ کے ہاتھوں میں مشرق ومغرب کی کنجیاں آجاتی ہیں اور بحروبر سب پر اس کی حکمرانی ہوجاتی ہے۔ اس دوران میں ان اسلامی امتوں کا دوسری بہت سی اقوام سے اختلاط ہوا اور وہ سب اپنی تہذیبیں اپنے ساتھ لائیں لیکن ایمان کی قوت اور نظام اسلامی کے استحکام کی بدولت مسلم امتیں ان سب پر غالب رہیں، ان سب کو انھوں نے عربی بنالیا۔ یا تقریباً زبان ومذہب کے رنگ میں رنگ لیا، مگر اس طرح کہ ان کی رعنائی ودلآویزی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور زندگی کی توانائی ویسے ہی بحال رہی۔ انھوں نے ان تمام تہذیبوں کی خوبیاں اپنائیں مگر یہ چیز ان کی اجتماعی اور سیاسی وحدت پر اثر انداز نہ ہوسکی۔

دولت اسلامیہ کا نظام درہم برہم کیوں کر ہوا؟

پھر زمانے نے اپنا کام کیا۔

اس زبردست قوت واقتدار کے باوجود ضعف وانحطاط کے جراثیم امت کے جسم میں سرایت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ بڑھتے پھیلتے اور زور پکڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان ہی جراثیم نے اس جسم کو بالکل کھوکھلا کرکے رکھ دیا۔ اور پھر اس کے پرزے اڑا دیے گئے۔ چھٹی صدی ہجری میں تاتاریوں کے ہاتھوں مرکزی دولت اسلامیہ کا جنازہ اٹھ گیا۔ پھر چودھویں صدی ہجری میں دوبارہ یہی المیہ پیش آیا اور دونوں بار امت اسلامیہ کچھ بکھری ہوئی ٹولیوں اور چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی صورت میں رہ گئی۔ وہی بکھری ہوئی ٹولیاں اور چھوٹی ریاستیں پھر منظّم ہونے اور دوبارہ ابھرنے کے لیے بار بار زور لگاتیں۔

اس ضعف وانحطاط کے خاص عوامل یہ تھے:

(۱) بے جا عصبیت، سیاسی اختلافات اور باہم اقتدار کی رسہ کشی۔ حالاں کہ اسلام نے ان چیزوں سے منع کیا تھا، اس نے امارت وسرداری کی کش مکش سے دور رہنے کی تاکید کی

تھی، اس نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ عصبیت، اقتدار کی ہوس اور سیاسی کش مکش امتوں کو گھن کی طرح کھا جاتی، اور قوموں اور حکومتوں کے فانوس چور چور کر دیتی ہے:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ○ (الانفال:۴۶)

''اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ تم بزدل ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور صبر سے کام لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ساتھ ہی اس نے اخلاص وللّٰہیت کی کڑی وصیت کی تھی اور شہرت و ناموری کی مہلک تمناؤں سے بچنے کی تلقین کی تھی۔

(۲) دینی اور مذہبی اختلافات نے سر اٹھایا، مردہ بے جان الفاظ اور بے روح اصطلاحات کی طرف جھکاؤ ہوا، اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت پس پشت ڈال دی گئی، اپنی باتوں اور رایوں پر بے جا اصرار ہوا۔ بحث مباحثے اور مناظرے کی مجلسیں گرم ہوئیں، حالاں کہ ان باتوں سے اسلام نے خبردار کر دیا تھا، شدت کے ساتھ ان سے اجتناب کرنے کی تاکید کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ۔

''کوئی بھی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گم راہ نہیں ہوئی مگر وہ کج بحثی کی آفتوں میں مبتلا کر دی گئی۔''

(۳) عیش و عشرت کی سرمستیوں میں وہ ڈوب گئے۔ نفسانی خواہشات اور کام و دہن کی لذتیں ان کا مقصد زیست بن گئیں، بہت سے مسلم سلاطین نے تو عیاشی کی حد کر دی۔ لذت کوشی کی ایسی ایسی داستانیں وہ چھوڑ گئے جن کی مثال دوسروں کے ہاں نہیں ملتی۔ حالاں کہ اس فرمان الٰہی سے وہ بے خبر نہ تھے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○ (الاسراء:۱۶)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے آسودہ خوش حال

لوگوں کو حکم دیتے ہیں وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں، پس اس بستی پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو جاتا ہے اور ہم اسے تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

(۴) حکومت و فرماں روائی اہل تر ہاتھوں سے نکل کر کبھی ایرانیوں، کبھی دیلمیوں، کبھی غلاموں اور کبھی ترکوں کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہی جو اسلام کے صحیح لذت آشنا نہ تھے۔ جن کے دل قرآن پاک کی تجلیوں سے بے بہرہ تھے، اس لیے کہ قرآن پاک کا سمجھنا ان کے لیے کوئی آسان کام نہ تھا، یہ سب کچھ ہوتا رہا، حالاں کہ وحی الٰہی برابر انھیں آواز دیتی رہی:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَّدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيَاتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ۝ (آل عمران:۱۱۸)

"اے ایمان والو! غیار کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔ یہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمہارے لیے زحمتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے اپنی تنبیہات واضح کر دی ہیں، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔"

(۵) عملی زندگی میں کام آنے والے اور کائناتی حقائق سے بحث کرنے والے قیمتی علوم کو چھوڑ کر وہ بے کار نظری فلسفوں اور بے مقصد خیالی علوم میں اپنی زندگیاں اور قیمتی توانائیاں ضائع کرنے لگے، حالاں کہ اسلام انھیں کائنات میں غور و فکر کرنے، اسرار خلقت کا سراغ لگانے، آفاق کا مطالعہ کرنے اور خدا کی بادشاہت پر تدبر کرنے کی ترغیب دیتا رہا:

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

"ان سے کہو، کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔"

(۶) اپنی قوت سے وہ دھوکا کھا گئے۔ اقتدار پر بے جا ناز کرنے لگے۔ شکست خوردہ اور دل جلی قوموں سے وہ غافل ہو گئے۔ یہاں تک کہ دشمن تیاری اور اسلحہ کی فراہمی میں آگے بڑھ گئے۔ پھر اچانک آ دھمکے، جب کہ قرآن نے انھیں ہمیشہ بیدار رہنے اور غفلت سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی، اور غفلت کوشوں کو جانوروں کے مشابہ، بلکہ ان سے بھی گیا گزرا قرار دیا تھا:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ

لَّایَفۡقَهُوۡنَ بِهَاوَلَهُمۡ اَعۡیُنٌ لَّایُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّایَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ،اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ o (الاعراف:۱۷۹)

''اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، وہ بالکل چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے، یہ غفلت میں مدہوش ہیں۔''

(۷) وہ مکار اور چاپلوس دشمنوں کی چالوں میں آ گئے۔ ان کے مظاہر زندگی اور ان کی سرگرمیوں پر فریفتہ ہو گئے۔ اپنے نفع نقصان کو بھول کر تقلید کی رو میں بہہ گئے، حالاں کہ انھیں تو دشمنوں کی نقالی سے منع کیا گیا تھا۔ انھیں تو ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا تھا۔ اسلامی قدروں کی محافظت کرنے اور تقلید کی بدانجامیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی، قرآن پاک نے صاف صاف کہا تھا:

یٰٓاَیُّهَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُواالۡکِتَابَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَo (آل عمران:۱۰۰)

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی بھی گروہ کی بات مان لوگے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف پلٹا دیں گے۔''

اور ایک دوسری آیت میں فرمایا تھا:

یٰٓاَیُّهَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰی اَعۡقَابِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَo (آل عمران:۱۴۹)

''اے ایمان والو! اگر تم ان کافروں کی بات مانو گے تو یہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے۔ اور تم نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔''

سیاسی کش مکش

یہ تمام بیماریاں دولت اسلامیہ اور امت مسلمہ کو گھن کی طرح کھاتی رہیں اور دل جلی قوموں نے تاڑ لیا کہ اب دل کی بھڑاس نکالنے اور اس دولت اسلامیہ سے انتقام لینے کے لیے

موقع ساز گار ہے جس نے اس سے پہلے ان کے ملکوں کو فتح کیا تھا، اور زندگی کے تمام گوشوں سے ان کی تہذیب کا ایک ایک نشان مٹا کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ تا تاری ایک امڈتے ہوئے سیلاب کی طرح آگے بڑھے، اور صاعقہ عذاب بن کر دولت اسلامیہ پر ٹوٹ پڑے، وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجاتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے عباسی پایۂ تخت بغداد تک جا پہنچے، اور خلیفہ مستعصم کی صورت میں اسے اپنی ناپاک جوتیوں سے پامال کیا۔ اس طرح حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ پہلی بار خلافت کی لڑی اس بری طرح سے ٹوٹی کہ پوری امت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی۔ اب ہر ہر قبیلے کا ایک امیر تھا، اور ایک منبر۔ ادھر یورپ میں مسیحیت بھی جاگ اٹھی۔ اس نے پورے یورپ سے لاکھوں دل جلے عیسائیوں کے خوف ناک لشکر جمع کیے اور ایشیا اور افریقہ کی مسلم مشرقی ریاستوں پر اپنی ساری طاقتیں جھونک دیں، اور پیہم نو صلیبی حملے کیے جو بہترین شہ سواروں باتدبیر بادشاہوں اور بے پناہ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ اس طرح ان عیسائی فوجوں نے بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ پھر بیت المقدس میں انھوں نے ایک صلیبی حکومت قائم کر لی اور اب مشرق و مغرب کی اسلامی قوموں کو وہ دھمکیاں دینے لگیں۔ اور اس وقت کی سب سے مضبوط مسلم سلطنت مصر پر حملے کرنے لگیں۔

شیر جاگ اٹھا

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ باطل حق پر فتح یاب رہے۔ چنانچہ مصر اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا ہے، وہ ان شکست خوردہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جمع کرتا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں انھیں ان صلیبیوں کے سینے پر چڑھا دیتا ہے۔ اس طرح بیت المقدس ان سے واپس لے لیتا ہے اور حطین میں انھیں شرمناک شکست کا منظر دکھاتا ہے۔ پھر وہ سلطان ظاہر بے برس کی قیادت میں تا تاریوں سے آنکھیں چار کرتا ہے، اور عین جالوت میں انھیں نہایت ذلت کے ساتھ پیچھے ڈھکیل دیتا ہے، پھر نئے سرے سے خلافت کی داغ بیل پڑتی ہے۔ مشیت الٰہی شامل حال رہتی ہے، اور ایک نہایت مستحکم، وسیع اور طاقت ور دولت اسلامیہ وجود میں آجاتی ہے جو تقریباً تمام اہل اسلام کو متحد کرتی اور انھیں اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیتی ہے۔ پھر اس کی بلند ہمتی مسیحیت سے خود اس کے گھر میں گھس کر جنگ کرتی ہے۔ چنانچہ وہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیتی ہے اور اس کا اقتدار وسط یورپ میں شہر وائنا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ تھی عثمانی ترکوں کی حکومت!

یورپ میں ترقی کا آغاز

پھر ایک وقت آیا کہ دولت اسلامیہ اپنے اقتدار پر مطمئن ہوگئی۔ سکون واطمینان کا ایسا خمار اس پر طاری ہوا کہ وہ گردوپیش سے غافل ہوگئی۔ لیکن یورپ جو دولت عثمانیہ کے حالات سے بے خبر نہ تھا، وہ اس موقع سے چوکا نہیں حالات سے فائدہ اٹھانے میں اس نے ذرا بھی غفلت سے کام نہ لیا چنانچہ وہ سرزمین (GAULE) میں صلیبیت کے جھنڈے تلے مجتمع ہونے اور زور پکڑنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مغرب میں ہونے والی اسلامی جنگوں کا سلسلہ روکنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے مسلمانان اندلس کی صفوں میں بھی اپنی چالوں کا ایک جال بچھا دیا، اور اس طرح انھیں باہم ٹکرا دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اور بالآخر سمندر کے اس پار افریقہ کے ساحل پر لے جا کر انھیں پھینک دیا اور اب وہاں مضبوط ہسپانوی سلطنت قائم ہوگئی۔

اس طرح یورپ برابر مجتمع ہونے اور زور پکڑنے لگا۔ وہ برابر علم وفکر کے صحرا طے کرتا رہا۔ وہ دنیا کی خاک چھانتا اور ملکوں کا سراغ لگاتا رہا۔ چنانچہ امریکہ کی دریافت اسپین کا کارنامہ ہے، اور ہندوستان کے بحری راستے کی دریافت پرتگال (PORTUGAL) کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ غرض وہاں برابر ترقی وتعمیر کی آوازیں اٹھتی رہیں۔ اور کائناتی علوم اور مفید دریافتیں اس کی توجہ کا مرکز بنی رہیں، یہاں تک کہ ان تحریکوں کے نتیجے میں وہاں بہت سی قومیں باہم منظّم ہوگئیں اور ایک زبردست سلطنت وجود میں آگئی۔ مقصد ہر ایک کا یہ تھا کہ اس دولت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا جائے، جو سرزمین یورپ میں بھی ان کی شریک ہے اور پورے افریقہ اور ایشیا پر تنہا قابض ہے۔ ان نوخیز سلطنتوں نے اس بات پر باہم اس طرح قسمیں کھائیں کہ بسا اوقات مذہبی تقدس سے ان کے ڈانڈے جا ملے

نیا حملہ

یورپ نے سیر وسیاحت اور تحقیق وانکشاف کی آڑ لے کر ہم پر بڑی آفتیں ڈھائی ہیں۔ وہ اس نام سے اسلام کے بہت سے دور دراز ملکوں تک جا پہنچا۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور اس کی ہم سایہ اسلامی ریاستوں میں بھی اس کے ناپاک قدم پہنچ گئے۔ اس طرح وسیع ومستحکم مسلم سلطنت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس نے سازشوں کا جال بچھا دیا۔ اس کے لیے وہ بہت سی اسکیمیں

تیار کرتا جنھیں کبھی وہ مسئلۂ مشرق کا نام دیتا اور کبھی مرد بیمار کا ترکہ تقسیم کرنے سے تعبیر کرتا۔ وہاں کی ہر حکومت سازگار موقع سے فائدہ اٹھاتی، اور بے سروپا بہانے تراش کر اس بھولی بھالی اور رنگ رلیوں میں ڈوبی ہوئی سلطنت پر چھاپے مارتی اور اس کے کچھ حصوں کو ہضم کر لیتی یا اس کے کسی بازو کی کمر توڑ دیتی۔ ان حملوں کا اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ دولت عثمانیہ بہت سے اسلامی ملکوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ چنانچہ مغرب اقصیٰ اور یورپ کا شمالی علاقہ دولت عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کے پنجۂ اقتدار میں آ گیا۔ بہت سی غیر اسلامی حکومتیں جو عثمانیوں کے زیر اقتدار تھیں، جیسے یونان اور بلقانی سلطنتیں، یہ سب بھی آزاد ہو گئیں۔

اس کش مکش کا آخری فیصلہ پہلی عالم گیر جنگ پر ہوا جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی اور جس کا خاتمہ ترکی اور اس کی حلیف سلطنتوں کی شکست پر ہوا۔ اس طرح یورپ کی مضبوط ترین سلطنتوں برطانیہ و فرانس اور ان دونوں کے زیر سایہ اٹلی کو پورا موقع مل گیا۔ انھوں نے امت مسلمہ کی اس بھاری اور عظیم میراث پر بھرپور ہاتھ مارا۔ اور احتلال (SUBJUCATION)، استعمار (COLONILISM) اور انتداب (MANDATE) کے مختلف ناموں سے اس پر اپنے اپنے جھنڈے گاڑ دیے اور اس نقشے کے مطابق اسے باہم تقسیم کر لیا:

۱۔ شمالی افریقہ یعنی مراکش، جزائر اور تیونس۔ یہ فرانس کی نوآبادیاں بن گئیں، ان کے بیچ میں طنجہ (TANGER) ایک بین الاقوامی ریاست تھی۔ اور ریف اسپین کی نوآبادی تھی۔

۲۔ طرابلس اور برقہ ـــــ یہ اٹلی کی نوآبادی تھی۔ اٹلی کو یہ گوارا نہ ہوا کہ وہاں اسلام کا کوئی اثر و نشان باقی رہے۔ چنانچہ وہاں کے لیے اٹلی کی قومیت لازمی قرار دی۔ اس کا نام جنوبی اٹلی رکھا۔ اور وہاں کے مسلمانوں کے لیے ہزاروں انسان نما بھیڑیے اور بھوکے چیتے وہاں لا کر چھوڑ دیے۔

۳۔ مصر و سوڈان ـــــ یہ انگریزوں کے زیر نگین تھے۔ اور ہر طرح کی آزادی سے محروم تھے۔

۴۔ فلسطین ـــــ یہ انگریزی نوآبادی تھی۔ انگلستان اس حد تک رذالت پر اتر آیا کہ اس نے اسے یہود کے ہاتھوں بیچ دیا کہ وہ اسے اپنا قومی وطن یا صہیونی مرکز بنا لیں۔

۵۔ سیریا ـــــ یہ فرانس کی نوآبادی بن گئی۔

۶۔ عراق ـــــ یہ انگریزی نوآبادی تھی۔

۷۔ حجاز ـــــ یہ ایک کمزور سی جان بلب حکومت تھی، جو خیرات و صدقات کی منتظر رہتی اور جھوٹے وعدوں اور کھوٹے معاہدوں کے سہارے جیے جاتی۔

۸۔ یمن ـــــ یہ ایک چھوٹی سی سمٹی سمٹائی اور فقر وافلاس کی ماری ہوئی حکومت تھی جس کے سر پر ہر آن دھمکیوں کے بادل گرجتے رہتے۔

۹۔ جزیرۂ عرب کے بقیہ حصے ـــــ یہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے امراء برطانوی سفارت خانوں کے زیر نگرانی رہتے۔ یہ ان ہی کے ٹکڑوں پر گزر کرتے اور آتش عداوت سے ان کے سینے دہکتے رہتے۔ انھوں نے شہنشاہ جزیرہ ملک حسین سے پختہ عہد بھی کر رکھے تھے کہ وہ عرب کی آزادی اور خلافت عربیہ کے استحکام کی کوشش میں ضرور ان کی مدد کریں گے۔

۱۰۔ ایران وافغانستان ـــــ یہ نہایت پریشاں حال اور فلاکت زدہ حکومتیں تھیں جنھیں لالچی پنجے ہر طرف سے نوچتے رہتے۔ یہ کبھی کسی قوم کے زیر نگیں ہوتیں کبھی کسی قوم کے۔

۱۱۔ ہندوستان ـــــ یہ انگریزی نو آبادی تھی۔

۱۲۔ ترکستان اور اس کی ہم سایہ ریاستیں ـــــ یہ روسی نو آبادیاں تھیں جنہیں بالشویکی نہایت بری طرح ستاتے۔

اس کے علاوہ کچھ مسلم اقلیتیں تھیں، جو بہت سے ملکوں میں بکھری ہوئی تھیں، کوئی ریاست نہ تھی جس کی حمایت کا وہ سہارا لیتیں، نہ کوئی مسلح حکومت تھی جس کی پناہ میں وہ آسکتیں۔ جیسے حبشہ کے مسلمان، بلقان کے مسلمان، وسط افریقہ، جنوبی افریقہ، مشرقی اور مغربی افریقہ کے مسلمان۔ اس طرح یورپ اس سیاسی کش مکش میں پوری طرح فتح یاب رہا، اس نے عظیم مسلم سلطنت کو پارہ پارہ کرنے، دولت اسلامیہ کو نیست ونابود کرنے اور بااثر حکومتوں کی فہرست سے اسے غائب کر دینے کا جو عزم کیا تھا اس میں وہ کامیاب رہا۔

از سر نو اقتدار کا حصول

لیکن یورپی طاقتوں نے ظلم وستم کی حد کر دی۔ انھوں نے مسلمان قوموں سے جو معاہدے کیے تھے، انھیں بری طرح پامال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سینے گھٹنے لگے، دل کھولنے لگے اور ساری مسلم قومیں ایک طرف سے آزادی کے مطالبے کرنے لگیں۔ مجد وحریت کے حصول کے لیے دل وجان سے جدو جہد کرنے لگیں۔ ان کے اندر بغاوت کے لاوے پھوٹ پڑے۔ ترکی نے بغاوت کر دی، مصر نے بغاوت کر دی، عراق وشام نے بغاوت کر دی، فلسطین اور ریف میں بغاوتیں ہو گئیں۔ ہر جگہ بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس طرح اقوام اسلام نے کچھ حقوق بھی حاصل کر لیے۔ اپنے

نئے حدود میں ترکی کو آزادی مل گئی ۔ مصر و عراق دو مستقل سلطنتیں تسلیم کرلی گئیں ۔حجاز ونجد میں سعودی حکومت قائم ہوگئی ۔یمن ،ایران اور افغانستان نے اپنی مستقل حیثیت منوالی ۔ پوری امید ہو چلی ہے کہ شام بھی اب اپنی آزادی حاصل کرلے گا۔[1] ادھر فلسطین نے بھی طویل جدوجہد کے بعد سارے عالم کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جن بلند مقاصد کا مسلمانوں نے عزم کیا تھا، جو مجد و حریت کی بازیابی اور دولت اسلامیہ کی جو تعمیر ان کے پیش نظر تھی ،اس کی راہ میں یہ قدم بڑے مبارک اور باسعادت تھے۔ گرچہ کافی سست اور ضرورت کے لحاظ سے کم تھے۔ پھر یہ بھی ایک افسوس ناک پہلو ہے کہ ان کوششوں کا رخ قومیت کے محدود تصور کی طرف مڑ گیا۔ ہر گروہ نے ایک الگ قوم کی حیثیت سے اپنے حق آزادی کا مطالبہ کیا،ترقی و آزادی کی اس جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی اکثریت اسلامی اتحاد کے نظریے سے غافل ہی رہی ،لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انجام کار ہماری قوتیں پھر یک جا ہوں گی ،ایک عظیم اسلامی سلطنت پھر وجود میں آئے گی ، جو ایک دولت اسلامیہ کی حیثیت سے عالم اسلام کو پھر یک جا کرے گی ۔اسلام کا پرچم پھر لہرائے گا اور اس کی دعوت کا غلغلہ پھر بلند ہوگا۔ کیوں کہ دنیا کی کسی قوم کے پاس بھی یک جہتی کے اتنے عوامل نہیں ہیں جتنے مسلمانوں کے پاس ہیں۔ زبان سب کی ایک ،مادی وروحانی مصالح بھی ایک ،آرزوئیں اور تمنائیں بھی ایک، حسرتیں اور سوزشیں بھی ایک ۔

اک نئی جنگ

صلیبی حکومتیں عالمی جنگ کے نحوست کدے سے نکلی ہیں تو ان میں سے بہتوں کے سینے پک رہے تھے۔ صلح کانفرنس اور اس کے معاہدے کچھ کے لیے تو نہایت زبردست طمانچے ثابت ہوئے، اور بہتوں کی آرزوں کے لیے حسرت ناک پیام موت ۔آج پھر بہت سے نئے نئے خیالات اور تعصب میں ڈوبے ہوئے نظریات سر اٹھارہے ہیں۔ یہ صورت حال پھر ایک بار انتہائی خوف ناک جنگ سے دو چار کرے گی ۔ وہ جنگ انھیں چبا کر چھوڑے گی ۔ وہ انھیں پیس کر رکھ دے گی، ان کی دھجیاں بکھیر دے گی ۔ان کی وحدت کو پارہ پارہ کردے گی ،وہ ان کا سارا خمار اتار دے گی اور ظالم

(۱) بالآخر شام نے بھی اپنی آزادی حاصل کرلی ،تمام حکومتوں نے اس کی آزادی تسلیم کرلی اور فرانسیسی وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔

ہاتھوں کو شل کر کے چھوڑے گی۔ نیز اقوام اسلام کو دوبارہ موقع دے گی کہ وہ اپنی صفیں آراستہ کریں، اپنے شیرازے مجتمع کریں، وہ اپنی آزادی حاصل کریں، کامل آزادی، بے داغ آزادی، دامن آزادی پر غلامی کا دھبہ بھی نہ رہنے دیں اور حکومت وسلطنت کی بازیابی کے لیے پھر جدو جہد کریں:

وَنُرِيْدُاَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ o (القصص:۵)

’’اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو اس سرزمین میں کچلا جارہا تھا اور انھیں بنادیں سردار اور پیشوا، اور بنادیں انھیں ملک کا وارث۔‘‘

اجتماعی کش مکش

یورپین قومیں جو مشرق میں صلیبی جنگوں کی بدولت اور مغرب میں اندلس کے عرب مسلمانوں کی ہم سائیگی واختلاط کی بدولت اسلام اور اقوام اسلام سے قریب رہیں، انھوں نے اس قرب واتصال سے قومی شعور اور سیاسی یک جہتی کا ہی درس نہیں لیا، ذہنی بے داری اور زبردست عقلیت کا بھی فائدہ حاصل کیا۔ انھوں نے مسلمانوں سے بہت سے علوم سیکھے، اور ان کے اندر ایک نہایت وسیع علمی اور ادبی ترقی کی صبح نمودار ہوئی۔ کلیسا نے پوری قوت سے اس نئی صورت حال کا مقابلہ کیا اور ترقی کے علم بردار ادیبوں اور دانش وروں کو بری طرح ستانے لگا، اس کے تحقیقاتی محکمے اور سی آئی ڈی کے ادارے بری طرح ان پر مشق ستم کرتے اور ان کے خلاف حکومتوں اور جماعتوں کو مشتعل کرتے، لیکن یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں، علمی حقائق وانکشافات کے سامنے کلیسا کی زیادتیاں نہ ٹک سکیں اور علمی ترقی اس معرکے میں فتح یاب رہی۔ اس سے حکومت کو بھی شہ ملی اور اس نے بھی کلیسا کے مقابلے میں آستینیں چڑھالیں۔ بالآخر اسے بری طرح شکست دی۔ اس طرح یورپ کلیسا کے تسلط سے آزاد ہوگیا اور اہل کلیسا عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ پوپ کو ایک چھوٹی سی ریاست فاتیکان (VATICAN) میں بٹھا دیا گیا اور اہل مذہب کی سرگرمیاں زندگی کے ایک تنگ دائرے میں محدود ہوگئیں جس سے آگے کی سوچنا ان کے لیے جرم تھا۔ اب یورپ میں مسیحیت بس ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گئی جس کا کام بس یہ تھا کہ وہ بے وقوف اور سادہ لوح عوام کو تھپکیاں دے اور غلبہ واستعمار اور سیاسی مقاصد کے لیے آلۂ کار بنے۔ اب یورپ کے

سامنے علم ودانش کی نہایت کھلی ہوئی فضا تھی۔اور تحقیق واختراع کا ایک وسیع میدان۔ مشینی ترقی نے ایجادات کی رفتار اور تیز کردی، اور اب زندگی بالکل صنعتی رخ پر دوڑنے لگی۔اب یورپ وقت کی ایک نہایت زبردست اور مستحکم قوت بن گیا اور بہت سے ممالک اس کے دائرۂ اقتدار میں آ گئے۔ اس طرح اب ان ہی مغربی اقوام پر دنیا جھک آئی، ساری چیزیں کشاں کشاں ان کی طرف آنے لگیں۔مال ودولت کا ایک سیلاب تھا جو ہر طرف سے امڈا آ رہا تھا۔

اب کیا تھا، مغربی زندگی اور مغربی تہذیب سے دین یک سر بے دخل ہو گیا۔اجتماعی زندگی کے تمام مظاہر بالخصوص، حکومت کے دفاتر اور مدارس سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا اور اب مادی ذہن اور مادی نقطۂ نظر کو فروغ ہوا اور وہی ہر چیز کا پیمانہ اور ہر شے کا معیار بن گیا۔ چوں کہ اس تہذیب نے مادیت کی آغوش میں آنکھیں کھولیں، اسی کی پستان سے وہ سیراب ہوئی اور اسی کے گہوارے میں وہ پلی بڑھی، اس لیے مذہب کی عداوت اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر گئی۔وہ آسمانی مذاہب کی تمام چیزوں کو منہدم کرنے لگی۔اور ان اصولوں کی تردید کرنے لگی جو دین حنیف نے تجویز کیے تھے، جو تہذیب اسلامی کی اساس تھے اور مادہ اور روح دونوں کے جامع تھے۔نمایاں طور پر جو باتیں مغربی تمدن کا شعار تھیں وہ یہ ہیں:

۱۔ الحاد اور بے دینی، آخرت فراموشی، خدا کے بارے میں شک، روح کا انکار، اسی محسوس مادی دنیا کو سب کچھ سمجھنا اور اس کے حدود سے آگے نہ بڑھنا:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ۝ (الروم:۷)

''یہ لوگ بس اس زندگی کا سطحی علم رکھتے ہیں، اور بعد والی زندگی سے بالکل ہی غافل ہیں۔''

۲۔ بے قیدی، عیش کوشی، لذت پرستی، سفلہ مزاجی، رذالت پسندی، شہوانی جذبات کا طوفان، لذت کام ودہن کا اہتمام، بتان دہر کی طرف حد سے زیادہ میلان، ان کی فتنہ کاری وہیجان انگیزی کو دوآتشہ کرنے کا رجحان، ان مہلک اور تباہ کن چیزوں کی طرف میلان، جو عقل وجسم کے لیے سرتاسر زیاں، عائلی نظام کے لیے بلائے بے درماں اور کنبہ وخاندان کے لیے باعث صد حرماں تھیں:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ؕ (محمد:۱۲)

''اور جنھوں نے کفر کیا، مزے لوٹ رہے ہیں، اور اس طرح کھا پی رہے ہیں جیسے جانور کھائیں پییں۔ اور آگ ان کا آخری ٹھکانا ہے۔''

۳۔ ایک ایک فرد میں خودغرضی، ایک ایک طبقے میں خودغرضی، ایک ایک قوم میں خودغرضی۔ ہر انسان بس اپنی بھلائی کا خواہش مند، ہر طبقہ بس اپنی سیادت کا آرزومند، ہر گروہ ساری لذتیں خود سمیٹ لینے کے لیے فکرمند، ہر قوم کے اندر قومی عصبیت، دوسروں کی تحقیر اور کمزور کو ہڑپ کر لینے کی ہر ممکن تدبیر۔

۴۔ سودخوری کا رجحان اور سودی نظام کا اعلان، ہر چیز میں سود، ہر لین دین میں سود، ہر کاروبار میں سود، بڑی سے بڑی چیز میں سود اور چھوٹی سے چھوٹی چیز میں سود۔ سود کی کوئی ایک صورت نہیں ہزار صورتیں اور ہزار شکلیں۔

مغربی تمدن ان ساری نحوستوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ نتیجہ ظاہر تھا، مغربیت زدہ ملکوں میں اخلاق کے رشتے کمزور پڑ گئے۔ طبیعتوں کے زاویے بدل گئے۔ جرائم کی خوف ناک آندھیاں چلیں اور نیکی وشرافت کے چراغ گل ہو گئے۔ پھر طرح طرح کی پیچیدگیوں نے جنم لیا۔ تخریب پسند نظریات نے سر اٹھایا۔ ہر طرف سے بغاوتوں کے لاوے پھوٹ پڑے۔ اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی نظام درہم برہم ہو گئے۔ حکومتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ قومیں ذاتی مفادات کی جنگ میں کود پڑیں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسی ہو گئیں۔ اس طرح اس نئے تمدن نے گرچہ انسانیت کے لیے علم ودانش کے بہت سے دروازے کھولے۔ دولت کے ڈھیر لگا دیے اور زمین پر اپنے تسلط اور اقتدار کے جھنڈے گاڑ دیے۔ لیکن اس نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ انسانیت کو امن عطا کرنا، انسانی معاشرے کو چین کا گہوارہ بنانا اور دنیا کو سعادت سے ہم کنار کرنا اس کا کام نہیں۔

اسلامی ممالک پر مادیت کی یلغار

یورپ نے پوری کوشش کی کہ مادیت کا عفریت اپنے تمام گھناؤنے مظاہر اور مہلک جراثیم کے ساتھ ان اسلامی ممالک پر بھی چھا جائے، جو بدقسمتی سے اس کے زیر اقتدار تھے۔ ساتھ ہی اس کی یہ شدید آرزو رہی کہ اس کے یہاں قوت اور بہتری کے جو عناصر ہیں ان سے یہ قومیں محروم رہیں۔ اس کے علوم وفنون، ایجادات واختراعات اور مفید نظاموں کی انھیں ہوا نہ لگنے پائے۔ صلیبی دماغوں نے اس اجتماعی یا معاشرتی جنگ کے لیے بڑی محکم اسکیم تیار کی اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ

اور عسکری قوت سے پوری مدد لی۔ یہاں تک کہ وہ اس آرزو میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے بڑے بڑے مسلمانوں کو ورغلایا کہ وہ ان سے قرضے لیں۔ ان سے لین دین کریں، اس کی انھوں نے خوب سہولتیں دیں اور ہر قسم کی آسانیاں فراہم کیں۔ اس طرح ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ ان کی اقتصادیات میں داخل ہو سکیں۔ اپنے مالوں، بینکوں اور کمپنیوں کے ذریعے پورے ملک پر چھا جائیں، ان کے معاشی پہیے کو جس طرح چاہیں گھمائیں اور دولت و منفعت کی منڈیوں پر ان کے بجائے خود قابض ہو جائیں۔ پھر ان کے لیے اس کی بھی راہ کھل گئی کہ ان کے حکومتی قوانین، عدالتی ضابطے اور تعلیمی نظام کو بدل دیں۔ حتیٰ کہ سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم اسلامی ملک میں بھی سیاسی، تشریعی اور ثقافتی نظاموں کو اپنے خالص رنگ میں رنگ ڈالیں۔

ان ملکوں میں وہ اپنی لباس پوش عریاں عورتیں بھی لائے۔ شراب کی صراحیاں بھی لائے۔ تھیٹر اور رقص گاہیں بھی لائے، لہو ولعب اور رنگ رلیوں کی محفلیں بھی لائے۔ رسالے، افسانے، ناول اور ڈرامے بھی لائے۔ اپنی تمام فضولیات اور ساری بے حیائیاں لائے اور ان جرائم کی یہاں کھلی چھوٹ دے دی، جنہیں اپنے یہاں کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس چھل پہل اور کھیل تفریح والی دنیا، گناہوں سے گونجتی اور فسق وفجور سے اڈتی دنیا کو ان بے وقوف اور سادہ لوح مسلمانوں کی نگاہوں میں مزین کر دیا۔ جو دولت منداور اصحاب رائے تھے اور معاشرے میں قدر و منزلت اور جاہ واقتدار کے مالک تھے۔

انھوں نے سرزمین اسلام کے بالکل قلب میں مدرسے اور علمی وثقافتی ادارے بھی کھولے جو فرزندان اسلام کے ذہنوں میں شک والحاد کی تخم ریزی کرتے اور انھیں سکھاتے کہ کس طرح وہ اپنوں کے اندر کیڑے نکالیں، اپنے دین ووطن کو حقیر سمجھیں۔ اپنی روایات وعقائد کے جامے اتار پھینکیں، اور ہر اس چیز کے احترام میں ان کی نگاہیں بچھ جائیں جو مغربی ہو اور ان کا یہ ایمان اور عقیدہ ہو جائے کہ جو کچھ بھی اہل یورپ سے سرزد ہو جائے، بس وہی اس زندگی کی قدر اعلیٰ ہے۔

پھر یہ مدارس بس اونچے طبقے کے نونہالوں پر مشتمل اور ان ہی کے لیے وقف ہوتے کیوں کہ اسی طبقے کے نونہال کل کے عظماء اور حکام تھے۔ اور کچھ دنوں بعد ان ہی کے ہاتھوں میں قوموں اور امتوں کی باگ ڈور آنی تھی، اور جو ان مقامی اداروں میں پختہ نہ ہو پاتے، انھیں پیہم آنے والے وفود اور مشن پختہ کر دیتے۔

اس زوردار اور منظّم اجتماعی جنگ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ کیوں کہ یہ ایسی جنگ تھی جو طبیعتوں کو محبوب اور دلوں کو مرغوب تھی۔ عمر اس کی لمبی اور اثرات گہرے تھے۔ اسی لیے یہ سیاسی اور عسکری جنگ سے کئی گناہ خطرناک تھی۔

بعض اسلامی ریاستیں تو اس یورپی تہذیب پر بری طرح فریفتہ اور اسلامی رنگ سے حد درجہ آزردہ ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ترکی نے تو اعلان کردیا کہ وہ غیر اسلامی حکومت ہے، اور اس نے یورپین تہذیب کی ایک ایک ادا اپنالی۔ امیر افغان امان اللہ خاں نے بھی یہی ارادہ کیا تھا، مگر یہی ارادہ اس کے تخت کو لے ڈوبا۔ مصر میں بھی اس کی تقلید کا بے حد زور ہوا حتی کہ ایک سمجھ دار اور صاحب رائے شخص کو یہ نعرہ لگانے کی جرأت ہوگئی کہ ”ترقی کی کلید مغرب کی تقلید ہے۔ ہم اس تہذیب کو اپنالیں اور ہر چیز میں اس کی پیروی کریں، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، میٹھی ہو یا کڑوی، پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ محمود ہو یا معیوب۔“

چنانچہ یہ تہذیب پوری قوت وسرعت کے ساتھ ملک کے ہم سایہ ملکوں کی طرف بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ مغرب اقصیٰ تک جا پہنچی۔ نیز وہ حجاز کے گلی کوچوں، گھروں اور گھروں میں رہنے والے مقدس ذہنوں میں رینگنے لگی۔ ہم چاہیں تو مغرب زدگی کے لحاظ سے ممالک اسلامیہ کی تین تقسیمیں کرسکتے ہیں:

۱۔ وہ ممالک جو مغرب سے حد درجہ متاثر ہوئے، یہاں تک کہ دل، دماغ اور ذہن سب بدل کر رہ گئے۔ ان ہی ممالک میں سے ترکی اور مصر ہے کہ ان ممالک میں فکر اسلامی کا سایہ تمام اجتماعی شعبوں سے رخصت ہوگیا۔ اور اسلام وہاں سے دھکے دے دے کر نکال دیا گیا کہ وہ جاکر مسجدوں، خانقاہوں، سراؤں اور تکیوں میں روپوش ہوجائے۔

۲۔ وہ ممالک جو حکومتی شعبوں اور سرکاری سرگرمیوں کی حد تک تو متاثر ہوئے، مگر قلب و ذہن اس سے محفوظ رہے۔ جیسے ایران اور بلاد مغرب

۳۔ وہ ممالک جہاں حکام اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک محدود طبقہ اس تہذیب سے متاثر ہوا اور نہ عام لوگ محفوظ رہے۔ جیسے شام، عراق، حجاز، جزیرۂ عرب کے بہت سے علاقے اور بقیہ اسلامی ممالک۔

آج بھی اس تہذیب کی موجیں برق رفتاری سے بڑھ رہی ہیں، تاکہ جن ذہنوں،

طبقوں اور شعبوں تک وہ نہیں پہنچ سکی ہیں وہاں بھی پہنچ جائیں۔ غضب ہیں یہ دشمنان اسلام، انھوں نے کتنے ہی ذی ہوش مسلمانوں پر کمندیں پھینکیں اور انھیں شکار کرلیا۔ انھوں نے اسلام کی تصویر کچھ اس انداز سے پیش کی کہ وہ تو بس عقائد، عبادات اور اخلاق کا مجموعہ ہے، اس کے علاوہ کچھ دینی رسوم، کچھ خرافات اور کچھ کھوکھلے مظاہر ہیں۔ اس طرح انھوں نے غیور فرزندان اسلام کی آنکھوں پر دبیز سیاہ عینک لگادی، اور اچھے اچھے اصحاب عقل ان کے چکر میں آگئے۔

اس فریب کاری میں مدد اس بات سے ملی کہ مسلمان خود اپنے دین سے ناواقف تھے۔ چنانچہ اسلام کی اس تصویر پر وہ مطمئن ہوگئے اور چوں کہ ذہنوں میں ایک مدت سے یہ باتیں جمی ہوئی ہیں، اس لیے اب انہیں یہ سمجھانا دشوار ہوگیا کہ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

اس طرح مغربی تہذیب اپنے مادی نظاموں کے ذریعہ اسلامی تہذیب اور اس کے ان راست نظاموں پر جو روحانیت اور مادیت دونوں کے جامع ہیں، پوری طرح غالب رہی۔ سیاسی اور عسکری میدان میں بھی وہی غالب رہی۔ اور اس اجتماعی جنگ میں بھی اسی کی فتح ہوئی، اور یہ فتح خود اسلام کی سرزمین میں ہوئی۔ اس خون خوار جنگ میں ہوئی جس کا میدان مسلمانوں کے ذہن و دماغ تھے، ان کی روحیں اور عقلیں تھیں، ان کے نظریات وعقائد تھے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کہ مظاہر زندگی کے بہت سے ٹکڑے نہیں ہوا کرتے، قوت ہر جگہ قوت رہتی ہے، اور کمزوری ہر جگہ کمزوری رہتی ہے:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ (آل عمران:۱۴۰)

''یہ ایام ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔''

اگرچہ یہ کمزوری خود اسلام کی کمزوری نہ تھی کہ اسلام کی اساسات وتعلیمات تو زور قوت سے بھرپور تھیں، وہ زرخیزی اور زندگی کی توانائیوں سے امنڈ رہی تھیں، وہ رعنائی ودلآویزی کی ایک حسین جنت تھیں اور ایسی ہی وہ ہمیشہ رہیں گی، وہی حق ہیں اور ان کے بغیر انسانی زندگی کمال وفضیلت سے آشنا ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر وہ اللہ کی ہیں، اور اللہ کی سرپرستی اور محافظت میں ہیں:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ (الحجر:۹)

''ہم ہی نے ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۝ (التوبہ:۳۲)

''اللہ تو اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا، کافر چاہے کتنے ہی جز بز ہوں۔''

بیداری

یہ سب کچھ ہوا، مگر جس طرح اس سیاسی یلغار سے قومی جذبات جاگ اٹھے تھے اسی طرح اس اجتماعی یلغار سے بھی فکر اسلامی میں جان آ گئی، چنانچہ آج ہر طرف سے اس کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ ہر جہت سے اسلام کی طرف پلٹنے، اسلامی احکام کو سمجھنے اور نظام اسلامی کو نافذ کرنے کے مطالبے ہو رہے ہیں اور یقیناً بہت جلد وہ دن آئے گا جب اس مادی تمدن کے عالی شان محل خود اس تمدن کے سر پر آ رہیں گے، اور اس وقت انھیں روحانی تپش محسوس ہوگی جس سے ان کی روحیں جل رہی ہوں گی، دل سلگ رہے ہوں گے اور انھیں اس کتاب کریم کے علاوہ نہ کہیں شفا ملے گی نہ کوئی دوا اور غذا ملے گی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ (یونس:۵۷)

''لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کے ہاں سے نصیحت، امراض دل کی شفا اور ہدایت و رحمت آئی ہے، ان کے لیے جو ایمان لائیں کہو، تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر انھیں خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

ہماری دعوت نشأۃ جدیدہ اور نجات کی دعوت ہے

بھائیو! اس طرح اللہ کی یہ مشیت ہوئی کہ ہم اس ترکے کے وارث ہوں، جو ذمہ داریوں سے گراں بار ہے۔ اس کا یہ فیصلہ ہوا کہ تمھاری دعوت کا نور اس ظلمت کے دہانے پر چمکے اور وہ اپنے نام کو بلند کرنے، شریعت کو غالب کرنے اور از سر نو اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے تمھیں تیار کرے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج:۴۰)

''اور اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ اللہ طاقت والا اور بڑا زبردست ہے۔''

ہمارے عام مقاصد

بھائیو! ہم چاہتے کیا ہیں؟ آیا ہم مال چاہتے ہیں، جب کہ وہ ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے؟ آیا ہم جاہ ومنزلت کے خواست گار ہیں جب کہ وہ چھن جانے والی چیز ہے؟ یا کیا ہم زمین میں غلبہ واقتدار کے آرزومند ہیں، حالاں کہ زمین تو اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے؟ اور ہم برابر یہ فرمانِ الٰہی پڑھتے ہیں:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص: ۸۳)

''یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم دیں گے ان ہی لوگوں کو جو زمین میں بڑائی چاہتے ہیں نہ فسادانگیزی۔ اور حسن انجام تو متقین ہی کے لیے ہے۔''

اللہ گواہ ہے، ہم ان میں سے کچھ نہیں چاہتے۔ ہماری سرگرمیاں اور جاں فشانیاں ان کے لیے نہیں ہیں، نہ ان کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں۔ اس کے برعکس دو بنیادی مقاصد ہیں جنھیں تم ہمیشہ سامنے رکھو:

۱۔ وطن اسلامی ہر غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہو جائے کہ آزادی تو ہر انسان کا ایک فطری حق ہے، جس کا انکار کوئی ہٹ دھرم ظالم ہی کر سکتا ہے۔

۲۔ اس آزاد وطن میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو جو اسلام کے احکام پر عمل کرے، اس کے اجتماعی نظام کو نافذ کرے، اس کے راست اصولوں کا اعلان کرے اور اس کی حکمت پر مبنی دعوت کو تمام لوگوں میں عام کرے اور جب تک یہ ریاست قائم نہ ہوگی، تمام مسلمان گنہگار رہوں گے۔ اس کے سلسلے میں کوتاہی ولاپروائی پر خداوند عالم کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔ حیرانی وسرگشتگی کے اس تاریک دور میں انسانیت کے ساتھ یہ کیسی بے وفائی اور زیادتی ہوگی کہ آج ایسی بے شمار سلطنتیں تو قائم ہوں جو ظالمانہ اصولوں کے نعرے لگائیں، جفا پرست نظریات کی منادی کریں، لیکن کوئی ایک حکومت بھی ایسی نہ ہو جو حق وانصاف اور امن وسلامتی کی اشک شوئی کرے یا ان کی سربلندی کے لیے کوشاں ہو۔ وادی نیل ہو یا دوسرے عرب ممالک، ہم عقیدۂ اسلامی کے ہر مسکن میں یہ دونوں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، دین، قومیت اور عقیدہ۔ یہ چیزیں تمام مسلمانوں کو ایک کر دینے کے لیے کافی ہیں۔

ہمارے خصوصی مقاصد

ان کے علاوہ ہمارے کچھ خصوصی مقاصد بھی ہیں جن کے بغیر کوئی معاشرہ مکمل اسلامی معاشرہ نہیں ہوسکتا۔ تصور کرو بھائیو! آج ساٹھ فی صد مصریوں کی حالت حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ محض سدرمق کے لیے انھیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ مصر کے سر پر ہولناک قحط کی تلوار لٹک رہی ہے، وہ اتنی زیادہ اقتصادی مشکلات کا شکار ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے انجام کیا ہوگا۔ مصر میں ۳۲۰ سے زائد غیر ملکی کمپنیاں ہیں جو پورے ملک کی دولت پر تنہا ہاتھ صاف کر رہی ہیں۔ صنعت، تجارت اور تمام اقتصادیات کی چرخی ان ہی سود خور ہاتھوں میں ہے اور زمینیں، جاگیریں برق رفتاری سے ان ہی ہاتھوں میں جارہی ہیں۔ پھر یہ مصر متمدن ممالک میں وباؤں، بیماریوں اور آفتوں کا سب سے زیادہ شکار ہے۔ ۹۰ فی صد سے زائد آبادی کمزوری، حواس باختگی اور طرح طرح کی بیماریوں کی زد میں ہے۔ پھر یہ مصر اب تک جہالت کی تاریکیوں میں ہے۔ یہاں اہل علم کا تناسب ۲۰ فیصد بھی نہیں، جب کہ ان میں بھی ایک لاکھ سے زائد ایسے لوگ ہیں جن کی تعلیم جبری اسکولوں تک ہی محدود ہے۔ پھر مصر میں جرائم کی کثرت انتہائی خوف ناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ مدارس سے زیادہ قید خانے تعمیر ہو رہے ہیں۔ پھر یہ مصر فوج کا ایسا ایک دستہ بھی اب تک تیار نہ کر سکا جو پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہو۔ بقیہ عالم اسلام کی بھی یہی کیفیت ہے لہٰذا تمہیں تعلیم کی اصلاح، مفلسی کا علاج، جہالت کا ازالہ، امراض کا مداوا اور جرائم کا قلع قمع بھی کرنا ہے اور ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا ہے جو واقعتاً شریعت اسلامی کا آئینہ دار ہو۔

ہمارے مستقل وسائل

ان مقاصد تک ہم پہنچیں گے کیسے؟ تقریریں، گفتگوئیں، لکچرس، مواعظ، مراسلات بیماریوں کی تشخیص، دواؤں کی تجویز! محض ان باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ ان سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ محض یہ چیزیں دعوت کو کسی بھی غایت تک نہیں پہنچا سکتیں۔ یاد رکھو! دعوتوں اور تحریکوں کے لیے کچھ وسائل ہوتے ہیں جنھیں اپنانا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا ناگزیر ہوتا ہے، اور وہ وسائل کبھی بدلتے نہیں، وہ ہمیشہ ایک سے رہتے ہیں۔ وہ وسائل کیا ہیں؟

۱۔ گہرا ایمان ــــــ ۲۔ دقیق تنظیم ــــــ ۳۔ پیہم جدوجہد

بھائیو! یہ ہیں تمہارے بنیادی وسائل۔ تو تم اپنے فکر پر ایمان رکھو، اس کے گرد جمع رہو۔ اس کے لیے جدوجہد کرو اور ہمیشہ اس پر قائم رہو۔

اضافی وسائل

ان مستقل وسائل کے علاوہ کبھی کچھ اضافی وسائل بھی ہوتے ہیں جنھیں اختیار کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ناگزیر ہوتا ہے، ان میں سے کچھ تو سلبی ہوتے ہیں اور کچھ ایجابی، کچھ عرف عام کے مطابق ہوتے ہیں، اور کچھ اس کے خلاف اور اس کی ضد ہوتے ہیں، کچھ کے اندر نرمی ہوتی ہے، اور کچھ کے اندر شدت ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان سب کا خوگر بنائیں تا کہ ہم کامیابی کے حق دار ہوسکیں۔ کبھی ہم سے یہ مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہم عادتوں اور مروجہ باتوں کے خلاف چلیں، حکمراں نظاموں اور رائج اصولوں سے بغاوت کریں اور یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں، ہماری دعوت کی روح بھی تو یہی ہے۔ ہم نے تو طے ہی یہ کیا ہے کہ ہم ماحول سے بغاوت کریں گے، اور رسوم ورواج کے سارے تار و پود بکھیر دیں گے۔ تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو اے اخوان؟

حوصلہ شکنی

قطعی طور پر بہت سے لوگ کہیں گے ان وسائل سے کیا ہوگا؟ تعمیر امت اور اصلاح معاشرہ کوئی کھیل تو نہیں ہے۔ آج مشکلات جڑ پکڑ چکی ہیں اور خرابیاں سارے معاشرے میں پھیل چکی ہیں۔ آج آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، حالات کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ایسے میں یہ وسائل کیا کریں گے؟ تم سود کے بغیر اقتصادی گاڑی کیسے چلاؤ گے؟ عورت کے مسئلے میں کیا کرو گے؟ بغیر قوت کے اپنا حق کیسے منواؤ گے؟ تو یاد رکھو میرے بھائیو! یہ شیطان کے وساوس ہیں، جن کے ذریعے وہ ہر مصلح کی آرزوؤں پر پانی پھیرنا چاہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے وساوس کی جڑیں کاٹ دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو اس کی رخنہ اندازیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ تو بے پناہ علم والا اور بڑی تدبیروں والا ہے۔ جو لوگ بھی اس طرح کی باتیں کریں ان سے کہو تاریخی واقعات، اگلے پچھلے تجربات اور قوموں کی سرگزشتیں ہماری عبرت کے لیے کافی ہیں۔ وہ امت جو جینے کا عزم کر لے، اس کے مٹنے کا کیا سوال، اس سے تو موت دور بھاگتی ہے۔

ہماری راہ کی رکاوٹیں

آج میں تمہیں خبردار کردوں کہ تمہاری دعوت سے اب تک لوگ ناآشنا ہیں، جس دن وہ اسے پہچان لیں گے ان کے تیور بدل جائیں گے، وہ جوں ہی اس کے مقاصد اور ارمانوں کو جانیں گے عداوت ومخالفت کی تلواریں بے نیام کردیں گے۔ بس اسی وقت سے تمہارے اصل سفر کا آغاز ہوگا۔ اور راہ عزیمت میں تمہارا پہلا قدم اٹھے گا۔ کیوں کہ ابھی لوگوں نے تمہیں جانا ہی کہاں؟ ابھی تو تم دعوت کے لیے راہیں ہموار کررہے ہو، کار دعوت کے لیے جو صبر وعزیمت اور جو جہد ومشقت درکار ہے اس کی تربیت پا رہے ہو۔ لوگوں کی اسلام ناشناسی تمہاری راہ میں کوہ گراں بن کر حائل ہو جائے گی، ایسے ایسے سرکاری عالموں اور دین کے اجارے داروں سے واسطہ پڑے گا جو تمہاری اسلام فہمی کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تمہاری دینی سرگرمیوں کو ناپسند کریں گے۔ رؤسائے قوم اور زعمائے وطن برافروختہ ہوں گے اور جاہ واقتدار کے متوالے منہ سے جھاگ پھینکیں گے۔ وقت کی حکومتیں راہ میں مزاحم ہوں گی، اور چاہیں گی کہ تمہاری غیرت وحمیت اور عزم وہمت کے شعلے سرد پڑ جائیں اور منزل کھوٹی ہو جائے۔

ملک وملت کے خائن تمہیں مٹانے اور نور دعوت کو بجھانے کے لیے ہر ممکن تدبیریں کریں گے، وہ حکومتوں سے بھی مدد لیں گے، پست فطرتی کے بھی مظاہرے کریں گے۔ اور انسان نما درندے بھی چھوڑیں گے جو ان کے نمک خوار اور تمہارے درپے آزار ہوں گے۔ یہ سب مل کر تمہاری دعوت پر شبہات کی دھول اڑائیں گے، تہمتوں کی کیچڑ اچھالیں گے۔ اس سے ہر طرح کا عیب وابستہ کریں گے اور لوگوں میں اسے بدنام کرنے کی آخری کوشش کریں گے۔ قوت وسطوت کے گھمنڈ اور دولت وثروت کے پندار میں وہ یہ سب کچھ کریں گے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۝ (الصف:۸)

”وہ چاہتے ہیں کہ اپنی افترا پردازیوں سے اللہ کا نور بجھادیں، حالاں کہ اللہ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔ چاہے کافر کتنے ہی جزبز ہوں۔“

اس طرح تم آزمائش کے دور میں داخل ہو جاؤ گے۔ تم قید کیے جاؤ گے، نظر بند کیے جاؤ گے۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیے جاؤ گے، شہر بدر کیے جاؤ گے، تمہارے دفاتر سیل کر دیے جائیں گے، تمہارے کارخانے بند کر دیے جائیں گے، تمہارے گھروں کی تلاشیاں لی جائیں گی اور ہوسکتا ہے آزمائش کی یہ مدت کافی دراز ہو جائے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o (العنکبوت:۲)

''کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے۔ اور آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔''

لیکن خدا کا وعدہ ہے وہ بالآخر تمہاری مدد کرے گا، تم اس نصرت سے ہمکنار ہو گے جو مجاہدین کے لیے خاص ہے۔ اس انعام سے سرفراز ہو گے جو نیکوکاروں کا حصہ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ o (الصّف:۱۰)

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا سودا بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟''

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ o (الصّف:۱۴)

''تو ہم نے دشمنوں کے مقابلے میں اہل ایمان کی مدد کی، پس وہ غالب رہے۔''

تو کیا تم اللہ کے مددگار بنو گے؟ اور کیا تم اس پر قائم رہو گے؟

کامیابی کے عوامل

میرے بھائیو! ان سب گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے یہ کبھی نہ بھولو کہ ہم اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جو سب سے زیادہ پاکیزہ و بلند دعوت ہے۔ ہم فکر اسلامی کی منادی کرتے ہیں، جس سے زیادہ ٹھوس فکر اور کوئی نہیں۔ اور ہم شریعت قرآن کے علم بردار ہیں، جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اور متوازن شریعت زمین و آسمان میں کہیں نہیں:

صِبْغَۃَ اللّٰہِ، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ط (البقرہ:۱۳۸)

''اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہوگا؟''

پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آج ساری دنیا اس دعوت کی پیاسی ہے، آج سارا عالم اس کے لیے بے قرار ہے، سراپا انتظار ہے۔ آج راستہ ہموار اور فضا اس کے لیے سازگار ہے

اور خدا کا شکر ہے کہ ہم شخصی اغراض سے پاک اور ذاتی مفادات سے بے نیاز ہیں۔ ہم صرف رضائے الٰہی کے طالب ہیں، فلاح امت کے خواست گار ہیں۔ ہماری ساری جاں فشانیاں صرف خدا کے لیے ہیں۔ ہمیں اسی سے امید ہے، اور اسی کی نصرت کے ہم منتظر ہیں، اور جس کی مدد اللہ کرے بھلا اس سے کون جیتے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَھُمْ۝ (محمد:۱۱)

''ایسا اس لیے کہ اللہ ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا کوئی سرپرست نہیں۔''

تو ہماری دعوت کی مضبوطی، مقصد کی پاکیزگی، دنیا کی تشنگی اور خدا کی دست گیری، یہ وہ عوامل ہیں جن کے بعد کامیابی یقینی ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی چیز سدراہ نہیں بن سکتی:

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۝

''اور اللہ تو اپنا کام کر کے رہتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

وصیت

میرے اخوانی بھائیو! اس ساری گفتگو کا محرک یہ تھا کہ میں تمھارے فکر کو تمھارے سامنے کر دوں کیوں کہ سخت گھڑیاں اب ہمارے انتظار میں ہیں، عن قریب ہمارے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی اور یہ جدائی بہت لمبی ہوگی، اس وقت میں تم سے کوئی بات نہ کہہ سکوں گا، نہ تمھیں کوئی تحریر بھیج سکوں گا۔ لہٰذا میری ان باتوں پر غور کرو، انھیں یاد کر لو، اور مضبوطی سے ان پر جمے رہو۔ ان میں سے ہر بات معانی کا ایک دفتر ہے۔

میرے بھائیو! تم کوئی فلاحی تنظیم نہیں ہو، کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہو اور نہ کوئی مقامی انجمن ہو، جس کے کچھ محدود مقاصد ہوں۔

تم تو ایک نئی روح ہو، تمھیں اس امت کے قلب میں اتر کر اسے قرآن کے ذریعے زندہ کرنا ہے۔

تم تو ایک نئی روشنی ہو، تمھیں معرفت الٰہی کی قندیلوں سے مادیت کی ظلمت کو کافور کرنا ہے۔

تم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی صدائے بازگشت ہو، تم کو یہ سمجھنا چاہیے جس میں

غلو کا ذرا بھی شائبہ نہیں کہ تم اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہو جسے سارے لوگ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

جب تم سے پوچھا جائے تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو تو کہو، ہم اس اسلام کے داعی ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ حکومت جس کا ایک جزو ہے اور آزادی جس کی روح ہے۔ اب اگر کہا جائے یہ تو سیاست ہے تو کہو، یہ ہے اسلام۔ ہم کیا جانیں تمہارے یہ نوزائیدہ نام! اور اگر کہا جائے تم تو بغاوت کے علم بردار ہو تو کہو، ہم حق وسلامتی کے پیامی ہیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے، اسی پر ہمیں فخر ہے۔ اب اگر تم ہمیں ستاؤ گے اور دعوت کی راہ میں حائل ہو گے تو اللہ نے ہمیں اپنی مدافعت کی بھی اجازت دی ہے۔ البتہ ظالم اور شورش پسند تم قرار پاؤ گے۔ اس پر بھی وہ نہ مانیں تو کہو: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ٥

فرائض

بھائیو! اللہ پر ایمان رکھو، اسے اچھی طرح پہچانو، اس پر توکل اور اعتماد رکھو، اسی سے قوت حاصل کرو، اس کے علاوہ کسی سے نہ ڈرو، کسی اور کا خوف تمہارے دل میں نہ ہو۔ اس کے احکام بجالاؤ اور جن چیزوں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرو۔ پاکیزہ خصلت اور بلند اخلاق بنو، نیکیوں کا دامن کبھی نہ چھوڑو، اخلاق ہی تمہاری قوت ہو، اللہ نے تمہیں جو ایمان کی عزت اور نیکی وخداترسی کی فضیلت بخشی ہے، وہی تمہارا سرمایۂ ناز ہو۔

قرآن پاک کے شیدائی بنو، اسے خوب سیکھو، سکھاؤ۔ سیرت طیبہؐ پر مذاکرے کرو، باعمل اور صاحب کردار بنو۔ سخن ساز اور حجت باز نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہدایت دیتا ہے تو اسے عمل کی توفیق دیتا ہے۔ اور ہدایت کے ہوتے ہوئے جب کوئی قوم غلط راہ پر جاتی ہے تو کٹ حجتی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

سراپا الفت کا پیام اور محبت کی زبان بن جاؤ۔ باہمی رشتوں کی جان ودل سے پاس داری کرو کہ یہی تمہاری قوت کا راز اور کامیابی کا ستون ہے۔ پوری پامردی کے ساتھ راہ حق پر جمے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور تمہاری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

تنگی ہو، فراخی ہو، خوشی ہو یا ناخوشی ہو، کبھی سمع وطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو کہ یہی تمہارے فکر کا تقاضا اور تمہاری جمعیت کا شیرازہ ہے۔ پھر تم اللہ کی تائید ونصرت کی امید رکھو کہ

وہ تو بہر حال آ کر رہے گی اور اس وقت مومنین نصرت الٰہی سے شاد کام ہوں گے۔ بے شک وہ بڑا زبردست اور نہایت مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جو اس کی خوشی کے کام ہیں، اس راہ پر گامزن کرے جو نیکو کاروں اور حق پرستوں کی راہ ہے، اس زندگی سے ہم کنار کرے جو باعزت اور خوش طالع بندون کی زندگی ہے، اور اس موت سے سرفراز کرے جو مجاہدین وشہداء کی موت ہے۔ وہ کیا خوب سرپرست اور کتنا اچھا مددگار ہے۔

پانچویں کانفرنس

اس جامع اور پر مغز تقریر کا خلاصہ
جو امام شہیدؒ نے
پانچویں میقاتی کانفرنس میں فرمائی تھی

☆ اخوان کی غایت اور دعوت کی خصوصیات

☆ اخوان کے وسائل اور خطوط کار

☆ مختلف پارٹیوں کے سلسلے میں اخوان کا موقف

اخوان کی غایت اور دعوت کی خصوصیات

پیارے بھائیو!

میں چاہتا تھا کہ ہم چپ چاپ کام ہی کرتے رہیں، زبان سے ایک لفظ نہ بولیں، کہ یہ کام ہی اخوان اور ان کی سرگرمیوں کا تعارف کرائیں۔ میری خواہش تھی کہ نہایت سکون کے ساتھ ہمارے قدم آگے بڑھتے رہیں، مسلسل آگے بڑھتے رہیں۔ کسی خط فاصل کے ذریعے پچھلی دس سالہ سرگرمیوں کی تحدید کریں، اور پھر اس بلند فکری جہاد کے دوسرے مرحلے میں قدم رکھیں۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟

مگر تمہارے جوش عمل نے تمہیں مجبور کر دیا۔ تم نے یہی پسند کیا کہ اس اجتماع عظیم کے ذریعے ہماری عزت افزائی کرو، اس پر میں تمہارا ممنون ہوں، ٹھیک ہے کیا حرج ہے اس میں، اگر ہم اس قیمتی موقع سے فائدہ اٹھائیں، اپنے پروگرام کا جائزہ لے لیں، نقشہ کار پر نظر ثانی کرلیں، راستے کے مراحل کے سلسلے میں اطمینان کرلیں، اور وسیلہ وغایت کی تعیین کرلیں، تا کہ فکر کا کوئی گوشہ مبہم ہو تو واضح ہو جائے، زاویہ نظر میں کوئی غلطی ہو تو اس کی تصحیح ہو جائے، کوئی قدم اگر ذہن سے اوجھل ہو تو وہ علم میں آ جائے، کوئی کڑی گم ہو تو وہ دست یاب ہو جائے اور اخوان اور دعوت اخوان مہر نیم روز کی طرح آشکارا ہو جائیں۔

پھر یہ بات ہمارے لیے کتنی مسرت انگیز ہوگی کہ جس تک یہ دعوت پہنچے یا جو اپنے کانوں سے یہ تقریر سنے یا جس کی نگاہوں سے یہ کہیں گزرے، وہ ہمارے وسیلہ وغایت اور سرگرمیوں کے سلسلے میں اپنی رائے سے ہمیں آگاہ کرے تا کہ ہم اس کی قیمتی رائے کو قبول کرلیں، اور صحیح مشوروں سے فائدہ اٹھائیں، کیوں کہ دین تو نام ہی ہے اللہ ورسول، کتاب وسنت اور مسلم عوام و حکام کی خیر خواہی کا۔

پیارے بھائیو!

میں تمہارا شکریہ کیا ادا کروں اور کیا تمہیں مبارک باد دوں، تمہارے درمیان کس طرح سعادت کی موجوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا ہے، کس طرح خوشی و مسرت کے جذبات میرے سینے میں امڈ رہے ہیں اور تم جو توفیق الٰہی سے میرے دست و بازو بن گئے ہو، اس پر امیدوں اور آرزوؤں کے کتنے قافلے میرے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان باتوں کا تذکرہ تکلف سے خالی نہ ہوگا۔ اس اجتماع میں پاکیزہ و بلند جذبات کی جو نورانی موجیں اٹھ رہی ہیں ان کی وجہ سے ان سب باتوں کے اظہار سے میں خود کو بے نیاز پاتا ہوں، کہ یہاں کی تو ہر چیز انتہائی گہری محبت، سچی اخوت، مضبوط تعلق اور زبردست تعاون کا اعلان کر رہی ہے۔ خدا کی نیک توفیق تمہارے شامل حال رہے اور وہ اچھے سے اچھے کام تم سے انجام پائیں جو اس کی خوشنودی اور پسندیدگی کے ہوں۔

تحریک اخوان چار روحوں کا خواب

معزز بھائیو!

میں نے بہت مطالعہ کیا، بہت سے تجربات کیے، بہت سے حلقوں میں رہا اور متعدد حادثے دیکھے۔ اس مختصر سی سیاحت میں بڑے مراحل سے میں گزرا، اور پھر ایک نہایت ٹھوس نظریے تک پہنچا، جس میں ذرا بھی تزلزل نہیں، تجربات نے مجھے بتایا کہ ''ہمیں جس سعادت کی تلاش ہے، اس کے چشمے خود ہمارے اندرون سے ابلتے ہیں۔ وہ سعادت دل کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتی اور جس شقاوت و بدبختی سے ہم دوچار ہیں، اس کا سرچشمہ بھی ہمارا اندرون ہی ہے۔'' اور یہ لیجے قرآن بھی اس نظریے کی تائید کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد:۱۱)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔''

فلسفۂ معاشرت کے سلسلے میں ایک شاعر نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔ اس سے زیادہ گہری بات میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

لَعَمْرُکَ مَاضَاقَتْ بِلَادٌ بِاَهْلِهَا   وَلٰکِنَّ اَخْلَاقَ الرِّجَالِ تَضِیْقُ

''تمہاری زیست کی قسم! زمین اہل زمین پر کبھی تنگ نہیں ہوئی، بلکہ لوگوں کے اخلاق تنگ ہوتے ہیں۔''

یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی اور یہ بات بھی بیٹھ گئی کہ دنیا میں کہیں بھی ایسے اصول ونظام نہیں ہیں جو انسانیت کی سعادت کی ضامن ہوں، اور جو اس سعادت کے لیے واضح اور عملی راستے بتاتے ہوں جس طرح دین حنیف کی واضح تعلیمات بتاتی ہیں جو عملی بھی ہیں اور فطری بھی۔ یہاں ان تعلیمات کی تفصیل کا موقع نہیں اور نہ اس پر استدلال کا موقع ہے کہ وہ اس نتیجے کی ضامن اور تمام انسانیت کی سعادت کی کفیل ہیں کہ یہ ایک دوسرا موضوع ہے، جب کہ غالباً ہم تمام لوگ اس نظریے کی صحت پر متفق بھی ہیں، بلکہ آج تو بہت سے غیر مسلم بھی اس کا اقرار کرتے اور اسلام کے جمال وکمال کے سامنے عقیدت سے آنکھیں بچھاتے ہیں۔

اسی لیے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ایک ہی مقصد کے لیے وقف ہو گیا۔ لوگوں کی حقیقی رہ نمائی اور اسلام کی عملی ترجمانی میرا نصب العین بن گئی۔ اسی لیے اخوانی فکر اپنے وسائل اور مقاصد دونوں ہی کے لحاظ سے خالص اسلامی فکر ہے۔ غیر اسلام سے اس کا ذرا بھی تعلق نہیں۔

یہ احساسات عرصے تک ایک ذہنی گفتگو اور ایک روحانی مناجات بنے رہے۔ کبھی کبھی ان کا ذکر میں اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے بھی کیا کرتا، اور اگر موقع مل جاتا تو یہ احساسات انفرادی دعوت یا خطاب عام یا درس وتذکیر کی صورت میں بھی ظاہر ہوتے، یا کبھی کچھ اہل علم دوستوں کو ابھارتا اور لوگوں کو غفلت کی ہلاکت سامانیوں سے بچانے، اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کی طرف متوجہ کرنے اور اس راہ میں زیادہ سے زیادہ جوش وہمت سے کام لینے کی ترغیب دیتا۔

پھر مصر اور کچھ دوسرے اسلامی ممالک میں ایسے متعدد حادثے ہوئے جنھوں نے میرے اندر آگ لگا دی، میرے دل میں دبی ہوئی ٹیسیں ابھر آئیں، اور شدت سے یہ احساس ہوا کہ اب جدوجہد اور سعی وعمل ناگزیر ہے۔ لوگوں کو جگا دینے کے بعد تعمیر وتشکیل کی راہ پر چل پڑنا، درس وتدریس کے بعد تاسیس وتنظیم کے لیے کمر کس لینا لازمی ہے۔ میں اس وقت ان حوادث کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ وہ گزر چکے۔ ان کے اثرات ونشانات محو ہو چکے۔ ان سے متعلق افراد ہوش میں آ چکے، یا کسی حد تک انھیں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس ہو چلا۔

اب میں نے سعی وعمل، جدوجہد اور تعمیر وتشکیل کی ناگزیری کے سلسلے میں قوم کے اکابر سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں شروع کیں تو کبھی تو میری حوصلہ شکنی ہوتی، کبھی ہمت افزائی ہوتی اور کہیں پس وپیش اور تردد ہوتا۔ لیکن عملی کوششوں کو منظم کرنے کی جو فکر میں چاہتا تھا وہ کہیں نظر نہ آئی۔

بڑی ناقدری اوراحسان ناشناسی ہوگی اگر اس موقع پر میں مرحوم ''احمد باشا تیمور'' کا ذکر نہ کروں۔اللہ تعالیٰ ان کی جنت کشادہ کرے۔میں نے جب بھی انھیں دیکھا اچھلتی ہوئی ہمت اور بھڑکتی ہوئی غیرت کا نمونہ پایا۔اور امت کے کسی مسئلے پر بھی ان سے گفتگو کی تو پختہ عقل، کامل استعداد، وسیع علم اور مستیِ کردار و جوش عمل کا جاں نواز منظر نظر آیا۔اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کا مینہ برسائے اور انعام واکرام کے ایوانوں میں جگہ دے۔

میں نے اب ان بھائیوں اور دوستوں کی طرف رخ کیا جو قدیم رفاقت، خالص محبت اوراحساس ذمہ داری کے تحت جمع ہوگئے تھے۔میں نے ان کے اندر اچھی اور لائق تحسین آمادگی پائی، فکرمندی و بے تابی میں جو آگے بڑھ کر میرے شریک حال ہوگئے اور جنھوں نے پوری ہمت و سرعت کے ساتھ جہد وعمل کی ناگزیری کو محسوس کیا وہ فاضل دوست الاستاذ احمد آفندی السکری، معزز دوست الشیخ احمد عبدالحمید، محترم بھائی الشیخ احمد عسکریہ مرحوم (اللہ انھیں اپنی وسیع جنت میں جگہ دے) اور دوسرے بہت سے لوگ تھے۔

اب ہمارے درمیان پختہ عہد و میثاق ہوا کہ ہم میں سے ہر ایک اس غایت کے لیے سرگرم رہے گا۔وہ اس وقت تک جد وجہد کرتا رہے گا جب تک امت کا عام ذہن صالح اسلامی رخ کی طرف نہ پھر جائے۔

اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم کہ ہماری کتنی ہی راتیں ان ہی افکار و مسائل میں گزر جاتیں ہم پوری پوری رات بیٹھے رہ جاتے۔مختلف مظاہر زندگی میں امت کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے اس کا جائزہ لیتے۔روگوں اور بیماریوں کا تجزیہ کرتے، بیماریوں کے علاج اور امراض کے قلع قمع کی راہیں سوچتے، اپنی زبوں حالی پر طبیعت اس قدر متاثر ہوتی کہ ہم زار وقطار رونے لگتے۔ہمیں کتنی حیرت ہوتی جب ہم اس قدر شدید جذباتی ہیجان کا شکار ہوتے اور بے حس نکمے خواب غفلت میں بدمست ہوتے۔وہ رات کی تاریکیوں میں قہوہ خانوں پر ہجوم کرتے۔اور برائی وزیاں کاری کی محفلوں کا چکر لگاتے۔جب ان سے ہم پوچھتے کہ اس بے مقصد مجلس بازی کا کیا حاصل؟ تو وہ جواب دیتے ''ہم وقت کاٹ رہے ہیں۔'' ان بے چاروں کو نہیں معلوم کہ جو وقت کاٹتا ہے وہ خود کو ہلاک کرتا ہے کہ وقت ہی کا نام تو زندگی ہے۔ہمیں کتنا تعجب ہوتا، کہ ان میں سے اکثر تعلیم یافتہ ہوتے، وہ لوگ ہوتے جو اس بارگراں کو اٹھانے کے ہم سے زیادہ اہل ہوتے۔ہم باہم کہتے، کیا

امت کے اندر یہ بھی ایک بیماری نہیں ہے، بلکہ شاید یہ سب سے زیادہ مہلک بیماری ہے کہ اسے مرض کا احساس ہی نہیں، نہ علاج کی کوئی فکر ہے۔

ہمارے جہد و عمل کی محرک یہی سب باتیں ہیں۔ اس بگاڑ کی اصلاح کے لیے ہم نے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں، اسی سے ہمیں کچھ تسکین ہوتی ہے۔ اللہ کا کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کارِ عظیم کے لیے منتخب کیا، اور دین کے لیے جاں فشانی کا حوصلہ عطا کیا۔

زمانے نے اپنا کام کیا، اور ہم چاروں منتشر ہو گئے۔ احمد آفندی السکری محمودیہ پہنچ گئے۔ شیخ حامد عسکریہ مرحوم زقاریق چلے گئے۔ شیخ احمد عبدالحمید کفر الدوار منتقل ہو گئے۔ اور میں اسماعیلیہ میں رہا، اس وقت مجھے یہ شعر یاد آجایا کرتا:

بِالشَّامِ اَهْلِیْ وَبَغْدَادُ الْهَوٰی وَاَنَا   بِالرَّقْمَتَیْنِ وَبِالْفُسْطَاطِ جِیْرَانِیْ

''میرے اعزہ شام میں ہیں، دل میرا بغداد میں ہے، میں رقمتین میں ہوں اور میرے پڑوسی فسطاط میں ہیں۔''

میرے عزیزو! سماعیلیہ ہی میں اس فکر کا بیج پڑا اور ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ میں ''اخوان المسلمون'' کے نام سے ایک چھوٹی سی جماعت تشکیل پا گئی۔ جس نے اللہ سے کامل جاں بازی و سرفروشی کا عہد کیا اور ہاتھ میں اس فکر کا پرچم لے کر سرگرم عمل ہو گئی۔

اخوان المسلمون کا اسلام

معزز دوستو! برا نہ مانو، مجھے یہ کہنے کی اجازت دو ـــــ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اخوان کا کوئی نیا اسلام ہے، اس اسلام سے مختلف جو ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ میرا مدعا بس یہ ہے کہ مسلمانوں نے بعد میں خود اپنی طرف سے اسلام کو بہت سی صفات و خصوصیات اور تعریفات و تصورات کے جامے پہنا دیے اور اس کی نرمی، وسعت اور لچک کا نہایت غلط استعمال کیا۔ ورنہ اس کے اندر تو بڑی حکمت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تصور اسلام میں زبردست اختلاف ہوا اور دلوں میں اسلام کی مختلف تصویریں نقش ہو گئیں جو اس اسلام کے مطابق یا کچھ مشابہ یا اس سے بالکل ہی مختلف تھیں جس کی بہترین تصویر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے پیش کی تھی۔

چنانچہ کچھ لوگوں کے نزدیک بس عبادت کی کچھ ظاہری شکلوں کا نام اسلام ہے۔ اگر

انھوں نے وہ شکلیں اختیار کرلیں، یا کسی کو اختیار کیے ہوئے دیکھ لیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ سمجھ گئے کہ انھوں نے اسلام کی روح پالی۔ عام مسلمان اسی تصور اسلام سے آشنا ہیں۔

کچھ لوگوں کے نزدیک اسلام اس کا نام ہے کہ اخلاق اچھے ہوں اور روحانیت، جو عقل وروح کی مرغوب ترین علمی غذا ہے، پورے جوش پر ہو، اور ظالم وسرکش مادیت کی آلائشوں سے پاک ہو۔ کچھ لوگوں کی پرواز بس اس حد تک ہے کہ وہ اسلام کے جان دار عملی نظاموں کو تحسین و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور چیز دیکھنے کے وہ روادار نہیں، نہ کسی اور مسئلے پر کچھ سوچنے کے لیے وہ تیار ہیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چند فرسودہ عقائد اور تقلیدی اعمال کا مجموعہ سمجھتے ہیں، جن کے اندر کوئی افادیت نہیں، نہ ان کے ہوتے ہوئے ترقی کا کوئی امکان ہے۔ چنانچہ وہ اسلام اور اسلام کی تمام باتوں سے دل برداشتہ ہیں۔

یہ کیفیت واضح طور پر ان لوگوں میں نظر آئے گی، جو مغربی کلچر یا مغربی ثقافت کی آغوش میں پلے ہیں۔ جنھیں صحیح طور سے اسلامی حقائق سے وابستگی کے مواقع میسر نہیں ہوئے۔ لہٰذا انھوں نے سرے سے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، یا وہ ایسے مسلمانوں کے ساتھ رہے جنھوں نے اسلام کی اچھی تصویر نہیں پیش کی۔ اس طرح انھوں نے اسلام کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ تصویر ہی دیکھی۔ اچھی اور دل کش تصویر دیکھی ہی نہیں۔

پھر ان کے تحت بھی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا تصور اسلام دوسروں کے تصور اسلام سے کم وبیش مختلف ہے۔ بس کچھ ہی نگاہیں ایسی ہوں گی جو اسلام کے حقیقی جمال دل ربا سے آشنا ہوئی ہوں گی۔

چوں کہ ایسی ہی اسلام کی یہ متعدد تصویریں ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس لیے اخوان کو سمجھنے میں بھی ان کے درمیان نمایاں اختلاف ہوا۔ کچھ لوگ تو اخوان کو محض ایک تبلیغی جماعت سمجھ بیٹھے جسے لے دے کے بس یہ فکر رہتی ہے کہ وہ کچھ نصیحتیں کردے اور آخرت کی یاد تازہ کر کے دنیا سے بے رغبتی پیدا کردے۔ کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ وہ ایک نظری اور فقہی جماعت ہے جس کا کام بس یہ ہے کہ وہ کچھ فقہی مسائل میں جھگڑے، بحث مباحثہ کرے، انھیں اپنا مسلک ماننے پر مجبور کرے اور جو تسلیم نہ کرے، اس سے دست وگریباں ہو جائے یا کچھ مصالحت کرلے۔ بس کچھ ہی لوگ ایسے

ہیں جنھوں نے محض دور سے سننے پر اکتفا نہیں کیا، نہ اپنے مزعومہ تصور اسلام کا جامہ ان پر چست کیا، بلکہ ان سے قریب ہوئے کچھ گھلے ملے، نزدیک سے ان کی حقیقت پہچانی۔ علمی و عملی طور پر ان کی دعوت سمجھنے کی کوشش کی۔

اسی لیے میں نے چاہا کہ آپ کے سامنے مختصراً اسلام کا مفہوم اور اس کی وہ تصویر پیش کردوں جو اخوان کے ذہنوں میں ہے، تا کہ وہ اساس جس کی ہم دعوت دیتے اور جس سے فیض یاب ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں وہ بالکل واضح اور روشن ہو۔

ہمارا عقیدہ ہے اسلام کے احکام اور اس کی تعلیمات بہت جامع اور دنیا و آخرت کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ اور جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ وہ محض عبادات سے تعلق رکھتی یا خالص روحانی پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں، ان کا گمان سرتاسر غلط اور وہم کا شکار ہے۔ کیوں کہ اسلام عقیدہ بھی ہے، عبادت بھی ہے، وطن بھی ہے، قومیت بھی ہے، دین بھی ہے، حکومت بھی ہے، عمل بھی ہے، روحانیت بھی ہے، قرآن بھی ہے، تلوار بھی ہے۔ قرآن کریم ان تمام باتوں کا اعلان کرتا ہے۔ وہ ان سب کو اصل دین اور روح اسلام سمجھتا ہے، اور ان سب کی برابر تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَابْتَغِ فِيْ مَآاٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ط(القصص:۷۷)

''اور اللہ نے تمھیں جو کچھ دیا ہے، اس میں رہتے ہوئے تم آخرت کے طالب بنو، اور دنیا میں اپنے حصے کی ذمہ داری فراموش نہ کرو اور بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔''

تم نماز میں عقیدہ و عبادت کے سلسلے میں یہ ارشاد الٰہی بھی پڑھتے ہو:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِo(البینہ:۵)

''حالاں کہ انھیں اسی کا تو حکم ہوا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی راست ملت کا دین ہے۔''

فصل وقضا اور سیاست کے باب میں یہ فرمان الٰہی بھی پڑھتے ہو:

فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo(النساء:۶۵)

''پس نہیں، تمہارے رب کی قسم، یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے درمیان اٹھنے والے جھگڑوں میں تمہیں حکم نہ مانیں اور جو کچھ تم فیصلہ کردو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور بالکل اپنے آپ کو حوالے کر دیں۔''

تجارت اور دین کے سلسلے میں یہ احکام بھی پڑھتے ہو:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓااِذَاتَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَایَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَاعَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا، فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْضَعِیْفًا اَوْ لَایَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی،وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَادُعُوْا وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا وَکَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ وَّلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌo(البقرہ:۲۸۱،۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم کسی معین مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور اس کو لکھے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، بلکہ جس طرح اللہ نے اسے سکھایا۔ اسی طرح وہ دوسروں کے لیے لکھنے کے کام آئے۔ اور یہ دستاویز لکھوائے وہ جس پر حق عائد ہوتا

ہے۔ اور وہ اللہ سے جو اس کا رب ہے، ڈرے۔ اور اس میں کوئی کمی نہ کرے اور اگر وہ جس پر حق عائد ہوتا ہے۔ ناسمجھ یا ضعیف ہو، یا لکھوا نہ سکتا ہو۔ تو جو اس کا ولی ہو، وہ انصاف کے ساتھ لکھوادے اور اس پر اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ ٹھیرالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اس لیے کہ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی مدت تک کے لیے اس کو لکھنے میں تساہل نہ برتو۔ یہ ہدایات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل، گواہی کو زیادہ ٹھیک رکھنے والی اور اس امر کے زیادہ قرین قیاس ہیں کہ تم شبہات میں نہ پڑو۔ ہاں اگر معاملہ دست بدست لین دین اور دست گرداں نوعیت کا ہو، تب اس کے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور تم کوئی معاملہ خرید وفروخت کا کرو تو اس صورت میں گواہ بنالیا کرو اور کاتب یا گواہ کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔''

اسی طرح جنگ و جہاد اور قتال کے باب میں یہ فرمان الٰہی پڑھتے ہو:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِكُمْ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۚ (النساء:۱۰۲)

''اور جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور نماز میں امامت کر رہے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو، اور وہ اپنے ہتھیار لیے ہوئے ہو۔ پس جب وہ لوگ سجدہ کر چکیں، تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آگے آئے، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور یہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنے اسلحے لیے ہوئے ہوں۔ کافر یہ تمنا رکھتے ہیں کہ تم اپنے اسلحے اور اپنے سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور اس بات میں تم

پر کوئی گناہ نہیں کہ اگر تمھیں بارش کے سبب سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے اسلحے اتار دو۔ البتہ اپنی حفاظت کا سامان لیے رہو۔"

ان کے علاوہ بے شمار آیتیں ہیں جو اجتماعی آداب اور معاشرتی امور کے سلسلے میں ہدایات دیتی ہیں۔

چوں کہ اخوان ہمیشہ کتاب الٰہی سے ہی وابستہ رہے، اسی سے راہ یاب وفیض یاب ہوئے، اس لیے انھیں یقین ہے کہ اسی وسیع اور جامع تصور دین کا نام اسلام ہے، اور ناگزیر ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور پر حاوی رہے۔ سارے امور میں اسی کا جلوہ ہو، ـــــ سب پر اسی کی فرماں روائی ہو، سب اسی کے اصول وتعلیمات کے تابع ہوں، سب اسی سے غذا حاصل کریں۔ اگر امت یہ چاہتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اسلام پر رہے تو اس کے بغیر چارہ نہیں، لیکن اگر وہ عبادات میں تو اسلام پر رہی اور بقیہ معاملات میں غیر اسلام پر تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ اسلام سرتاسر ناقص ہے، اور وہ اس فرمان الٰہی کی مصداق ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ،فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ،وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ٥ (البقرہ:۸۵)

"کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصے پر تو ایمان رکھتے ہو، اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو، جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔"

ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اسلام کی اساس اور دین کا سرچشمہ اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت ہے، جن کو اگر امت مضبوط تھامے رہی تو وہ کبھی گم راہ نہیں ہو سکتی۔ بہت سے افکار وعلوم جو اسلام سے وابستہ ہو گئے ہیں، اور اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، ان افکار وعلوم پر اپنے اپنے ادوار کی بھی چھاپ ہے۔ اور ان اقوام سے بھی وہ متاثر ہیں جن کے زمانے کی وہ پیداوار ہیں۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ وہ اسلامی نظام جن پر امت کو لے چلنا ہے وہ اسی صاف شفاف چشمے سے ماخوذ ہوں، ہم اسلام کو اسی طرح سمجھیں جس طرح ہمارے صالح اسلاف سمجھتے تھے، ہم ان ہی ربانی خطوط

اور نبوی حدود پر ٹھیر جائیں خود کو ان چیزوں کا پابند نہ کریں جن کا پابند خدا نے نہیں کیا ہے، نہ اپنے زمانے پر کوئی ایسا رنگ چڑھائیں جو اس کے لیے ناموزوں ہو، کہ اسلام تو ساری انسانیت کا دین ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اسلام چوں کہ ایک نہایت جامع، کامل اور ہمہ گیر دین ہے جو زندگی کے تمام معاملات کو منظّم کرتا، تمام امتوں اور ساری قوموں کو پیش نظر رکھتا اور تمام ادوار اور مراحل کا ساتھ دیتا ہے لہٰذا وہ اس زندگی کی جزئیات سے بحث نہیں کرتا چہ جائے کہ خالص دنیوی امور سے کہ یہ چیزیں اس کا موضوع بن ہی نہیں سکتیں۔ وہ تو صرف بنیادی اصول یا کلی ضابطے دیتا ہے۔ پھر عملی راہ سمجھا دیتا ہے کہ معاملات کو ان اصولوں پر منطبق کیا جا سکے، اور ان کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ صحیح فیصلہ کیا جا سکے یا کم از کم ظن غالب حاصل ہو سکے۔

اسلام نے اصلاح نفس پر پوری توجہ دی ہے کہ یہی نظاموں کا سرچشمہ اور تصورات و نظریات کی اصل ہے۔ چنانچہ اس نے ایسی کارگر دوائیں تجویز کی ہیں جو اسے ہوا و نفسانیت سے پاک کرتی، خود غرضی و مفاد پرستی سے نجات دیتی، زیادتی، کوتاہی اور سرکشی سے باز رکھتی اور بلندی و کمال کی طرف اس کی رہ نمائی کرتی ہیں۔ اور نفس جب راہ پر آ جائے، اور اس کے اندر پاکیزگی و ستھرائی پیدا ہو جائے تو جو چیز بھی اس سے صادر ہوگی دلآویز و دل نواز اور خوش نما و پرجلال ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ عدل، قانون کی عبارت میں نہیں، قاضی کی طبیعت میں ہوتا ہے۔ ایک قانون جو عدل و انصاف پر مبنی اور ہر جہت سے کامل و مکمل ہوتا ہے، وہ جب کسی ایسے قاضی کے ہاتھ میں آتا ہے جو خود غرض اور مفاد پرست ہوتا ہے تو اسی قانون سے عدل و انصاف کی چاندی چھٹکنے کے بجائے ظلم و جور کے شرارے پھوٹتے ہیں۔ اس کے برعکس نہایت ناقص اور ظالمانہ قانون کسی ایسے قاضی کے ہاتھ میں آتا ہے جو بلند طبیعت، انصاف پسند اور بے لوث ہوتا ہے تو اسی قانون کی شاخ خبیث سے خیر و برکت اور انصاف و رحمت کے گل کھلنے لگتے ہیں۔

اسی لیے اللہ کی کتاب میں تزکیۂ نفس کا بڑا اہتمام ہے چنانچہ وہ روحیں جو اسلام کے سانچے میں ڈھل گئیں تھیں، انسانی کمال کا نمونہ تھیں، ان ہی وجوہ سے اسلام کا مزاج تمام زمانوں اور ساری قوموں کے لیے سازگار ہے اور وہ ہر ایک کی ضروریات کا کفیل ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کبھی کسی صالح نظام کی خوشہ چینی سے گریز نہیں کرتا، بشرطیکہ وہ اس کے عام اصولوں اور کلی ضابطوں سے متصادم نہ ہو۔

معزز دوستو! میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ یہ تو بہت وسیع موضوع ہے۔ اخوان کے ذہنوں میں فکر اسلامی کا جو وسیع اور جامع تصور ہے اس کی وضاحت کے لیے تو اتنی باتیں کافی ہیں۔

اخوان المسلمون کا فکر تمام اصلاحی پہلوؤں کا جامع ہے

اخوان کے اس وسیع، جامع اور ہمہ گیر تصور اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کے اندر اصلاح کے جتنے بھی پہلو ہیں ان سب پر ان کا فکر حاوی ہو گیا۔ تمام اصلاحی مکاتب فکر کے بہتر عناصر کو اس نے اپنے اندر سمولیا۔ اور ہر مخلص وغیور مصلح کو اس میں اپنی آرزوؤں کے عکس اور تمناؤں کی تصویر نظر آنے لگیں، جن صلاح پسند روحوں نے اسے پہچان لیا اور اس کے مقاصد اور ارمانوں کو سمجھ لیا، ان کی امیدوں کا وہ مرکز بن گیا۔ چنانچہ تم چاہو تو بے تکلف کہہ سکتے ہو کہ تحریک اخوان، ایک سلفی دعوت ہے، کیوں کہ وہ اسلام کو اس کے خالص سرچشمے، کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کی داعی ہے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک سنی مسلک ہے، کیوں کہ وہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد وعبادات میں سنت رسولؐ پر گامزن ہے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ تصوف کا ایک طائفہ ہے، کیوں کہ وہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل پر مداومت، مخلوق سے درگزر، اللہ کے لیے محبت اور نیکی کے لیے یگانگت کو سمجھتی ہے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک سیاسی تنظیم ہے کیوں کہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے، اس کی خارجہ پالیسی میں ترمیم کی جائے، رعایا کے اندر عزت وکرامت کی روح پھونکی جائے اور آخری حد تک ان کی قومیت کی محافظت کی جائے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک ورزشی ٹیم ہے۔ کیوں کہ وہ صحت وتندرستی کا خیال رکھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ لِبَدَنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا   ''تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے۔''

نیز اسلام کے تمام فرائض صحیح صحیح ادا نہیں ہو سکتے جب تک مضبوط وتوانا جسم نہ ہو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا جسم ہو جو کھانے کمانے، جدوجہد کرنے اور معاشی مشقتیں برداشت کرنے کی تاب رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ورزشی ٹیموں اور ریاضتی تنظیموں کے لیے اتنا

اہتمام کرتے ہیں کہ بسا اوقات وہ ٹیمیں بھی نہیں کر پاتیں جو خاص اسی کام کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔
کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک علمی اور ثقافتی ادارہ ہے۔ یہ اخوانی انجمنیں حقیقت میں علم وثقافت کی درس گاہیں اور جسم وروح کی تربیت گاہیں ہیں کیوں کہ اسلام کے نزدیک حصول علم ہر مسلم مرد، عورت پر فرض ہے۔
کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک معاشی کمپنی ہے، کیوں کہ اسلام صحیح رخ سے مال کمانے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ

''اچھے آدمی کے پاس اچھا مال کیا خوب ہے۔''

اسی طرح فرمایا:

مَنْ اَمْسٰی کَا لًّا مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ اَمْسٰی مَغْفُوْرًا لَہٗ۔

''جو کام کرتے کرتے شام تک تھک کر چور ہوگیا تو اس نے شام کی اس حال میں کہ اس کی مغفرت ہوگئی۔''

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ۔

''ہنر منداور پیشہ ور مومن کو اللہ دوست رکھتا ہے۔''

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک سماجی تنظیم ہے۔ کیوں کہ وہ معاشرۂ اسلامی کی بیماریوں پر دھیان دیتی، ان کا علاج دریافت کرتی اور امت کو صحت مند رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔
اس طرح تصور اسلام کی جامعیت نے ہمارے فکر کو تمام اصلاحی پہلوؤں کا جامع بنادیا۔ یہ تمام گوشے اخوانی سرگرمیوں کے دائرے میں آگئے جب کہ دوسرے لوگ کسی ایک طرف ہی جھکے ہوتے ہیں، ہمارا کارکن بیک وقت ان تمام پہلوؤں کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اسلام تو ان تمام پہلوؤں کا ہی مطالبہ کرتا ہے۔
اسی لیے لوگوں کو اخوان کے ہاں تضاد نظر آتا ہے، حالاں کہ فی الواقع کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہمارا مسلم بھائی محراب کے اندر خشوع وخضوع اور عجز ونیاز کی تصویر بنا گریہ وزاری میں مصروف ہے، پھر وہی بھائی وعظ وتذکیر سے دلوں کو گرما رہا ہے۔ پھر وہی ایک ماہر کھلاڑی کی

طرح گیند کی شاٹ لگا رہا ہے، دوڑ کی مشق کر رہا ہے، تیراکی میں مہارت پیدا کر رہا ہے اور پھر وہی تجارت گاہ یا کارخانے میں دیانت داری واخلاص کے ساتھ اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ یہ تمام کام لوگوں کو مختلف اور بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ ذہن میں رہے کہ اسلام ان تمام ہی چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ان سب کی تاکید کرتا ہے، تو پھر انھیں ان کے اندر کوئی تضاد نہ نظر آئے۔

البتہ ان سرگرمیوں کے اندر جو کمزور پہلو ہیں، یا جو لوگوں کے اعتراض اور چہ می گوئیوں کے موجب بن سکتے ہیں ان سے اخوان مکمل احتراز کرتے ہیں۔

وہ ناموں کی عصبیت سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ کیوں کہ اسلام کے رشتہ جامع نے انھیں ایک ہی لقب ——— اخوان المسلمون ——— کے گرد جمع کر دیا ہے۔

اخوانی دعوت کی کچھ خصوصیات

شاید تحریک اخوان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت تھی کہ اسماعیلیہ میں اس کی داغ بیل پڑی، جب کہ ایک زمانے سے وہ فتنوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا اور باہمی اختلاف وعناد کے شعلوں میں جھلس رہا تھا، کسی زمانے میں وہاں کچھ فروعی اختلافات ہوئے اور وہ بڑھتے بڑھتے خاصے سنگین ہوگئے۔ اغراض کے بندوں اور منفعت کے پجاریوں نے موقع کو غنیمت جانا، انھوں نے اس آگ کو خوب ہوا دی اور یہ خلیج وسیع سے وسیع تر کردی۔ پھر جس زمانے میں یہ تحریک ابھری وہ زمانہ بھی نہایت پرآشوب تھا۔ متعصب اغیار اور مجاہد اہل وطن کے درمیان انتہائی شدید کش مکش تھی۔ اس طرح اس دعوت کو کچھ ایسی امتیازی خصوصیات حاصل ہوگئیں جن سے دوسری معاصر تحریکیں محروم رہیں۔

پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ اختلاف کی جگہوں سے گریزاں رہی۔ اخوان کے نزدیک فروعی باتوں میں اختلاف ناگزیر ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، کیوں کہ اسلام کی بنیادیں آیات واحادیث اور آپ ؐ کی سنتیں ہیں جن کے فہم وادراک میں خاصا اختلاف ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ میں بھی اختلاف ہوا، بعد میں بھی ہوتا رہا اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ خلیفہ ابوجعفرؒ نے جب لوگوں کو موطأ امام مالک کا پابند کرنا چاہا تو امام مالکؒ نے کتنی حکیمانہ بات فرمائی تھی۔

اِنَّ اَصحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَفَرَّقُوْا فِی الْاَمْصَارِ وَعِنْدَ کُلِّ قَوْمٍ عِلْمٌ، فَاِذَا حَمَلْتَھُمْ عَلٰی رَاْیٍ وَاحِدٍ تَکُوْنُ فِتْنَۃً۔

”رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اصحاب مختلف بستیوں میں پھیل گئے تھے، اس طرح ہر بستی والوں کے پاس علم ہے، تو اگر ان سب کو ایک ہی رائے پر مجبور کرو گے تو فتنہ ہوگا۔“

اختلاف میں کوئی عیب نہیں، عیب کی بات تو یہ ہے کہ اپنی عقل پر ناز اور اپنی رائے پر بے جا اصرار ہو اور دوسروں کی عقل ورائے کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ اختلافی امور میں ہمارا یہی طرز فکر ہے۔ کہ وہ ان باتوں میں ایک ہو جائیں جو ایک مسلم کو مسلم بناتی یا کسی مسلم کے لیے شعار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کچھ اسی طرح کی بات فرمائی تھی۔ اور جس جماعت کا میدان کار یا نشانۂ دعوت وہ خطہ ہو جو ابھی تک اختلاف وعداوت کی آگ میں جل رہا ہو اور اختلاف وعداوت بھی ان باتوں میں ہو جن میں جنگ وجدال کی گنجائش ہی نہ ہو، اس جماعت کے لیے تو یہ نقطۂ نظر انتہائی ناگزیر تھا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ امراء ورؤساء کے تسلط سے آزاد رہی کیوں کہ نوخیز دعوتیں جو ظاہری دل فریبیوں سے خالی ہوتی ہیں، جن کے اندر نفع اندوزی کے امکانات کم ہوتے ہیں ان کو یہ لوگ درخور التفات ہی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ تو ان جمی جمائی دعوتوں کی طرف لپکتے ہیں، جن سے کچھ ملنے اور حاصل ہونے کی توقع ہو، اگر چہ یہ محض ایک وہم ہوتا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

پھر ہم تحریک اخوان کے علم برداروں کے بھی پیش نظر یہی بات تھی۔ ہماری شروع سے یہ خواہش رہی کہ یہ دعوت منفعت پرست اور جاہ طلب امراء سے یکسر پاک رہے تا کہ اس دعوت کے صاف ستھرے رنگ پر ان تحریکوں کا رنگ غالب نہ آنے پائے، جن کی طرف یہ امراء لپکتے ہیں۔ نیز ان میں سے کوئی اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال نہ کر سکے، نہ اصل منزل سے ہٹا کر کسی اور رخ پر لگا سکے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ ارباب جاہ ومنزلت کی اکثریت ان اسلامی فضائل وکمالات سے تقریباً عاری ہوتی ہے جن سے ایک عام مسلم کو بھی لازماً متصف ہونا چاہیے، چہ جائے کہ وہ عظمائے اسلام جو کسی اسلامی تحریک کے علم بردار ہوں، بہر کیف یہ لوگ اخوان سے دور ہی دور رہے۔ ہاں کچھ معزز اور سعید روحیں ضرور ایسی ہیں جو اخوان کے فکر کو سمجھتی، ان کی غایت کو سراہتی، ان کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی اور ان کے لیے نصرت وکامیابی کو آرزوئیں رکھتی ہیں۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان سیاسی تنظیموں کے درمیان پہلے بھی ایسی منافرت اور شدید کش مکش تھی، اور آج بھی ہے جو اسلامی اخوت سے ذرا بھی میل نہیں کھاتی۔ اسلام کی دعوت تو باہم جوڑتی ہے، کاٹتی نہیں، وہ سب کو یک جا کرتی ہے، پراگندہ ومنتشر نہیں کرتی اور اس کو لے کر وہی اٹھ سکتا اور جان ومال کی بازی لگا

سکتا ہے جو اپنے تمام الوان کو ترک کر کے خالص اللہ کا ہو جائے۔ظاہر ہے یہ بات ان ہوس پرستوں کے لیے انتہائی گراں تھی جو اپنی جماعتی سیاست اور تنظیمی سرگرمیوں کے ذریعے جاہ و منصب اور مال وثروت کے خواہاں تھے۔لہٰذا ہم نے ان تمام سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔بہت سے صالح عناصر سے محرومی پر بھی صبر کرلیا اور منتظر رہے کہ نگاہوں سے یہ پردے ہٹیں۔اس تجربے کی ناکامیاں ان پر واضح ہو جائیں، ان حقائق کا انھیں شعور ہو جو آج نگاہوں سے اوجھل ہیں، اور پھر وہ عقل وہوش کے ناخن لیں اور ایمان ویقین سے لبریز ہو کر قافلۂ حق میں شامل ہو جائیں۔

اب اس وقت جب کہ دعوت کے پیر جم چکے ہیں، اس کے بازو مضبوط ہو چکے ہیں اور وہ اس منزل میں داخل ہو چکی ہے کہ وہ دوسروں کا رخ پھیر دے، کوئی دوسرا اس کا رخ نہ پھیر سکے، وہ دوسروں پر اثر انداز ہو کوئی دوسرا اس پر اثر انداز نہ ہو سکے، اس وقت ہم امراء ورؤسا، اعیان و اشراف، سربراہان ملک وقوم نیز سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہم میں آکر مل جائیں، ہماری راہ پر وہ بھی گامزن ہو جائیں۔ہمارے ساتھ مل کر وہ بھی کام کریں اور ان کھوکھلے مظاہر کو چھوڑ دیں جن کے اندر افادیت کا کوئی پہلو نہیں۔قرآن عظیم کے پرچم تلے وہ سب ایک ہو جائیں، نبی کریمؐ کے دامن سے وہ سب وابستہ ہو جائیں۔اسلامی نظاموں کے جاں نواز سایے میں سکون و اطمینان کا سانس لیں۔اب اگر وہ ہماری پکار پر کان دھرتے ہیں تو دنیا وآخرت کی سعادتوں سے مالا مال ہوں گے، اور دعوت کی منزل بھی قریب اور مرحلے مختصر ہو جائیں گے۔لیکن اگر وہ انکار کرتے ہیں تو کیا حرج ہے، ہم تھوڑا سا اور انتظار کرلیں، اور اللہ سے نصرت کے طلب گار رہوں، یہاں تک کہ ان کی سیادت وقیادت خود ان کے گلے کا پھندا بن جائے اور وہ مجبور ہو جائیں کہ ماتحت بن کر ناچار دعوت کی راہ میں جدوجہد کریں، حالاں کہ وہ چاہتے تو اس سے پہلے سیادت کی کرسی ان کے لیے خالی تھی۔اللہ اپنے فیصلے نافذ کر کے رہتا ہے، اس کی مشیت غالب ہو کے رہتی ہے، مگر لوگ سمجھتے نہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تعمیر وتکوین پر توجہ دیتی اور سرگرمیوں میں تدریج اختیار کرتی ہے۔اس کے ہاں زیادہ زور اس بات پر ہے کہ تربیت پختہ اور راستہ روشن ہو۔وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک کسی بھی دعوت کے لیے تین مرحلے ناگزیر ہیں۔

۱۔ اس دعوت کا تعارف ہو، زیادہ سے زیادہ اس کے چرچے ہوں، اس کی خوبیوں اور

متوقع فائدوں کے تذکرے ہوں اور وہ عوام کے لیے ایک ایک طبقے تک پہنچائی جائے۔ یہ دعوت کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

۲۔ دعوت کی تنظیم و تشکیل ہو۔ مخلص سرفروشوں کا انتخاب ہو، فوجوں کی تیاری و فراہمی ہو، صف بندی و صف آرائی ہو۔ یہ دعوت کا دوسرا مرحلہ ہوگا۔

۳۔ پھر تیسرا مرحلہ ہوگا جس میں اپنے اصولوں کا نفاذ ہوگا، عملی جدوجہد ہوگی، پھر نتائج کی خوشہ چینی ہوگی۔

اور چوں کہ پوری دعوت میں ایک وحدت اور تمام مراحل میں قومی ربط ہوتا ہے، اس لیے عموماً یہ تینوں مراحل ساتھ ساتھ طے ہوں گے۔ چنانچہ داعی دعوت دے گا اسی وقت وہ تربیت اور انتخاب بھی کرے گا اور ٹھیک اسی لمحے وہ عملی کوششوں اور تنفیذی سرگرمیوں میں بھی مصروف ہوگا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ لیلیٰ منزل سے ہم آغوشی اور نتائج سے بہرہ اندوزی اسی وقت ہوگی جب دعوت کا خوب پرچار ہو، راہ ہموار اور فضا سازگار ہو، جاں بازوں کی ایک ٹیم جان و دل سے نثار اور جوش جہاد سے سرشار ہو۔ اور تنظیم نہایت استوار و پائیدار ہو۔

ان ہی مراحل کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری دعوت کا سفر شروع ہوا اور وہ برابر جاری ہے۔ ہم نے پہلے قدم پر دعوت کو امت کے سامنے پیش کیا، مسلسل درس دیے، پیہم دورے کیے، بہت سے لٹریچر شائع کیے، برابر عام و خاص جلسے کیے۔ اخوان کے سابق آرگن سے بھی کام لیا۔ ہفت روزہ ''النذیر'' سے بھی فائدہ اٹھایا۔ اس طرح ہم برابر دعوت پیش کرتے رہے اور آئندہ بھی پیش کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک فرد بھی ایسا نہ رہ جائے جو صحیح معنوں میں دعوت اخوان سے روشناس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تو بہرحال اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔ بحمد اللہ اس مرحلے میں ہم نے خاطر خواہ کام کیا۔ اور برابر کر رہے ہیں۔ اور اب ضرورت ہوئی کہ دوسرا قدم بڑھائیں، اور جاں نثاروں کے انتخاب، تنظیم کے استحکام اور فوج کی فراہمی کی فکر کریں۔

چنانچہ ہم نے دوسرا قدم بھی بڑھا دیا۔ اور اس کے لیے ہم نے تین صورتیں اختیار کیں۔ ہم نے اخوانی ''دستے'' قائم کیے تاکہ آپس میں تعارف ہو، مختلف روحوں کا امتزاج ہو، رسوم و رواج کے مقابلے کی مشق ہو، اللہ تعالیٰ سے حسن تعلق کی تربیت ہو اور اسی سے استعانت کی خو ہو۔ یہ اخوان کی روحانی تربیت کا شعبہ ہے۔

پھر ہم نے اسکاؤٹنگ، پکنک اور ورزشی کھیلوں کی ''ٹیمیں'' بھی قائم کیں تاکہ اخوان کی جسمانی نشو ونما ہو۔ وہ نظم وطاعت اور اعلیٰ ریاضتی اخلاق کے خوگر ہوں اور انھیں اس صحیح سپہ گری کے لیے تیار کیا جا سکے جس کو اسلام ہر مسلم کے لیے فرض قرار دیتا ہے۔ یہ اخوان کی جسمانی تربیت کا شعبہ ہے۔

پھر ہم نے اخوانی دستوں یا اخوانی انجمنوں ''درس وتعلیم'' کا بھی اہتمام کیا تاکہ اخوان کی عقلی بالیدگی اور فکری نشو ونما ہو۔ ان میں دین کی صحیح بصیرت اور دنیا سے پوری واقفیت ہو۔ یہ اخوان کی فکری وعلمی تربیت کا شعبہ ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی سرگرمیاں ہیں جن کے ذریعے اخوان کی تربیت کی جارہی ہے۔ انھیں اس اہم فرض کے لیے تیار کیا جارہا ہے جوان کے انتظار میں ہے۔ کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے پیش نظر پوری امت کی قیادت، بلکہ سارے عالم کی ہدایت وامامت ہے۔

اس دوسرے مرحلے کے سلسلے میں پورا اطمینان ہو جانے کے بعد ان شاء اللہ ہم تیسرے مرحلے میں داخل ہوں گے۔ اور یہی وہ عملی قدم ہوگا، جس کے بعد تحریک اخوان سے متوقع نتائج برآمد ہوں گے، اور ہم دعوت اسلامی کے شجر طیب سے شیریں پھل توڑ سکیں گے

صاف صاف سن لو!

مسلم بھائیو! بالخصوص جلد باز اور حمیت سے سرشار بھائیو! اپنی اس عظیم کانفرنس کے اندر صاف صاف سن لو! تمہاری اس راہ کے خطوط کھنچے ہوئے ہیں، اس کے حدود متعین ہیں اور میں ان حدود سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا کہ ان کے بارے میں مجھے کامل اطمینان ہے۔ بلاشبہ یہ منزل تک پہنچنے کا سب سے محفوظ راستہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس طرح سفر لمبا ہو جائے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے بھی تو نہیں اور مردانگی کا امتحان تو ہوتا ہی ہے اس وقت جب کہ صبر اور پامردی ہو، پیہم جدوجہد اور ان تھک کوشش ہو تو اگر کوئی کچا ہی پھل توڑ لینا چاہتا ہو یا کھلنے سے پہلے ہی پھول کو چن لینے پر مصر ہو تو میں تو کبھی ساتھ نہیں دے سکتا، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ہم سے علیحدہ ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی صبر سے کام لیتا ہے یہاں تک کہ بیج اگ جائے، پودا تیار ہو جائے، پھل پک جائے اور اس کے توڑنے کا مناسب وقت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ رہے گا اور ہمیں بہر حال محسنین کا اجر ملے گا۔ چاہے فتح ونصرت کے تخت بچھیں یا شہادت کے سرخ جام ملیں۔

رہ روِ راہِ محبت رہ نہ جانا راہ میں
لذت صحرانوردی دوریِ منزل میں ہے

مسلم بھائیو!

جذبات کے ہیجان کو عقل وبصیرت کی لگام دو۔ عقل کی شعاعوں کو جذبات کی حرارت دو۔ حقیقت وواقعیت سے فکر ونظر کو مربوط رکھو اور فکر ونظر کے اجالوں میں حقائق کا سراغ لگاؤ۔ کسی ایک کی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسرے سے محروم ہو جاؤ۔ نوامیس فطرت سے ٹکر نہ لو کہ وہ سر توڑ دیں۔ ان کے دھارے کو موڑ کر ان ہی سے خدمت لو۔ ان کے مقابلے میں خود ان ہی سے مدد چاہو اور فتح ونصرت کا انتظار کرو، کہ اس کا وقت کچھ دور نہیں۔

مسلم بھائیو!

تم رضائے الٰہی کے طالب اور اجر وثواب کے خواہاں ہو، اور یہ چیز تمھیں مل کر رہے گی، بشرطیکہ تم اخلاص پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نتائج اور انجام کا تمھیں ذمہ دار نہیں ٹھیرایا ہے۔ تمھارا کام تو بس یہ ہے کہ اپنے فرائض کو پہچانو۔ ذمہ داریوں کا احساس رکھو، اور ان کے لیے اچھی سے اچھی تیاری کرو پھر تو اگر غلطی بھی ہوئی تو بھی ہمیں اجر ملے گا اور اگر ہم صحیح راہ پر رہے تب تو اجر ہی اجر ہے، کئی گنا اجر، بے پناہ اجر، جب کہ ماضی وحال نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خیر کا راستہ وہی ہے جو تم نے اختیار کیا ہے، مفید طریقہ وہی ہے جو تم نے اپنایا ہے۔ نیکی کے کام وہی ہیں جن کے لیے تم سرگرم ہو، لہٰذا تم اپنی طاقتوں کو ضائع نہ کرو۔ جو چیز کام یابی کی ضامن ہے اس کو داؤ پر نہ لگاؤ اور ہمیشہ سرگرم رہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے، وہ تمھاری کوششیں ضائع نہ کرے گا۔ جو سرگرم ہیں وہی کامران ہوں گے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (البقرہ: ۱۴۳)

''اور اللہ کے لیے ممکن نہیں کہ وہ تمھارے ایمان کو ضائع کر دے۔ اللہ تو لوگوں کے ساتھ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔''

ہمارا عملی قدم کب اٹھے گا؟

مسلم بھائیو!

تمھاری اس کانفرنس کو میں ایک عائلی کانفرنس سمجھتا ہوں جو اخوانی کنبوں پر مشتمل ہے۔

ہمارا تنفیذی قدم کب اٹھے گا؟ اور ہمیں کس ساعت کا انتظار ہے؟ میں چاہتا ہوں آج اس کی بھی وضاحت کردوں کہ وضاحت کے بغیر بات نہیں بنتی۔

یادرکھو! خیال اور قول میں، قول اور عمل میں، عمل اور جہاد میں، جہاد صحیح اور جہاد غلط میں بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی سوچ لے تو ضروری نہیں کہ اس کا اظہار بھی کر سکے یا کوئی اس کا اظہار کر لے تو ضروری نہیں کہ میدان عمل میں بھی جم سکے، یا کوئی میدان عمل میں جم جائے تو ضروری نہیں کہ جہاد کی شدتوں اور محنت کی سختیوں کی بھی تاب لا سکے۔ پھر اگر کچھ لوگ جہاد کی سختیوں کی تاب بھی لا سکیں جو ظاہر ہے کہ بہت ہی مختصر اور گنے چنے لوگ ہوں گے، تو کچھ بعید نہیں کہ اگر توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو تو وہ راہ سے ہٹ جائیں اور منزل سے چوک جائیں کہ بعد کا ہر مرحلہ پہلے والے مرحلے سے زیادہ سخت وشدید اور حوصلہ شکن ہوگا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں قصہ طالوت اس کی بہترین مثال ہے۔

لہٰذا تم اپنے آپ کو تیار کرو، اپنی صحیح تربیت کرو، باریک بینی سے اپنا احتساب کرو۔ نفس کو آزمائشوں کی بھٹی میں تپاؤ۔ اسے جفاکش اور مشقتوں کا خوگر بناؤ۔ لذتوں اور عیش کوشیوں سے دور رہو، اور جس وقت تم میں سے تین سو دستے ایسے تیار ہو جائیں جو ایمان ویقین سے سرشار اور علم وثقافت سے مالا مال ہوں اور مشق وریاضت کی بھٹیوں میں تپ چکے ہوں، اس وقت مجھ سے کہو، میں تمہیں لے کر سمندر کی موجوں میں گھس جاؤں گا، آسمان کے قلعوں سے ٹکرا جاؤں گا اور ہر جبار متکبر کے پنجے توڑ دوں گا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے مجھے اس پر کامل یقین ہے:

وَلَنْ يُغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّةٍ۔

''بارہ ہزار کبھی قلّت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔''

اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی، خدا سے استعانت جاری رہی اور احکام الٰہی کی پاس داری ہوتی رہی تو ان شاء اللہ وہ گھڑی دور نہیں۔ اور اگر تم اخوان کے نمائندو! عزم وہمت سے کام لو، اور اپنی کوششیں تیز تر کردو تو یہ مدت اور بھی مختصر ہو سکتی ہے لیکن اگر تم نے ڈھیل دکھائی تو یہ اندازہ غلط ثابت ہوگا اور نتائج بالکل مختلف ہوں گے۔ لہٰذا تم اس بارگراں کو محسوس کرو، اپنی ٹیمیں اور اپنے دستے تیار کرو، ہدایات کو سامنے رکھو، مشق وریاضت میں مستعدی سے کام لو، اور چار دانگ عالم میں اپنی دعوت کے جھنڈے گاڑ دو۔ ایک منٹ بھی بے کار نہ جانے دو۔

مجھے ڈر ہے، میری ان باتوں سے کہیں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اخوان کی تعداد مختصر اور

کوششیں حقیر تر ہیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں۔ اور نہ اس غلط فہمی کے لیے یہاں کوئی گنجائش ہے۔ خدا کا شکر ہے، اخوان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم پہلے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بھلا جس جماعت کے ہزاروں ارکان اس اجتماع میں شریک ہوں اور ہر رکن پورے ایک شعبے یا ایک علاقے کی نمائندگی کر رہا ہو، اس جماعت کی تعداد تھوڑی یا کوششیں حقیر کیوں کر کہی جا سکتی ہیں؟

میرا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں جس کی طرف میں نے پہلے اشارہ کیا کہ مست گفتار و غازی کردار، نیز غازی کردار و شیر کارزار میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح ایک عام مجاہد اور اس مجاہد میں بڑا فرق ہے جس کی قربانیاں تھوڑی اور کامرانیاں زیادہ ہوں۔

تحریک اخوان کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ پروپیگنڈے اور اشتہار بازی پر عملی اور تعمیری پہلو کو ترجیح دیتی ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہیں۔ پہلا سبب تو خود وہ ہدایات ہیں جو اس سلسلے میں اسلام نے دی ہیں، دوسرے یہ اندیشہ کہ کہیں ان کاموں میں ریا و نمود نہ آ جائے کہ دیکھتے دیکھتے وہ برباد ہو کر رہ جائیں۔ ایک طرف یہ ہے، دوسری طرف یہ پہلو کہ خیر کا چرچا کیا جائے، بھلائی کی تلقین کی جائے اور نیکی کے اشتہار میں چابک دستی سے کام لیا جائے کہ اوروں کے اندر بھی اس کا شوق پیدا ہو۔ ان دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن قائم رکھنا بڑی باریک بینی کا کام ہے جو خالص توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر جھوٹا ''پروپیگنڈہ'' اور بے روح گرم جوشی جو آج کا عام شیوہ اور آج کا سب سے کامیاب حربہ ہے، اس سے اخوان طبعی طور پر بے زار ہیں، کہ امت نے اس کے بہت برے نتائج بھگتے ہیں۔ اس سے بڑی گم راہیاں پھیلی ہیں اور محسوس طور پر شر و فساد کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں۔

پھر اخوان کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اس طرح دعوت یا تو نہایت تند و تیز عداوتوں سے دوچار ہو جائے گی یا مضر دوستیاں ساتھ ہو جائیں گی، اور یہ دونوں ہی چیزیں راہ کا روڑا یا مقصد کے لیے خطرہ ثابت ہوں گی۔ یہی تمام باتیں ہیں جنھیں اخوان نے اپنی میزان میں رکھا۔ پھر انھوں نے اسی بات کو ترجیح دی کہ وہ پوری تندہی و تیز گامی کے ساتھ دعوت کی راہ میں آگے بڑھتے رہیں۔ اگرچہ گرد و پیش کے سوا کسی کو اس کا علم نہ ہو، اور اپنے حلقوں کے علاوہ کہیں بھی اس کی صدائے بازگشت نہ سنی جا رہی ہو۔

بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ ایک اخوانی رہ نما جمعرات کی شام کو اپنے دفتر سے فرصت پاتا

ہے پھر وہی عشاء کے وقت منیا میں، جمعہ کے وقت منفلو ط میں اور عصر کے وقت اسیوط میں تقریر کررہا ہوتا ہے اور عشاء کے بعد سوہاج کے اسٹیج پر نظر آتا ہے۔ پھر وہاں سے واپس ہوتا ہے اور صبح تڑکے قاہرہ میں اپنی ڈیوٹی پر ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرے ملازمین اور عہدے داروں کا کہیں پتا نہیں ہوتا۔ ایک اخوانی رہنما ۳۰ گھنٹے کے اندر ملک کے چار بڑے بڑے اجتماعات میں شریک ہوتا ہے، اور پھر وہ پورے سکون واطمینان اور قلبی انبساط کے ساتھ اس توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا واپس آجاتا ہے، اور شرکاء وسامعین کے علاوہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

یہ وہ کوششیں ہیں جو کسی اور کے ہاتھوں انجام پاتیں تو آج سارے عالم میں ان کا غلغلہ ہوتا، ساری دنیا میں ان کی دھوم مچی ہوتی۔ مگر اخوان مذکورہ اسباب کی وجہ سے اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ لوگ انھیں بس سرگرم عمل دیکھیں۔ اب اگر کوئی ان سرگرمیوں سے مطمئن ہوجاتا ہے تو فبہا، ورنہ جوان سرگرمیوں سے متاثر نہ ہوسکے، وہ باتوں سے کیا متاثر ہوگا۔

بسا اوقات ہمارا بھائی ایک ایک ماہ دو دو ماہ اپنے گھر بار اور اپنے بیوی بچوں سے دور رہ کر دعوت دین میں مصروف رہتا ہے۔ وہ رات میں تقریر کرتا ہے، دن میں سفر کرتا ہے۔ ایک دن جزوی میں ہوتا ہے، دوسرے دن عقیق میں ہوتا ہے۔ ملک کے مشرقی کونے سے مغربی کونے تک ساٹھ سے زائد تقریریں کرڈالتا ہے اور جن جلسوں میں وہ تقریریں کرتا ہے وہ مختلف طبقات کے ہزاروں فرزندوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پھر ان سب کے باوجود وہ تاکید کرتا ہے کہ اسے پروپیگنڈے یا چرچے کی چیز نہ بنایا جائے۔

اخوان تقریباً ایک ماہ تک اسکندریہ میں کیمپ لگاتے ہیں اور واقعتاً وہ ایک مثالی کیمپ ہوتا ہے جو جسمانی ریاضت اور فکری وروحانی تربیت کا جامع ہوتا ہے۔ وہاں انتہائی کامل عسکریت وریاضت کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اس پوری مدت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، اور اس کے مبارک خیمے سوسو مومن، خداترس جوانوں پر مشتمل ہوتے ہیں، لیکن شرکائے کیمپ کے علاوہ کہیں اس کی صدائے بازگشت نہیں سنی جاتی۔

تمھاری اس کانفرنس کی طرح ایک کانفرنس ہوتی ہے، اور وہ حقیقت میں مصر کی سب سے سچی پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس میں اس کے تمام ہی طبقات کی سچی نمائندگی ہوتی ہے، تم سب آتے ہو، اور محض دینی جدجہد کے ولولے سے آتے ہو۔ ہم تمھیں بلاتے ہیں اور تم

گروہ اخوان اس مبارک مقام پر جمع ہو جاتے ہو۔

اخوان یہ اور اسی قسم کے بہت سے اصلاحی کام انجام دیتے ہیں جن سے نہایت خوش آئند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مگر اس پر وہ فخر نہیں کرتے، ڈینگیں نہیں مارتے، تعلّی، رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی تو کجا، اظہار واقعہ بھی نہیں کرتے۔ اگر اخوان کے علاوہ دوسری تحریکات اور تنظیمیں یہ کام کر رہی ہوتیں اور اس جیسی کچھ سرگرمیاں بھی ان کے یہاں پائی جاتیں تو آج ساری دنیا میں ان کی دھوم مچی ہوتی، اور مشرق و مغرب میں ان کے چرچے ہوتے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ یہ دور ہی پروپیگنڈے کا دور ہے۔

بھائیو!

تمہارا یہ مقصد نہایت حسین ہے، تمہارا یہ اقدام خدا کو بھی پسند ہے اور انسانوں کو بھی، لہٰذا تم اس راہ پر گامزن رہو۔ البتہ آج تم خاص دائروں سے آگے بڑھ کر وسیع میدانوں میں آنے پر مجبور ہو۔ آج دعوت بالکل کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ چنانچہ اب لوگ اس کے سلسلے میں چہ می گوئیاں کر رہے ہیں، اور کچھ فضولی[1] اپنی طرف سے تمہاری تصویریں پیش کر رہے ہیں۔ حالاں کہ وہ تمہاری سرگرمیوں کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتے۔ لہٰذا اب لوگوں کے سامنے اپنی غایت اور وسائل کی وضاحت کرو۔ فکر کے حدود اور خطوط کار کی تشریح کرو۔ ان تمام سرگرمیوں کا اعلان کرو، فخر و مباہات کی نیت سے نہیں، بلکہ اس غرض سے کہ ان کے اندر امت کی جو بہبود اور فرزندان ملت کی جو بہتری ہے اس کی طرف رہ نمائی ہو۔ تو تم ''النذیر'' میں مقالے لکھو جو تمہارا اپنا ترجمان ہے اور دوسرے روزناموں سے بھی مدد لو۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ البتہ تم راست گوئی سے کام لو، حقیقت سے ذرا بھی تجاوز نہ کرو۔ تمہارا یہ پروپیگنڈا کامل ادب اور بلند اخلاق کے حدود میں ہو، دلوں کو جوڑنا اور روحوں کو ہم آہنگ کرنا تمہاری انتہائی آرزو ہو اور جوں جوں تمہاری دعوت کو غلبہ حاصل ہو، اسے خدا کے فضل و احسان کا کرشمہ سمجھو۔

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (الحجرات:۱۷)

''بلکہ اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔''

---

(۱) فضولی اس شخص کو کہیں گے جو ان معاملات میں بڑھ بڑھ کر بولے جن سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو نہ ان کے بارے میں وہ صحیح معلومات رکھتا ہو۔

تحریک کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جوانوں کی طرف سے اس کا پر جوش خیر مقدم ہو رہا ہے۔ محنت کش اور متوسط طبقے اس کی طرف لپک رہے ہیں۔ اور بہت سے ان حلقوں میں وہ پروان چڑھ رہی ہے جو دعوتوں اور تحریکوں کے حق میں زرخیز ترین حلقے ہیں۔ بلا شبہ یہ اللہ تعالیٰ کی زبردست توفیق ہے جس پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ آج گوشے گوشے سے جوانوں کے قافلے اخوانی دعوت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی تائید کرتے اور اس کی پوری طرح حمایت کرتے ہیں، اور اللہ سے پیمان باندھتے ہیں کہ وہ اس کا پورا حق ادا کریں گے، اس کی راہ میں جدوجہد سے ذرا بھی دریغ نہ کریں گے۔

چند سال ہورہے ہیں، قاہرہ یونیورسٹی کے چھ جوان آگے بڑھے، اور انھوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے لیے وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص و دل سوزی سے واقف تھا۔ اس نے ان کی مدد کی اور کوششوں میں برکت دی۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ آیا کہ پوری یونیورسٹی اخوان کی ہم نوا و پشت پناہ ہوگئی، آج وہ ان سے محبت کرتی، ان کی قدر کرتی اور ان کے لیے کامیابی و اقبال مندی کی آرزوئیں رکھتی ہے اور یونیورسٹی کے نوجوانوں کا ایک مومن اور خیر پسند گروہ ہے جو دعوت کی راہ میں فنا ہے اور ہر جگہ اس کے دیے جلا رہا ہے۔

''ازہر'' شریف کا بھی یہی حال ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ ازہر اخوانی دعوت کو اپنی دعوت اور اس کی غایت کو اپنی غایت سمجھے۔ اخوانی صفیں اس کے باعزم نوجوانوں، ذی مرتبہ عالموں اور اساتذہ و مبلغین سے معمور ہوں، اور دعوت کی نشر و اشاعت اور تائید و نصرت میں ان کا زبردست ہاتھ ہو کہ ''ازہر'' تو ہمیشہ سے ہی دعوت اسلامی کا قلعہ اور اسلام کی پناہ گاہ رہا ہے۔

پھر یہ فاضل طلبہ و اساتذہ ہی نہیں، آج عوام بھی تیزی سے دعوت کی طرف لپک رہے ہیں اور اس کے بہترین دست و بازو ثابت ہو رہے ہیں۔ کتنے ہی جوان ہیں جو پہلے گم راہی کا شکار تھے، اس دعوت کے ذریعے اللہ نے انھیں ہدایت دی۔ وہ حیران و سرگرداں تھے، اللہ نے ان کی رہ نمائی فرمائی۔ معصیت ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی، اللہ نے انھیں طاعت کی توفیق دی۔ ان کے سامنے زندگی کی کوئی غایت نہ تھی اب غایت ان پر روشن ہوگئی، بلا شبہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی توفیق دیتا ہے۔

یہ تمام باتیں اللہ کی تائید و توفیق کا ہی کرشمہ ہیں اس لحاظ سے ہم روز افزوں ترقی محسوس

کررہے ہیں جو ہمارے لیے زبردست امید کا پیام ہے، اور اس بات کی ترغیب ہے کہ ہم پوری پامردی وثابت قدمی کا ثبوت دیں، اور کوششیں تیز تر وفزوں تر کردیں، بلاشبہ نصرت وکامیابی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جوزبردست قوت اور بے پناہ حکمت کا مالک ہے۔

تحریک کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بستیوں اور شہروں میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس دعوت نے اسماعیلیہ میں نشوونما پائی، اسی کی صاف ستھری فضاؤں میں پروان چڑھی، اور اسی کے وسیع وعریض اور خوش نما صحراؤں میں وہ پلی، بڑھی۔ صبح وشام ملک پر اغیار کا تسلط بڑھ رہا تھا اور یورپ ــــ حرص وآز کا پتلہ ــــ ملک کی ساری دولت تنہا سمیٹ رہا تھا۔ اس صورت حال سے ہماری دعوت کو کافی توانائی حاصل ہوئی، اور وہ خوب پھلی پھولی۔ چنانچہ نہر سوئز تھی بیماری کی جڑ اور مصیبتوں کا گھر۔ مغرب میں انگریزی کیمپ اپنی خون آشام سنگینوں کے ساتھ اس پر مسلط تھا اور مشرق میں سوئز کمپنی اپنے تمام اسلحوں کے ساتھ براجمان تھی، اور پوری شان کے ساتھ اپنی عظمت وسیادت کے پرچم لہرارہی تھی۔ ادھر مصری خود اپنے وطن میں ایک اجنبی پردیسی بنا ہوا تھا۔ وہ بے خانماں بر باد تھا اور دوسرے خود اس کے گھر میں داد عیش دے رہے تھے۔ وہ ذلیل وبے وقعت تھا اور دوسرے خود اس کی جوئے زر میں جام بھرتے، اس کے ایوان عزت میں آرام کرتے اور بے تکلف زندگی کی بہاریں لوٹتے۔

یہ زخمی احساس اخوانی دعوت کے لیے بہترین کمک ثابت ہوا۔ چنانہ ہم نے نہر کے علاقے میں اس کے شامیانے تن دیے، پھر وہاں سے وہ بحرصغیر پہنچی اور پھر صوبہ وقہلیہ میں داخل ہوگئی۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ابتداءً وہ ان کے دلون میں ایک تخم حقیر کی صورت میں جگہ پکڑتی، پھر رفتہ رفتہ ایک تناور درخت کی صورت میں دلوں پر چھا جاتی، فکر وشعور پر حاوی ہوجاتی اور وہی زندگی کی سب سے بڑی آرزو، سب سے پیاری تمنا اور سب سے بلند غایت بن جاتی۔ اور اب وہ اسی کی طرف دعوت دیتے، اسی کی راہ میں خرچ کرتے اور اس کے لیے ساری قربانیاں پیش کرتے۔ پھر کچھ دنوں بعد جمعیۃ الحضارۃ الاسلامیہ اپنے سارے رہ نماؤں اور کارکنوں سمیت اخوان میں آکر مل گئی، اس لیے کہ اخوانی فکر ان کا اپنا فکر تھا۔ جماعت میں مل کر کام کرنا انھیں زیادہ عزیز تھا، القاب واسماء اور شہرت ونام وری کی انھیں ہوس نہ تھی اور اس شخصی انانیت سے وہ بے زار تھی، جو ہماری تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح ہماری دعوت قاہرہ میں بھی داخل ہوگئی۔

پھر قاہرہ میں مرشد عام کا دفتر قائم ہو گیا۔ اس طرح مختلف مقامی و غیر مقامی اخوانی شاخوں کی سرپرستی کا نظم ہو گیا اور فکر کی نشر و اشاعت کا کام تیز ہو گیا۔ مرکز یہ کام پوری حوصلہ مندی اور مستقل مزاجی سے کرتا رہا۔ عام ارکان بھی تحریک کے لیے اپنا قیمتی وقت فارغ کرتے، اپنی توانائیاں اس پر صرف کرتے اور ضروریات کو مختصر کر کے گاڑھی کمائی کا ایک ایک پیسہ اس کے لیے جمع کرتے۔ ان کے اندر شیر کی سی خودداری اور مینہ کی سی پاکیزگی ہوتی۔ وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے، کسی رئیس کبیر یا کسی انجمن سے سوال نہ کرتے، حکومت کی ایک پائی نہ لیتے۔ وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے مدد کے خواست گار نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ اخوانی شاخیں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ سارے مصر میں پھیل گئیں۔ اسوان، اسکندریہ، رشید، بورسعید، سوئز، طنطا، فیوم، بنی سویف، مینا، اسیوط، جرجا، قنا اور ان کے درمیان کے تمام مراکز اور بستیوں میں ان کا جال بچھ گیا۔

پھر وہ مصر تک ہی محدود نہ رہیں، وطن عزیز کے جنوبی حصے سوڈان تک پہنچیں۔ پھر عالم اسلام کے بقیہ علاقوں میں بھی پھیل گئیں۔ مشرق میں پورا سوریہ، اور مغرب میں بلاد مغرب کا پورا علاقہ ان کے دائرے میں آ گیا۔ اور جو اسلامی ممالک باقی رہ گئے تھے ان کی فضاؤں میں بھی یہ صدائیں گونجیں۔

پہلے صورت یہ تھی کہ ہم دعوت پیش کرتے اور اس کی نشر و اشاعت کی جدوجہد کرتے۔ اب صورت یہ ہے کہ وہ ہمارے آگے آگے پر لگا کر اڑ رہی ہے اور ہم مجبور ہیں کہ اس کا ساتھ دیں اور اس کے تقاضے پورے کریں، خواہ اس میں ہمارے لیے کتنی ہی تنگی و دشواری ہو۔

پھر خاص بات یہ ہے کہ ان اخوانی شاخوں اور انجمنوں کے درمیان تعلق محض نام کی مشابہت یا مقصد کی یکسانیت کا نہیں ہے، نہیں، نہیں، ان کے درمیان تو سب سے زیادہ استوار اور پائیدار تعلق ہے۔ ان میں انتہائی گہری الفت و محبت کا رشتہ اور غایت درجہ تعاون کا جذبہ ہے۔ وہ سب نہایت مضبوط اور مقدس قرابت کے سنہری تاروں سے بندھی ہوئی ہیں۔ وہ سب دعوت کے محور گردش کرتی، مرکز سے وابستہ رہتی اور جان و دل سے اس پر فدا ہوتی ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے کے دکھ درد کی شریک ہیں، خوشیاں اور مسرتیں بھی سب کی ایک ہیں۔ ان کی سرگرمیاں ایک ہیں، جدوجہد کا میدان ایک ہے۔ راستے ایک ہیں، منزل ایک ہے۔ نقوش راہ اور خطوط کار ایک ہیں۔ کوئی چاہنے والا بھلا اس سے زیادہ اور کیا چاہ سکتا ہے۔

مختلف شہروں اور بستیوں کی اخوانی تنظیموں کا کام بس اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ قاہرہ کے

مرکزی دفتر کی ہدایات نافذ کریں، بلکہ وہ خدمت خلق کے مختلف میدانوں میں بھی جولانیاں دکھاتی اور اپنی سرگرمیوں کے مظاہرے کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی بزمیں اور نشست گاہیں بناتی ہیں، ان میں سے بہتوں نے تو اپنے دفاتر بھی قائم کر لیے ہیں اور کتنوں نے خاصے رفاہی اجتماعی اور اقتصادی کام کیے ہیں۔ یہ تمام ہی تنظیمیں ہمیشہ سرگرم اور کار خیر کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔

اسی طرح دفتر کا تعلق بھی اپنی مختلف شاخوں اور تنظیموں کے ساتھ خالص امیر و مامور اور سردار و ماتحت کا نہیں ہوتا، نہ مجرد انتظامی اور خالص علمی سرپرستی کا ہوتا ہے۔ وہ ان سب سے اعلیٰ و بلند تر تعلق ہوتا ہے، وہ سب سے پہلے روحانی تعلق ہوتا ہے۔ فرزند و پدر جیسا تعلق محض اللہ کے لیے وہ ایک دوسرے سے ملتے اور ملاقاتیں کرتے ہیں۔ اخوانی رہنما اپنے بھائیوں سے ملتے جلتے ان سے خلط ملط ہوتے اور ان کے عام حالات اور نجی معاملات تک سے واقف ہوتے ہیں۔ اور یہ غالباً صرف تحریک اخوان کی خصوصیت ہے جس سے دوسری ساری تحریکیں محروم ہیں۔ بلاشبہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔

میرے بھائیو!

آج میں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ اس سچی اخوانی وحدت پر مجھے بے حد ناز ہے۔ اس مضبوط و مستحکم روحانی تعلق پر مجھے بے انتہا فخر ہے اور مجھے مستقبل میں بڑی امیدیں ہیں۔ بشرطیکہ تم اسی طرح للّٰہیت سے سرشار اور اخوت کے علم بردار اور یوں ہی اخلاص و تعاون کے پیکر بنے رہو۔ تم ہمیشہ اسی وحدت کے آرزومند ہو، کہ یہی تمہارا اسلحہ اور قوت کا سرچشمہ ہے۔

بہت سے لوگ انگشت بدنداں ہیں کہ اخوان اس دعوت کے مصارف کہاں سے پورے کرتے ہیں؟ کہ اتنے زیادہ مصارف تو اہل ثروت کے بس کے بھی نہیں۔ چہ جائیکہ فقیر و بے مایہ لوگ ان کا تحمل کر سکیں! تو انھیں جاننا چاہیے کہ اخوان اپنی دعوت کے سلسلے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ وہ بچوں کی نان شبینہ تک لا کر اس کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ تعیّشات اور فاضل اخراجات کا تو کیا ذکر، وہ اپنی ضروریات تک اس کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ حتی کہ وہ خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ دینے کے لیے ہمہ آن تیار رہتے ہیں۔ انھوں نے جس دن یہ بار گراں اٹھایا تھا، یہ سمجھ کے اٹھایا تھا کہ یہ دعوت جان و مال سے کم پر راضی نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے یہ سب کچھ کیا اور محض اللہ کی خاطر کیا۔ انھوں نے اس ارشاد الٰہی کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (التوبہ:۱۱۱)

''اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔''

چنانچہ انھوں نے یہ سودا قبول کرلیا اور پوری خوش دلی کے ساتھ اپنی ساری پونجی پیش کردی اور اس عقیدے کے ساتھ پیش کی کہ سارا فضل اللہ کا ہی ہے۔ اسی کا عطیہ اور اسی کے جو دوکرم کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تھوڑے سے مال میں برکت دی وہ اس قدر پھلا پھولا اور برگ وبار لایا کہ وہ منت غیر سے بے نیاز ہوگئے۔ اس وقت تک مرے بھائیو! مرشد عام کے دفتر کو کسی حکومت سے ایک اعانت بھی حاصل نہ ہوئی۔ اور اسے اس پر ناز ہے۔ اس کا چیلنج ہے کہ کوئی اس کے خزانے میں کسی غیر کا ایک پیسہ بھی ثابت کردے۔

یقین مانو، ہمارے مخلص ارکان وہمدردان کے دودو پیسے ہمارے لیے بہت ہیں، ہم غیر کے بار منت سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ حکومتیں ہوں یا افراد ہمیں ان سے کوئی طمع نہیں۔ تم اپنے نظام یا دستور میں اس کی گنجائش ذرا بھی نہ رکھو۔ نہ کبھی اس کا خیال دل میں لاؤ، نہ اس کے لیے کوئی جدوجہد کرو۔ تم بس فضل الٰہی کے طالب بنو۔ وہ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔

میرے بھائیو! یہ تمہاری دعوت کی کچھ خصوصیات ہیں جو میں نے موقع سے یہاں بیان کردیں۔ اب دعوت کے ایک دوسرے اہم گوشے کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کے بارے میں عموماً لوگ غلط فہمی میں ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ اخوان کا بھی ذہن صاف نہیں، چنانچہ ہم اس کی تعیین کریں گے اور اس سلسلے میں بھی جو ابہام ہوگا اسے رفع کریں گے۔

غایت اور وسیلہ

برادران گرامی!

میں سمجھتا ہوں اس طویل گفتگو سے اخوان کی غایت، وسیلۂ کار اور مشن کی وضاحت ہوگئی۔ اخوان کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مومنین کی ایک ایسی نئی نسل تیار ہو جو اصل اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، اور امت کی قبائے زندگی کا ایک ایک سوت کامل اسلامی رنگ میں رنگ جائے جو اللہ کا رنگ ہے۔ اور ظاہر ہے اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا۔ اس سلسلے میں ان کا وسیلۂ کار یہ ہے کہ عرف عام کو بدلا جائے اور دعوت کے جاں نثاروں کی ان ہی تعلیمات کے مطابق اس طرح

تربیت کی جائے کہ وہ بالکل اسلام کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ یہاں تک کہ اسلامی تعلیمات کو اپنانے، ان پر جان دینے اور ان کے آگے سرِتسلیم خم کردینے میں وہ دوسروں کے لیے نمونہ و پیشوا بن سکیں۔ چنانچہ وہ اپنے وسائل سے کام لیتے ہوئے برابر اپنی غایت کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور اس راہ میں انھیں جتنی کچھ کامیابی حاصل ہوچکی ہے وہ ان کے لیے کافی اطمینان بخش ہے۔ جس پر وہ اللہ کے شکرگزار ہیں کہ یہ سرتاسر اسی کی تائید ونصرت کا کرشمہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں یہ پہلو کچھ زیادہ شرح وتفصیل کا محتاج نہیں ہے۔

اخوان، طاقت اور بغاوت

بہت سے لوگ پریشان ہیں کہ کیا اخوان اپنے مقاصد کے لیے قوت بھی استعمال کریں گے؟ اور کیا وہ مصر کے سیاسی یا اجتماعی نظام کے خلاف بغاوت کے درپے ہیں؟ میں نہیں چاہتا کہ ان دوستوں کو حیرانی میں چھوڑوں، لہٰذا میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں جسے سننا ہو سن لے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۔ (الانفال:۶۰)

''اور جہاں تک ہو سکے فوج اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے تیار رکھو، تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کردو۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ۔

''طاقت ور مومن کمزور سے بہتر ہے۔''

حتیٰ کہ دعا جو عاجزی و مسکینی کا مظہر ہے، اس میں بھی قوت ایک اسلامی شعار کی حیثیت سے نظر آتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہ دعا فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم دیتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں غموں اور حسرتوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں
سستی و بے بسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی و بخیلی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں
قرض کی زیادتی اور لوگوں کے تسلط سے۔''

دیکھتے ہو! یہاں آپؐ نے ضعف و ناتوانی کے تمام مظاہر سے پناہ چاہی ہے۔ حزن و غم سے ارادے میں کم زوری آتی ہے۔ سستی و درماندگی سے نتائج و ثمرات میں کمی آتی ہے۔ بزدلی و بخیلی سے جیب ہلکی ہوتی ہے، اور قرض و مغلوبیت سے عزت و کرامت پر آنچ آتی ہے۔ تو جو انسان ایسے دین کا پیرو ہو، کیا وہ ہر چیز میں قوی نہ ہوگا اور کیا ہر طرح کی قوت ہی اس کا شعار نہ ہوگی؟ بلاشبہ اخوان المسلمون طاقت ور بنیں گے، اور لازماً وہ قوت سے کام لیں گے۔

لیکن اخوان اتنے ظاہر بیں اور سطحیت پسند نہیں ہیں کہ وہ باتوں کی تہ میں نہ اتریں وہ ان کے نتائج کا اندازہ کریں۔ وہ اس سے کہیں زیادہ دور بین و دور اندیش واقع ہوئے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سب سے بنیادی قوت عقیدہ و ایمان کی قوت ہے۔ پھر وحدت و اجتماعیت کی قوت ہے۔ اور ان دونوں کے بعد جنگی قوت ہے۔ کسی بھی جماعت کو طاقت ور کہنا صحیح نہ ہوگا جب تک اسے یہ ساری قوتیں نہ حاصل ہوں۔ اور اگر وہ جنگی قوت استعمال کرتی ہے درآں حالیکہ اس کا شیرازہ منتشر اور نظام درہم برہم ہے، عقیدہ کم زور اور ایمان خوابیدہ ہے تو وہ یقیناً ہلاکت و بربادی سے دوچار ہوگی۔

ثانیاً اسلام، جو قوت کو اپنا شعار کہتا ہے، اس نے کیا یہ ہدایت کی ہے کہ ہمیشہ قوت ہی استعمال کی جائے۔ چاہے کیسے ہی احوال و ظروف ہوں؟ یا اس کے لیے کچھ حدود متعین کیے ہیں، کچھ شرطیں قرار دی ہیں اور کچھ خاص حالات کے ساتھ اسے پابند کیا ہے؟

ثالثاً کیا قوت ہی اولین علاج ہے یا آخری چارۂ کار ہے؟ اور کیا انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ استعمال قوت کے مفید و مضر نتائج کے درمیان موازنہ کرے، اور ظروف و احوال کا صحیح اندازہ لگائے؟ یا وہ قوت کا استعمال کر گزرے، نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو؟

استعمال قوت سے پہلے اخوان ان تمام پہلوؤں پر غور کریں گے اور بغاوت تو قوت کا شدید ترین اور انتہائی سنگین مظہر ہے۔ اس کے باب میں تو اخوان اور زیادہ دور بین اور دور اندیش ہوں گے۔ خصوصاً مصر جیسے وطن میں، جس نے بغاوتوں کا بار بار تجربہ کیا اور اس کا جو انجام ہوا اور وہ سب کو معلوم ہے۔

ان چند تمہیدی کلمات کے بعد میں یہ کہوں گا کہ اخوان المسلمون ضرور قوت کا استعمال

کریں گے، مگر اس وقت جب کہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔ اور انھیں یہ پورا اطمینان ہوگا کہ وہ ایمان ویقین اور وحدت واجتماعیت کی بھی قوت فراہم کر چکے ہیں۔ اور جس وقت وہ یہ قوت استعمال کریں گے وہ انتہائی شریف اور جرأت وشجاعت کے پیکر ہوں گے۔ وہ پہلے خبردار کریں گے، پھر انتظار کریں گے پھر نہایت عزت وکرامت کے ساتھ وہ اقدام کریں گے، اور اس کے تمام نتائج کا پوری خوش دلی اور خندہ پیشانی سے سامنا کریں گے۔

رہی بغاوت تو اخوان اس طرح کا کوئی خیال نہیں رکھتے، نہ اس کا وہ سہارا لیتے ہیں۔ اور نہ اس کی افادیت کے وہ قائل ہیں۔ البتہ وہ تمام ارباب حکومت کو آگاہ کرتے ہیں کہ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور اہل حل وعقد نے فوری اصلاح اور بروقت علاج کی فکر نہ کی تو یقیناً بغاوت کے لاوے پھوٹ پڑیں گے اور یہ بغاوت خود حالات کا نتیجہ ہوگی۔ اصلاحی کوششوں اور مفید تدابیر سے لاپروائی کا ثمرہ ہوگی۔ اخوان اور ان کی سرگرمیوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

یقیناً یہ روز افزوں پے چیدگیاں اور یہ حالات کی سنگینی ایک زبردست خطرے کی گھنٹی ہے۔ لہٰذا چارہ گروں کو مستعد ہونا چاہیے۔

اخوان المسلمون اور حکومت

کچھ دوسرے لوگ حیران ہیں کہ کیا حکومت واقتدار بھی اخوان کے پروگرام میں ہے؟ اگر ہے تو اس کے لیے وسائل کیا ہوں گے؟ میں ان لوگوں کو بھی حیران نہیں رہنے دوں گا، نہ جواب دینے میں کسی گریز یا بخل سے کام لوں گا۔ انھیں جاننا چاہیے کہ اخوان تو اپنی تمام سرگرمیوں، ساری آرزوؤں اور تمام اقدامات میں اپنے وسیع تصور دین کے تابع ہیں اور آغاز گفتگو ہی میں ہم اس تصور دین کی وضاحت بھی کر چکے ہیں۔

یہ اسلام جس پر اخوان کا ایمان ہے حکومت کو اپنا ایک اہم رکن قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرح ہدایت وارشاد سے کام لیتا ہے اسی طرح زور وقوت کا بھی استعمال کرتا ہے چنانچہ خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَالَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ۔

''اللہ تعالیٰ اقتدار کے ذریعے وہ باتیں روک دیتا ہے، جو قرآن کے ذریعے نہیں روکتا۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حکومت کو قصر اسلام کا ایک ستون قرار دیا ہے۔ فقہاء نے

بھی حکومت کا شمار عقائد اصول میں کیا ہے، نہ کہ فروعات میں۔ پس اسلام جس طرح تشریع و تعلیم ہے، قانون و قضا ہے اسی طرح وہ حکومت اور تنفیذ بھی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا کہ ان تمام کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اب اگر کوئی مصلح اسلام بس اتنے پر راضی ہو جاتا ہے کہ وہ مسند ارشاد کو زینت دے، دارالافتاء میں بیٹھ کر فتوے دے، خوش الحانی سے تعلیمات دین کی تلاوت کرے، فروع و اصول کی داستان سرائی کرے۔ اور ارباب اقتدار کو چھوڑ دے کہ وہ امت کے لیے ایسے قوانین وضع کریں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے اور اپنی قوت کے بل پر اسے مجبور کریں کہ وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مصلح کی آواز صدا بصحرا ہوگی۔ اس کی مثال اس ناداں کی سی ہوگی جو کسی راکھ کے ڈھیر میں پھونک مار رہا ہو۔

یہ بات تو قابل فہم ہے کہ ارباب حل وعقد اگر اوامر الٰہی کو تسلیم کریں، احکام دین کو نافذ کریں، آیات و احادیث کے چرچے کریں تو مصلحین امت وعظ و ارشاد پر ہی قناعت کرلیں۔ مگر جب صورت حال اس سے مختلف ہو۔ جب اسلامی شریعت عملی دنیا سے بے دخل ہو، اور ہر طرف طاغوتی نظام کا دور دورہ ہو تو مصلحین امت کی اقتدار سے بے تعلقی ایک نہایت سنگین جرم ہوگی اور اس جرم کا کوئی کفارہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں، اور اقتدار کو ان ہاتھوں سے چھین لیں جو دین حنیف کے طاعت گزار نہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جو ہماری طبع زاد نہیں، بلکہ یہ خود اس دین حنیف کی فریاد ہے۔ اس طرح اخوان خود اپنے لیے حکومت کے طالب نہیں۔ اگر امت میں ایسے لوگ مل جائیں جو اس بار گراں کو اٹھانے، اس امانت کو ادا کرنے اور قرآنی اصولوں کے مطابق حکومت کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ ان کی فوج وسپاہ اور دست و بازو ہوں گے ورنہ حکومت تو ان کے پروگرام کا جزو ہے وہ ان ہاتھوں میں اسے نہیں چھوڑیں گے جو احکام الٰہی سے منحرف ہوں۔

اسی طرح اخوان کی عقل و بصیرت اور حسن تدبیر سے بعید تر ہے کہ وہ حکومت کے لیے آگے بڑھیں، جب کہ افراد امت کا یہ حال ہو۔ لہٰذا بیچ میں ایسا وقفہ ضروری ہے جس میں اخوانی افکار و نظریات کی اشاعت ہو سکے، انھیں زیادہ سے زیادہ فروغ اور غلبہ حاصل ہو سکے، اور امت یہ سیکھ سکے کہ کس طرح شخصی مفادات پر دین و ملت کے مفاد کو ترجیح دی جاتی ہے۔

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ اخوان کو معاصر حکومتوں میں سے کسی حکومت کے اندر بھی خواہ وہ موجودہ حکومت ہو یا سابق حکومت یا دوسری فوجی حکومتیں ہوں، کوئی ایسا نظر نہ آیا جو اس بارگراں کو اٹھائے ہوئے ہو یا فکر اسلامی کی پشت پناہی کے لیے آمادہ ہو لہٰذا امت کو خبر دار رہنا چاہیے اور حکام سے اپنے اسلامی حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اخوان کو بھی اس کے لیے پیہم جدوجہد کرنی چاہیے۔

پھر اخوان پر یہ کیسا زبردست الزام ہے کہ اخوان دعوت کے کسی بھی دور میں کسی حکومت کے پٹھو بن کر رہے ہیں یا کچھ دوسرے مقاصد کے لیے کوشاں رہے ہیں یا اپنے اصولوں سے ہٹ کر کچھ دوسرے اصولوں پر عمل پیرا رہے ہیں، جن لوگوں کو بھی یہ غلط فہمی ہو، انھیں اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیے، خواہ وہ ہماری صفوں میں ہوں یا ہماری صفوں سے باہر ہوں۔

اخوان المسلمون اور مصری دستور

اسی طرح کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ مصری دستور کے سلسلے میں اخوان کا کیا موقف ہے؟ اس سوال کا جواب دینا بھی کچھ ضروری سا ہے۔ بالخصوص جب کہ ''النذیر'' کے ایڈیٹر برادرم صالح آفندی عشماوی اس پر لکھ بھی چکے ہیں، اور رسالہ ''مصر الفتاۃ'' کا اس پر نقد و موازنہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس زریں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اخوان کی رائے اور مصری دستور کے سلسلے میں ان کے موقف کی وضاحت کرتا ہوں، مگر اس سے پہلے میں یہ چاہوں گا کہ ہم دستور و قانون کے باہمی فرق کو ملحوظ رکھیں۔

''دستور'' وہ عام نظام حکومت ہے جو اختیارات کے دائرے، حکام کے فرائض اور رعایا کے ساتھ ان کے تعلق کے حدود متعین کرتا ہے جب کہ ''قانون'' وہ ضابطہ ہے جو افراد کے باہمی تعلق کو منظّم کرتا، ان کے اخلاقی و مادی حقوق کا تحفظ کرتا اور ان کے کاموں پر احتساب کرتا ہے؟ اس وضاحت کے بعد ہم دستوری نظام حکومت بالخصوص مصری دستور کے سلسلے میں اپنے موقف کو نمایاں کر سکتے ہیں۔

عزیز بھائیو! دستوری نظام حکومت کا مطلب یہ ہے کہ شخصی آزادی کا تحفظ ہو، شورائی نظام کا قیام ہو۔ سارے اختیارات امت سے مانگے جائیں۔ حکام رعایا کے سامنے جواب دہ ہوں۔ جو کچھ وہ کریں اس پر ان کا احتساب ہو اور تمام اختیارات کے دائرے متعین ہوں۔ ایک صاحب

نظر جب دستوری حکومت کے ان اصولوں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے یہ تمام اصول واضح طور پر اسلامی تعلیمات، اسلامی نظام اور اسلامی آئین حکومت سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

اسی لیے اخوان کے نزدیک دستوری نظام حکومت موجودہ نظام ہائے حکومت میں سب سے بہتر اور اسلام سے قریب تر ہے۔ اور وہ کسی بھی دوسرے نظام کو یہ مقام دینے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے بعد دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ ایک تو وہ عبارتیں ہیں جو ان اصولوں کا پیرہن ہوتی ہیں۔ اور دوسرے وہ طریق تطبیق یا طرز تنفیذ ہے جس کے ذریعے ان عبارتوں کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔ عموماً ایک اصول نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہوتا ہے، مگر عبارت مبہم اور غیر واضح ہوتی ہے، اس طرح اس اصول سے کھیل کرنے کی گنجائش نکل آتی ہے۔ اسی طرح کبھی ایک اصول بہت عمدہ اور صحیح ہوتا ہے اور عبارت بھی واضح و روشن ہوتی ہے مگر اس کی تطبیق و تنفیذ ہوا و نفسانیت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ اس طرح یہ تطبیق سارے متوقع فائدوں کو غارت کر دیتی ہے۔

اخوان کے نزدیک مصری دستور کی بہت سی عبارتیں نہایت مبہم اور غیر واضح ہیں۔ جن کے اندر ہوا و نفسانیت اور مفاد پرستی کے لیے بڑی گنجائش ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی مزید توضیح و تشریح اور مفہوم کی تعین کی جائے۔ پھر مصر میں دستور کے نفاذ اور دستوری حکومت کے قیام کا جو طریقہ رائج ہے وہ طریقہ بھی نہایت ناقص ہے جس کی ناکامی تجربات سے ثابت ہو چکی ہے۔ امت کو ہمیشہ اس راہ سے پھولوں کے بجائے کانٹے ہی ہاتھ آئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس میں ایسی ترمیم کی جائے جو نتیجہ خیز اور حصول مقصد میں معاون ہو سکے۔

مثلاً یہ طریق انتخاب ہے، جس کے ذریعے ان ممبران کا چناؤ ہوتا ہے جو امت کی نمائندگی کریں، اس کے دستور کو نافذ کریں، اور اس دستور کی حمایت و محافظت کریں۔ یہ طریق انتخاب امت کے اندر کتنی دشمنیوں اور قلب و روح کی بے چینیوں کا باعث ہوا اور اس سے کیسے کیسے نقصانات ہوئے جس کی شہادت کے لیے واقعات کی زبان کافی ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے اندر اتنی ہمت و جرأت ہو کہ ہم بدی سے آنکھیں ملا سکیں اور غلطیوں کی اصلاح و تعدیل کے لیے عملی قدم اٹھا سکیں۔

اسی لیے اخوان کا مطالبہ ہے کہ مصری دستور کا ابہام رفع کیا جائے، ساتھ ہی اس کے نافذ کرنے کا نظام بھی تبدیل کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس تفصیل سے اخوان کا موقف واضح ہو گیا اور تمام باتیں اصل نقطے پر آ گئیں۔

برادر صالح افندی نے پہلے مقالے میں اس پہلو کی وضاحت کرنی چاہی تھی، جو اخوان کے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ مگر اس میں کافی شدت آگئی تھی پھر جب ہم نے متنبہ کیا کہ یہ ہمارا موقف نہیں۔ ہم تو دستوری حکومت کے اساسی اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تو اسلامی نظام سے ہم آہنگ، بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔ ہم تو بس ابہام اور طریق نفاذ کے خلاف ہیں، تو پھر انھوں نے اس کی تلافی کرنی چاہی مگر اس میں ضرورت سے زیادہ نرمی اور لچک آگئی۔

بہر کیف ان کے یہ دونوں ہی موقف لائق ستائش اور باعث اجر ہیں، کیوں کہ ارادہ نیک اور نیت صالح تھی۔ اور ارادہ ونیت ہی اصل چیز ہے۔ ہم ان لوگوں کے ممنون ہیں جنہوں نے برادر صالح افندی کے اس موقف پر گرفت کی۔ ہمارے بھائی کو بھی چاہیے کہ وہ اس تنبیہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ہر حال میں اعتدال کو ترجیح دیں۔ غالباً اس وضاحت کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ رہیں تفصیلی مثالیں، تشفی بخش دلیلیں اور علاج واصلاح کی تدبیریں، تو ان شاءاللہ وہ آئندہ پیش کی جائیں گی۔

اخوان المسلمون اور قانون

میں نے پہلے عرض کیا کہ دستور اور شے ہے، قانون اور شے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نیز دستور کے سلسلے میں اخوان کا جو موقف ہے وہ بھی واضح ہو گیا۔ لہٰذا اب میں قانون کو لیتا ہوں۔

اسلام کے جیب ودامن قوانین سے خالی نہیں ہیں۔ اس نے تو بہت سے تشریعی اصول اور جزئی احکام دیے ہیں، خواہ وہ دیوانی کے ہوں یا فوج داری کے، تجارتی ہوں یا بین الاقوامی، سب سے وہ مالا مال ہے۔ قرآن وحدیث میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ فقہاء کی کتابیں ان تمام پہلوؤں کو محیط ہیں۔ اس کا اعتراف تو اغیار نے بھی کیا ہے۔ لاہای (LAHAYE) کی عالمی کانفرنس نے دنیا بھر کے نمائندوں کے سامنے، جو چوٹی کے قانون داں تھے، اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا۔

تو یہ بات بالکل خلاف عقل ہے کہ کسی مسلم امت میں ایسا قانون نافذ ہو جو دینی تعلیمات، قرآنی احکام اور نبی کی سنت کی بالکل ضد ہو، جو اللہ ورسول کی ہدایات سے سرتاسر مختلف اور متصادم ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے خبردار کر دیا ہے۔ اس نے اپنے نبیؐ کو تاکید کی تھی:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ○اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ○(المائدہ:۴۹،۵۰)

''اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ اور ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمھیں اس کی کسی بات سے پھسلا دیں جو اللہ نے تمہاری طرف اتارا ہے، پس اگر وہ اعراض کریں تو سمجھ جاؤ کہ اللہ ان کے کسی گناہ کی سزا دینا چاہتا ہے۔ بے شک ان میں سے بیشتر نافرمان ہی ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ حالاں کہ اللہ سے بہتر فیصلہ کسی کا ہوسکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہوں۔''

اور اس سے پہلے یہ بھی ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ(المائدہ:۴۴) الظّٰلِمُوْنَ(۴۵) الفٰسِقُوْنَ○(۴۷)

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں ___ ظالم ہیں ___ فاسق ہیں۔''

تو جو مسلم اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہو، اس کا کیا موقف ہوسکتا ہے جب وہ یہ واضح آیات اور دیگر احادیث واحکام سنے، پھر وہ خود کو ایسے قانون کے شکنجے میں پائے جو ان تمام چیزوں سے متصادم ہو۔ اور جب وہ اصلاح وترمیم کا مطالبہ کرے تو اس سے کہا جائے۔ اغیار راضی نہیں ہیں، وہ تو اس کے خلاف ہیں۔ پھر اس بے بسی کے باوجود کہا جائے کہ مصری آزاد ہیں حالاں کہ ابھی تو انھیں وہ مذہبی آزادی بھی نہ حاصل ہوسکی جس کے بغیر آزادی کا کوئی تصور ہی نہیں۔

پھر یہ خود ساختہ قوانین جس طرح دین اور نصوص دین سے ٹکراتے ہیں اسی طرح یہ خود ہمارے بنائے ہوئے دستور سے بھی متصادم ہیں جس کا یہ اعلان ہے کہ ہمارے ملک کا ریاستی دین اسلام ہوگا۔ تو اے دانش ورو! تم ہی بتاؤ، ان دونوں میں ہم کیسے تطبیق دیں؟

پھر جب اللہ ورسول نے زنا کو حرام کیا ہو، جوئے بازی سے منع کیا ہو، شراب نوشی پر پابندی لگائی ہو، سود خوری کے خلاف اعلان جنگ کیا ہو اور قانون زانی اور زانیہ کی حمایت

کرے، سود کو لازم قرار دے، شراب کی کھلی چھوٹ دے اور جوئے بازی کو مزید ترقی دے، تو پھر ایک مسلم کا موقف کیا ہوگا؟ آیا وہ اللہ و رسول کی اطاعت اور حکومت و قانون سے بغاوت کرے گا، یا اللہ اور رسول سے سرتابی اور حکومت کی تابع داری کرے گا اور اس طرح دنیا و آخرت کے بدبختی مول لے گا؟ عالی جاہ صدر مملکت، بلند مقام وزیر عدل اور جلیل القدر علماء ہمیں اس کا جواب دیں۔

جہاں تک اخوان کا تعلق ہے، تو وہ تو کبھی بھی اس قانون سے اتفاق نہیں کر سکتے، نہ کبھی اس پر راضی ہو سکتے۔ وہ تو جان توڑ جدوجہد کریں گے کہ اس کی جگہ وہ اسلامی شریعت اور وہ اسلامی قانون آئے جو سرتا سر عدل وانصاف پر مبنی اور خیر و برکت کا پیامی ہے۔ اب رہے وہ شبہات جو اس پہلو سے پیش کیے جاتے ہیں، یا وہ موہوم گھاٹیاں جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں تو یہاں ان پر گفتگو کا موقع نہیں۔ کہ یہاں تو ہم اپنے اس موقف کی وضاحت کر رہے ہیں جس کے لیے اب تک ہم جاں فشانی کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ہم اس راہ کی ہر گھاٹی کو پھلانگتے ہوئے اور ہر شبہے کو رفع کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کہیں بھی گم راہی کا نام نہ رہ جائے اور ہر سو کامل طاعت الٰہی کے جاں نواز جلوے نظر آنے لگیں۔

اخوان نے تو عالی مقام وزیر عدل کی خدمت میں اس مضمون کی ایک تفصیلی یادداشت بھی بھیجی تھی اور آخر میں حکومت کو خبردار کیا تھا کہ وہ اس درجہ لوگوں کو تنگ نہ کرے کہ عقیدہ ہی تو اس کائنات کی اصل دولت ہے۔ اور جلد ہی اسے وہ پھر خبردار کریں گے اور بار بار کریں گے۔

''بلاشبہ اللہ تو اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔ چاہے نافرمان کتنے ہی جز بز ہوں۔''

قومی، عربی اور اسلامی وحدتوں کے سلسلے میں اخوان کا موقف

قومی وحدت، عربی وحدت اور اسلامی وحدت کے سلسلے میں عموماً ذہن پریشان ہیں اور زیادہ تر فکر و نظر کے زاویے مختلف ہیں، اور کبھی تو ان کے ساتھ لوگ مشرقی وحدت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ پھر ذہن و زبان کے پہیے چل پڑتے ہیں، باہم ان میں موازنے ہوتے ہیں۔ امکان اور عدم امکان پر گفتگوئیں ہوتی ہیں۔ فائدے اور نقصان پر بحثیں ہوتی ہیں۔ کسی کی حمایت اور کسی کی مخالفت ہوتی ہے تو اس تودۂ افکار کے سلسلے میں اخوان کا کیا موقف ہے؟

اس کی وضاحت اس لیے بھی ضروری ہے کہ بہت سے لوگ اخوان کی وطن دوستی پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور فکر اسلامی کو حب وطن کے منافی سمجھتے ہیں، تو یاد رہے ہم اس اصول سے کبھی انحراف

نہیں کر سکتے جو ہمارے فکر کی اساس ہے اور یہ وہ اساس ہے جس سے ہم کبھی ہٹ نہیں سکتے۔لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ خود اسلام کا یہاں کیا موقف ہے؟

اسلام ایک مسلم کے لیے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ ملک و وطن کی بہبود کے لیے جدوجہد کرے، اس کی خدمت میں فنا ہو جائے، جس قوم میں وہ رہتا ہے اس کے لیے خیر و منفعت کا بڑے سے بڑا اندرانہ پیش کرے، اور اس سلسلے میں وہ رشتہ و پڑوس کے لحاظ سے قریب تر کو ترجیح دے، حتی کہ وہ یہ اجازت نہیں دیتا کہ زکوٰتیں مسافت قصر سے آگے لے جائی جائیں، الاّ آں کہ کوئی اہم اور ناگزیر ضرورت ہو۔اور اس کی منشا بھی یہی ہے کہ قریب تر کو ترجیح دی جائے۔

اس طرح ہر مسلم کا یہ فرض ہے کہ وہ جس سرحد پر رہتا ہے اس کی حفاظت کرے، جس وطن میں اس نے پرورش پائی ہے اس کی خدمت کرے۔ایک مسلم سب سے زیادہ وطن دوست اور اہل وطن کے حق میں سب سے زیادہ مفید اور باعث خیر و برکت ہوتا ہے۔کیوں کہ وہ رب العالمین کی طرف سے اس کا پابند ہوتا ہے۔

اخوان بھی بہبود وطن کے سب سے زیادہ آرزومند ہیں۔وہ قوم کی خدمت میں بالکل فنا ہیں، وہ اس عزیز و محترم ملک کے لیے ہر قسم کے عز و شرف، ہر طرح کی ترقی و سربلندی اور ہر نوع کی سعادت و کامرانی کے متمنی ہیں۔جب کہ خوش قسمتی سے آج اقوام عالم میں اسلام کی سربراہی بھی اسے حاصل ہوگئی ہے۔خیال کرو مدینے کی محبت اس میں مانع نہ ہوئی کہ سینۂ رسالت شوق مکہ سے معمور رہے۔اور جب اصیل وہاں کا ذکر چھیڑیں تو آپ بے اختیار ہو جائیں!

یَااُصَیْلُ دَعِ الْقُلُوْبَ تَقِرُّ ''اے اصیل دلوں کو قرار ملنے دو۔''

نہ حضرت بلالؓ کے لیے مانع ہوئی کہ وہ دل کی گہرائیوں سے پکار اٹھیں!

اَلاَ لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِیْ اِذْخَرٌ وَجَلِیْلٌ

''کاش میں جان سکتا کیا میری کوئی رات اس وادی میں بھی گزرے گی جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل ہوں۔''

وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاهَ مَجَنَّةٍ وَهَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَةٌ وَطَفِیْلُ

''اور کیا میں کبھی مجنہ کے چشموں پر پہنچ سکوں گا، کیا کبھی شامہ و طفیل بھی میرے سامنے ہوں گے۔''

پس اخوان کو بھی اپنے وطن سے محبت ہے، وہ اس کی قومی وحدت کے آرزومند ہیں۔ اور اگر کوئی ملک کا مخلص اور قوم کا دردمند ہو، وطن کے مجد وشرف اور قوم کی عزت وسربلندی کا خواہاں ہو تو اسے وہ حقارت سے نہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ تو خاص قومیت کے نقطۂ نظر سے ہوا۔

پھر اسلام عرب ہی میں پروان چڑھا اور عرب ہی سے دوسروں تک پہنچا۔ اس کا معزز صحیفہ بھی عربی مبین میں آیا، اور قومیں اسی کے نام سے اس زبان پر ایک ہوئیں۔ پھر ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ:

اِذَا ذَلَّ الْعَرَبُ ذَلَّ الْاِسْلَامُ ''عرب ذلیل ہوگا تو اسلام بھی ذلیل ہوگا۔''

چنانچہ یہ بات آشکارا ہوکر سامنے بھی آ گئی۔ عرب کے سیاسی اقتدار کا تخت الٹا اور حکومت عجمیوں اور دیلمیوں وغیرہ کے ہاتھوں میں آئی تو یہ حقیقت بالکل عیاں ہوکر سامنے آ گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ عرب ہی اسلام کی سپاہ اور اس کے پاسبان ہیں۔

یہاں میں یہ بھی واضح کردوں کہ اخوان کے نزدیک عربیت کا وہی تصور ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ ابن کثیر حضرت معاذ بن جبلؓ کے واسطے سے راویت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

اَلَا اِنَّ الْعَرَبِيَّةَ اللِّسَانُ اَلَا اِنَّ الْعَرَبِيَّةَ اللِّسَانُ

''سن لو، عربیت نام ہے زبان کا سن لو، عربیت نام ہے زبان کا''

مختصر یہ کہ مجد اسلام کی بازیابی، کلمۂ دین کی سربلندی اور حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے عرب کی وحدت ناگزیر ہے۔ اس طرح ہر مسلم کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ عربی وحدت کو زندہ کرنے، اسے مستحکم اور جان دار بنانے کی جدوجہد کرے۔

رہی اسلامی وحدت تو اس کے سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ اسلام جس طرح عقیدہ اور عبادت ہے اسی طرح وہ وطن اور قومیت بھی ہے، چنانچہ اسلام ہی ہمارا وطن اور اسلام ہی ہماری قومیت ہے۔ اس کے علاوہ جتنے نسبی یا نسلی امتیازات ہیں سب باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ ''مومنین تو بھائی بھائی ہیں۔''

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ۔ ''مسلم، مسلم کا بھائی ہے۔''

گویا دارالاسلام میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہوں گے۔ ہر ایک کی جان کا یکساں احترام

ہوگا، امیر وغریب بادشاہ وگدا میں کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ ایک کم تر مسلمان بھی کسی کو امان دے گا تو اس کا لحاظ ہوگا۔ اور اغیار کے مقابلے میں سب ایک ہوں گے۔

یاد رہے! اسلام جغرافیائی حد بندیوں کو تسلیم نہیں کرتا، نہ نسلی اور خونی امتیازات کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔ وہ تو تمام مسلمانوں کو ایک امت سمجھتا ہے اور تمام اسلامی ممالک کو ایک ہی وطن شمار کرتا ہے۔ خواہ ان کے درمیان کتنے ہی فاصلے ہوں اور بیچ میں کیسی ہی دوریاں حائل ہوں۔ اسی لیے اخوان المسلمون بھی اس وحدت کا احترام کرتے، اس رشتے پر ایمان رکھتے اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اخوت اسلامی کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ ہر اس خطۂ زمین کو اپنا وطن سمجھتے ہیں جہاں کوئی مسلم رہتا ہو اور لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتا ہو۔ ایک اخوانی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَلَسْتُ اَدْرِیْ سِوَی الْاِسْلَامِ لِیْ وَطَنًا
اَلشَّامُ فِیْهِ وَ وَادِی النِّیْلِ سِیَّانِ

''میں اسلام کے علاوہ اپنا کوئی وطن نہیں جانتا، اس لحاظ سے شام اور وادی نیل یکساں ہیں۔

وَ کُلَّمَاذُکِرَاسْمُ اللّٰهِ فِیْ بَلَدٍعَدَدْتُ اَرْجَاءَهٗ مِنْ لُبِّ اَوْطَانِیْ

''اور جب بھی کسی شہر میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، تو اس کے گوشوں کو میں اپنے ہی وطن کا خاص حصہ سمجھتا ہوں۔''

بعض لوگ کہتے ہیں آج عالم پر نسل ورنگ کی جو عصبیت طاری ہے یہ تو بالکل اس کی ضد ہے۔ آج تو عالم ملکی قومیتوں کے تیز دھارے میں بہہ رہا ہے تو تم اس طوفان کے آگے کیسے ٹھیر سکو گے، آخر تمام لوگوں کے خلاف تم کیسے چلو گے؟ کہ رہ رو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر۔

میں یہ کہوں گا کہ لوگ غلطی پر ہیں۔ اور اس غلطی کے نتائج اس قدر واضح ہیں کہ چھو کر دیکھے جاسکتے ہیں۔ آج قوموں کی بے اطمینانیاں اور حسرت ناک بربادیاں اسی کا تو نتیجہ ہیں۔ پھر طبیب کا کام یہ تو نہیں ہے کہ وہ ہر بات میں مریضوں کی حامی بھرے۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ وہ ان کا صحیح علاج کرے اور ان کے لیے بہتر نسخہ تجویز کرے۔ بس یہی کام اسلام اور داعی اسلام کا بھی ہے۔

کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ممکن ہی نہیں، آج اس طرح کی کوشش کرنا محض زیاں کاری ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔ جو لوگ اس طرح کی جدوجہد کرتے ہیں ان کے لیے بہتر یہی ہے

کہ وہ اپنی قوموں کے لیے جدوجہد کریں اور اپنی مساعی سے خاص اپنے وطن کی خدمت کریں۔

میں کہوں گا یہ تو کم زوری اور کم ہمتی کی زبان ہے۔ آخر یہی اقوام پہلے بالکل ہی پراگندہ تھیں۔ ایک ایک چیز میں مختلف تھیں، دین بھی مختلف تھا، زبان بھی مختلف تھی، احساسات وجذبات بھی مختلف تھے، آرزوئیں اور تمنائیں بھی مختلف تھیں، خوشی وغم کے پیمانے بھی مختلف تھے۔ اسلام نے آکر ان سب کو ایک کر دیا اور ایک ہی کلمۂ طیبہ پر ان کے دلوں کو مجتمع کر دیا۔ وہی اسلام آج بھی اپنی ان ہی خصوصیات وصفات اور ان ہی خطوط ونقوش کے ساتھ موجود ہے تو اگر کوئی فرزند اسلام دعوت اسلام کا علم اٹھائے اور مسلمانوں میں تجدید واحیائے دین کی جدوجہد کرے تو یہ تمام قومیں اسلام کے گرد پھر مجتمع ہو جائیں گی، جس طرح زمانۂ قدیم میں مجتمع ہوگئی تھیں۔ ایک کام جو اسلام نے ماضی میں کر دکھایا تھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ آج وہ دوبارہ نہ کر سکے کہ دوبارہ کوئی کام کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے اور تجربہ اس کے امکان پر شاہد ہے۔

پھر کچھ لوگ مشرقی وحدت کا نعرہ لگاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان کے اس نعرے کا محرک اہل مغرب کا غلط تعصب ہے۔ بلاشبہ اہل مغرب کو اپنی مغربیت پر بے جا ناز اور مشرق واہل مشرق سے بے انتہا کد ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اگر اہل مغرب اپنے اس پندار پر قائم رہے تو انھیں اس کا بہت برا خمیازہ بھگتنا ہوگا، یقیناً یہ چیز ان کے لیے وبال جان ثابت ہوگی۔ اخوان مشرقی وحدت کو بس اسی آئینے میں دیکھتے ہیں۔ ورنہ مشرق ومغرب تو ان کے یہاں یکساں ہیں، بشرطیکہ اسلام کے سلسلے میں ان کا موقف ایک ہو۔ وہ لوگوں کو بس اسی پیمانے سے ناپتے اور اسی میزان میں تولتے ہیں۔

تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اخوان اپنی خاص قومیت کا احترام کرتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک مطلوبہ ترقی کی یہی اولین اساس ہے، وہ اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے کہ ہر انسان اپنے وطن کا ہم درد ہو، اور بحیثیت وطن کے اسے دوسرے ملکوں پر ترجیح دے۔ وہ عربی وحدت کے بھی آرزومند ہیں، کہ ان کے نزدیک یہ ترقی کا دوسرا زینہ ہے۔ پھر وہ اسلامی اتحاد کے لیے بھی کوشاں ہیں کہ یہی پورے وطن اسلامی کا شیرازہ اور تمام ممالک اسلام کا گلدستہ ہے۔ اس کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اخوان سارے ہی عالم کے خیر خواہ و بہی خواہ ہیں اور وہ عالمی وحدت کے علم بردار ہیں، کیوں کہ یہی اسلام کی آخری منزل اور فرمودۂ الٰہی وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی عملی تفسیر ہے۔

اس تفصیل و وضاحت کے بعد اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ ان وحدتوں میں کوئی

تعارض نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی اور اس کے مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ اب اگر کچھ لوگ یہ چاہیں کہ خاص قومیت کا نعرہ لگا کر بقیہ وحدتوں کا گلا گھونٹ دیں تو اخوان کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور غالباً ہمارے اور بہتوں کے درمیان نقطۂ امتیاز بھی یہی ہے۔

اخوان المسلمون اور خلافت

شاید یہ بحث نا تمام رہے گی اگر خلافت کے مسئلے میں بھی اخوان کے موقف کی وضاحت نہ کر دی جائے۔ اخوان خلافت کو اسلامی وحدت کا راز اور صحیفہ امت کا شیرازہ سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کیوں کہ دین میں بہت سے احکام براہ راست خلیفہ سے متعلق ہوتے ہیں جو اس کے بغیر انجام پا ہی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے صحابہ کرام کو اسی کی فکر ہوئی جب تک وہ اس اہم کام سے فارغ اور اس کی طرف سے مطمئن نہ ہو گئے آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول نہ ہوئے۔

انتخاب امام پر حدیثیں زور دیتی ہیں، اور جن روایتوں میں احکام امامت کی تفصیل آتی ہے انھیں دیکھنے کے بعد اس میں شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ جس دن سے خلافت اسلامیہ کی لڑی ٹوٹی ہے اسی دن سے مسلمانوں پر یہ فرض چلا آ رہا ہے کہ وہ حصول خلافت کے لیے کمر بستہ ہوں اور اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اخوان نے حصول خلافت کو اپنے پروگرام میں سرفہرست جگہ دی ہے۔ گرچہ ان کا یہ احساس ہے کہ ابھی اس کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے اور خلافت کی بازیابی کا جو آخری قدم ہوگا، اس سے پہلے بہت سے مرحلے طے کرنے ہوں گے۔

ضروری ہے کہ تمام مسلم قوموں اور گروہوں کے درمیان اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی حیثیت سے مکمل تعاون ہو، پھر ان کے درمیان سیاسی پیکٹ اور سیاسی معاہدے ہوں۔ مجلسیں اور کانفرنسیں ہوں۔ چنانچہ مسئلہ فلسطین کے لیے اسلامی پارلیمنٹری کانفرنس اور لندن میں اسلامی وفود کا اجتماع، یہ دو نہایت خوش آئند مظاہرے اور اس راہ کے بہت ہی کامیاب اور موثر قدم ہیں۔ پھر ایک مسلم مجلس اقوام کی بھی تشکیل ناگزیر ہوگی۔ جب یہ ساری باتیں ہو جائیں گی اس وقت ایک ایسے ''امام'' پر اتفاق ہو سکے گا جو ہار کا شاہ ہیرا، اقوام اسلام کا شیرازہ، دلوں کا قبلہ و کعبہ اور زمین پر اللہ کا سایہ ہوگا۔

مختلف تنظیموں کے سلسلے میں اخوان کا موقف

اخوان المسلمون اور اسلامی تنظیمیں

اس وقت جب کہ ہم نے ان بہت سے اجتماعی مسائل میں اخوان کی رائے اور ان کے موقف کی وضاحت کی ہے، جو اس وقت امت کے ذہنوں پر مسلط ہیں چاہتے ہیں کہ ان اسلامی تنظیموں کے سلسلے میں بھی اخوان کا موقف واضح کردیں جو آج مصر میں سرگرم عمل ہیں۔ کیوں کہ بہت سی خیر پسند روحیں متمنی ہیں کہ یہ ساری تنظیمیں ایک ہو جائیں اور ان سب سے ایک، ایسی اسلامی وحدت وجود میں آئے جس کا نشانہ ایک ہو، اور جس کی کمان ایک ہو۔

بلاشبہ یہ پیاری و پاکیزہ تمنا ملک کے ہر صلاح پسند دل میں چٹکیاں لے رہی ہے۔ لہٰذا میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اخوان ان تنظیموں کے حریف نہیں ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ساری تنظیمیں اسلام ہی کی نصرت وحمایت میں مصروف ہیں، اگرچہ ان کی سرگرمیوں کے دائرے مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان سب کی کامیابی کے آرزومند ہیں اور ان کے پروگرام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان سب سے قریب ہونے اور عام اور مشترک بنیادوں پر انھیں یک جا کرنے کی جدوجہد کریں۔

پچھلے سال اسیوط اور منصورہ میں اخوان کی چوتھی میقاتی کانفرنس میں یہ باتیں طے ہو چکی ہیں، اور میں آپ کو یہ مژدہ سناؤں کہ ہمارے کارکنوں نے جب اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا اور مختلف تنظیموں سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں کیں تو ان سب کے اندر انتہائی پاکیزہ اور خوش کن رجحانات پائے جس سے ہمیں امید ہوتی ہے، ان شاء اللہ یہ کوششیں ضرور بارآور ہوں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی اس کے لیے کچھ اور انتظار کرنا پڑے۔

اخوان اور شبّان

ذہنوں میں اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اخوان اور جَمَاعَةُ الشُّبَّانُ میں کیا فرق ہے؟ یہ دونوں ایک کیوں نہیں ہو جاتے، اور یکساں خطوط پر کیوں کام نہیں کرتے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں ان لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں جو اتحاد اور باہمی تعاون کے آرزومند ہیں کہ اخوان اور شبان بالخصوص قاہرہ میں باہمی پے کار و چپقلش کی رزم گاہیں نہیں، انتہائی مضبوط الفت و تعاون کی کارگاہ میں نظر آتے ہیں۔ بہت سے اسلامی و ملی مسائل ایسے ہیں جن میں اخوان اور شبان دونوں ایک صف میں نظر آتے ہیں اور ایک ہی تنظیم کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، اس لیے کہ غایت دونوں کی ایک ہے۔ اسلام کی عزت و سربلندی اور مسلمانوں کی سعادت و کامرانی ہی ہر ایک کا مطمحِ نظر ہے۔ دونوں جماعتوں کے مزاج، پروگرام، اور طریق کار میں بس تھوڑا سا فرق ہے اور وہ وقت کچھ دور نہیں جب یہ ساری اسلامی جماعتیں ایک ہی محاذ پر کام کرتی نظر آئیں گی۔ بلاشبہ یہ ابھی ایک خواب ہے، لیکن ہمیں یقین ہے، ان شاء اللہ یہ خواب ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

اخوان المسلمون اور سیاسی پارٹیاں

اخوان المسلمون کا خیال ہے کہ مصر کی یہ سیاسی پارٹیاں کچھ خاص حالات کی پیداوار ہیں اور ان تمام کی بنیاد مفاد پرستی ہے، نہ کہ امت کی خیر خواہی۔ اس کی تفصیل ہم سبھی کو معلوم ہے۔ نیز ان کا خیال ہے کہ ان پارٹیوں نے اب تک اپنے پروگرام اور خطوط کار نہیں طے کیے ہیں۔ ہر پارٹی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ امت کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہے اور اس کا نصب العین ہے عام اصلاح و ترقی۔ مگر کاموں کی تفصیلات کیا ہیں؟ ان کے لیے وسائل کیا ہوں گے؟ ان میں سے کتنے وسائل فراہم ہیں؟ عملی حیثیت سے کیا رکاوٹیں اور اندیشے ہیں؟ اور ان کے لیے انھوں نے کیا تیاریاں کی ہیں؟ یہ متعدد سوالات ہیں جن کا ان کے لیڈروں اور منتظمہ مجلسوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس طرح یہ سب ذہنی افلاس اور فکری بے مائگی کا شکار ہیں۔ ساتھ ہی یہ سب حکومت واقتدار پر جان دیتی، اور اس کے لیے ہر سیاسی حربہ استعمال کرتی ہیں۔ یہ تمام حزبی پروپیگنڈوں سے کام لیتی، ہر شریفانہ وغیر شریفانہ وسائل اختیار کرتی، اور جو فریق بھی راہ میں حائل ہو، اسے بری طرح گھائل کرتی ہیں۔

اسی طرح اخوان کا خیال ہے کہ اس پارٹی بندی نے لوگوں کی تمام راحتوں کو مکدر، مصالح کو معطل، اخلاق کو فاسد اور باہمی تعلقات کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور ان کی اجتماعی و انفرادی زندگیوں پر اس کے بدترین اثرات پڑے ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک نمایندہ حکومت حتیٰ کہ پارلیمنٹری گورنمنٹ بہ شکل موجودہ پارٹیوں کے نظام پر منحصر نہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو جمہوری ملکوں میں وفاقی حکومتیں نہ قائم ہوتیں۔ پس یہ خیال کہ پارٹیوں کے بغیر پارلیمنٹری نظام کا قیام ممکن نہیں، بالکل مہمل خیال ہے۔ بہت سے پارلیمنٹری دستوری ممالک ایک ہی پارٹی کے نظام پر چل رہے ہیں، اور یہ بالکل ممکن ہے۔

اسی طرح اخوان کے نزدیک حریت رائے، آزادیِ گفتار، اجتماعی مشورہ اور باہمی خیر خواہی اور چیز ہے، اور رائے پر بے اصرار، جماعت سے بغاوت، جنگ جوئی، اختلاف پسندی، اور اقتدار کی رسہ کشی اور چیز ہے جب کہ یہی پارٹی بندی کا خاصہ ہے۔ پہلی چیز کو اسلام فرض قرار دیتا، اور دوسری چیز کو حرام کہتا ہے۔ وہ اپنی تمام تشریعات میں اتحاد و تعاون کی دعوت دیتا اور الفت و اخوت کو پسند کرتا ہے۔

یہ ہے اخوان کا نقطۂ نظر، پارٹی بندی نیز مصر کی سیاسی پارٹیوں کے سلسلے میں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تقریباً ایک سال پہلے ہی سیاسی لیڈروں سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ باہمی شکر رنجیوں اور آپس کی کشاکشوں کو بھول کر ایک ہو جائیں۔ اسی طرح انھوں نے امیر محمد علی اور امیر طوسون سے اس مسئلے میں پڑنے کی درخواست کی تھی۔ ساتھ ہی شاہ فاروق سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ تمام موجودہ پارٹیوں کو توڑ دیں تا کہ وہ سب مل کر ایک ہی قومی تنظیم کی صورت میں اسلامی اصولوں کے مطابق فلاح امت کے لیے جدوجہد کریں۔

اور جب کہ ماضی میں حالات سازگار نہ ہوئے کہ اس فکر کو عملی جامہ پہنایا جائے تو ہمارا گمان ہے کہ سال رواں نے اخوانی نقطۂ نظر کی صداقت بالکل عیاں کر دی ہے اور ہر ایسے شخص کو جسے پہلے کچھ شبہ رہا ہو، اب پورا اطمینان ہو گیا ہے کہ ان پارٹیوں کے باقی رہنے میں خیر کا کوئی پہلو نہیں۔ بہر کیف اخوان اپنی کوششیں جاری رکھیں گے اور عن قریب اللہ کی توفیق، امت کی بیداری اور پارٹیوں کی مسلسل ناکامی کی بدولت وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ قانون پورا ہوگا۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَّاَمَّا مَايَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔(الرعد:۱۷)

''تو جھاگ اڑ جاتا ہے، باقی جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹک جاتا ہے۔''

بعض پارٹیوں کو غلط فہمی ہے کہ ہماری ان باتوں کا محرک محض ان کی مخالفت ہے۔ ہماری منشا بس یہ ہے کہ وہ ختم ہو جائیں تا کہ دوسری پارٹیوں کے ساتھ ہم تعاون کر سکیں اور اس طرح کچھ شخصی مفادات حاصل کر سکیں۔

لطف یہ ہے کہ یہی وہم آج تمام پارٹیوں کو ہے۔ بہت سے لوگ آ آ کر یہ الزام دیتے ہیں کہ اخوان کا مقصد صرف ان سے کش مکش ہے۔ ان کی ساری تگ ودو کا حاصل بس یہی ہے اور ان تمام اوصاف وحکایات کا اشارہ بس ان ہی کی طرف ہے، وہ لوگوں کو اکساتے ہیں کہ ان سے دست وگریباں ہوں اور ان سے ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہو جائیں۔ اور منشا ان کا صرف یہ ہے کہ حکومت کی حمایت کریں، اور حکمراں پارٹیوں کو قوت پہنچائیں۔

طرفہ تماشا یہ کہ جس وقت یہ باتیں ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں، ٹھیک اسی وقت یہی الزام ہم حکمراں پارٹیوں کی طرف سے بھی سنتے ہیں۔ تو کیا یہ اس حقیقت کی واضح دلیل نہیں ہے کہ اخوان کا معاملہ سب کے ساتھ یکساں ہے، وہ اس باب میں صرف عقیدے کے پیرو، ایمان کے تابع اور ضمیر کے پابند ہیں؟

میں اپنے ان تمام بھائیوں سے کہوں گا، خواہ پارٹیوں کے لیڈر رہوں یا ان کے عام کارکن کہ اخوان پر اب تک نہ وہ ساعت آئی ہے اور نہ آئندہ کبھی آئے گی، وہ مطمئن رہیں کہ اخوان اپنے خالص اسلامی فکر کے علاوہ کسی اور فکر کے لیے کبھی استعمال نہیں کیے جا سکتے، اور نہ وہ اپنے سینوں میں کسی بھی پارٹی سے کوئی پرخاش رکھ سکتے، بلکہ وہ سچے دل سے سمجھتے ہیں کہ مصر کی خیریت اور اس کی نجات اسی میں ہے کہ یہ تمام پارٹیاں ٹوٹ جائیں اور وہ سب مل کر ایک ایسی فعال وطنی تحریک کی صورت اختیار کر لیں جو قرآنی تعلیمات کے مطابق امت کی رہ نمائی کرے۔

اس موقع پر میں یہ بھی واضح کر دوں کہ اخوان پارٹیوں کے درمیان اتحاد کے نظریے کو لا حاصل سمجھتے ہیں کہ اس طرح کچھ وقتی سکون تو ہو سکتا ہے مگر یہ مرض کا کوئی حقیقی علاج نہیں ہے۔ اور بہت جلد ایسا ہوگا کہ یہ اتحاد کے علم بردار ہی باہم دست وگریباں ہوں گے اور پھر نئے سرے سے جنگ چھڑ جائے گی، اور یہ پہلے سے بھی زیادہ سخت وشدید ہوگی۔ اس مرض کا مؤثر

اور کارگر علاج یہی ہے کہ یہ تمام پارٹیاں ٹوٹ جائیں اور یہ ان کے لیے کوئی عار کی بات نہ ہوگی۔ بلاشبہ ان کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ البتہ اب وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کر چکیں۔ اور جن حالات کی وہ پیداوار تھیں، وہ حالات بھی اب نہیں رہے۔ انھیں جاننا چاہیے کہ ہر نیا زمانہ جدا طرز کی حکومت اور جدا انداز کے افراد کا متقاضی ہوتا ہے۔

اخوان اور مصر الفتاۃ

ضروری ہے کہ یہاں تحریک ''مصر الفتاۃ'' کے سلسلے میں بھی اخوان کا موقف واضح کر دیا جائے۔ تحریک اخوان کو آج پورے دس سال ہو گئے جب کہ مصر الفتاۃ کو ابھی صرف پانچ سال ہوئے۔ گویا تحریک اخوان کی عمر مصر الفتاۃ کی دوگنی ہے۔ مگر اس کے باوجود قوم کے اندر چرچا یہ ہے کہ تحریک اخوان مصر الفتاۃ کی ایک شاخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مصر الفتاۃ نے تمام تر پروپیگنڈے اور اعلان واشتہار کا سہارا لیا ہے۔ جب کہ اخوان نے ہمیشہ جہد وعمل اور کارکردگی پر زور دیا ہے۔ مگر ان باتوں سے ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ ہمارے حق میں دونوں ہی باتیں یکساں ہیں خواہ یہ کہا جائے کہ اخوان ہی نے مصر الفتاۃ کو جہد وعمل کا درس دیا یا یہ کہا جائے کہ مصر الفتاۃ نے ہی اخوان کو نمایاں اور متعارف کرایا۔ حالاں کہ وہ اس سے پانچ سال پہلے وجود میں آ چکے تھے، اور اتنے ہی پہلے سے وہ مصروف جہاد اور سرگرم عمل تھے۔ خیر یہ تو ایک نظری بات ہے جسے اخوان کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ البتہ یہاں جو بات کہنی ہے وہ یہ کہ اخوان کبھی بھی مصر الفتاۃ کی صفوں میں نہیں رہے۔ نہ اس کے کارکن کی حیثیت سے نظر آئے۔ اس سے اس کی یا اس کے علم برداروں کی تنقیص مقصود نہیں، بلکہ یہ محض ایک اظہار واقعہ ہے۔

جریدہ ''مصر الفتاۃ'' نے اخوان پر بڑی بوچھاریں کی ہیں۔ ان پر اس نے بے سروپا الزامات لگائے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اخوان اس پر زیادتیاں کرتے اور اسے متہم کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ بہرکیف ہم اسے کچھ اہمیت نہیں دیتے۔ نہ اس کی کسی بات پر ہم گرفت کرنا چاہتے۔ مجھے توقع ہے کہ اس معاملے میں تمام اخوان کا یہی طرز فکر ہوگا۔

بہت سے لوگوں کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ کاش مصر الفتاۃ اور اخوان ایک ہو جاتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ آرزو بہت ہی پاکیزہ اور دل ربا ہے۔ بھلا خیر کے معاملے میں اتحاد وتعاون سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ مگر بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا فیصلہ زمانہ ہی کر سکتا ہے۔

مصر الفتاۃ میں بہت سے لوگ ہیں جو اخوان کو بس ایک تبلیغی جماعت سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ جتنے بھی ان کے پروگرام ہیں انھیں وہ حقارت وناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اسی طرح ہمارے خاصے ارکان کا یہ تاثر ہے کہ مصر الفتاۃ کے بیشتر ممبروں کے اندر صحیح اسلامی فکر ابھی پختہ نہ ہوسکا۔وہ ابھی اس قابل نہ ہوسکے کہ خالص اور بے داغ دعوت اسلامی کے آوازے بلند کرسکیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم زمانے پر چھوڑ دیں، وہ خود ہی اپنا کام کرے گا اور جو فیصلہ مناسب ہوگا وہ صادر کرے گا۔ بھلا اس سے بہتر صیقل کرنے والا اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخوان مصر الفتاۃ سے پنجہ آزمائی کریں گے۔ پنجہ آزمائی کا کیا سوال؟ ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کا کوئی رکن توفیق الٰہی سے بہرہ مند یا راہ خیر پر گامزن ہو۔اخوان تو ہمیشہ سے تعمیر پسند ہیں، وہ تخریب کے قائل کبھی نہیں رہے اور جہد وعمل کے میدان میں تو سب کے لیے گنجائش ہے۔

یہ ہے مصر الفتاۃ کے سلسلے میں ہمارا موقف۔اور یہی موقف ہمیشہ رہے گا، بشرطیکہ وہ ملک میں پائی جانے والی سیاسی پارٹیوں کی طرح کی کوئی سیاسی پارٹی نہ بن جائے اور برابر اسلامی افکار و اصول کی قدرداں اوران کے فروغ کے لیے کوشاں رہے کہ یہ چیز اخوانی اصولوں کی نئی فتح ہوگی۔

آخر میں یہ بھی وضاحت کردوں کہ مصر الفتاۃ کی طرف سے شراب خانے ڈھائے جانے کا جو قضیہ ہے اس میں اخوان کا موقف کیا ہے؟ تو یہ بات تو واضح ہے کہ مصر کا کوئی بھی غیور انسان سرزمین مصر پر ایک بھی شراب کی بھٹی دیکھنا پسند نہیں کرسکتا۔اور اخوان تو یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ اس توڑ پھوڑ کی ذمہ دار پہلے حکومت ہے پھر کوئی اور۔کیوں کہ اسی نے مسلم رعایا کو مجبور کیا ہے۔قوم کے اندر جو نفسیاتی انقلاب آیا ہے، اسلام کی تقدیس واحترام کا جو پرزور میلان ابھرا ہے اور تعلیمات دین پر فخر وناز کا جو جدید رجحان پیدا ہوا ہے اس کا اس نے ذرا بھی خیال نہیں کیا۔زمانہ قدیم سے ہی مشہور ہے کہ رونے والے کی اشک شوئی سے پہلے مارنے والے کا ہاتھ پکڑو۔لیکن ہمارا خیال ہے کہ ابھی اس چیلنج کا وقت نہیں آیا۔ضروری ہے کہ وقت مناسب کا انتظار کیا جائے۔اور اس معاملے میں غایت درجہ حکمت ودانائی سے کام لیا جائے۔کوئی بھی قدم اٹھایا جائے تو نقصان کم سے کم ہو، مقصد پوری طرح واضح ہو اور حکومت اپنی اسلامی ذمہ داریاں محسوس کرنے پر مجبور ہو۔ اس موقع پر جو لوگ ماخوذ ہیں انھوں نے اگرچہ ابھی اعتراف نہیں کیا ہے۔پھر بھی اخوان نے

عدلیہ کو توجہ دلائی ہے کہ اس قضیے کے پیچھے جو پاکیزہ جذبہ کارفرما ہے اس کے لحاظ سے ہی اس پر غور کیا جائے۔ ساتھ ہی جلد سے جلد ایسے ضابطے بنائے جائیں جو ملک کو ان اخلاقی المیوں سے نجات دے سکیں۔

صلیبی حکومتوں کے سلسلے میں اخوان کا موقف

اہم ترین داخلی امور کے سلسلے میں اخوان کا جو موقف ہے اس کی وضاحت ہوگئی، کیوں نہ لگے ہاتھوں صلیبی حکومتوں کے سلسلے میں بھی ان کا موقف واضح کر دیا جائے۔

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک ہی امت سمجھتا ہے جو ایک ہی عقیدے کی علم بردار، اور رنج وراحت میں ایک دوسرے کی شریک حال ہے۔ کوئی بھی زیادتی اگر کسی مسلم جماعت یا امت کے کسی فرد پر ہوتی ہے تو اس کی ٹیس ہر دل میں اٹھتی ہے۔ مجھے بڑی رلائی آئی اور ساتھ ہی ہنسی بھی آئی، جب **اَلشَّرحُ الصَّغِیرُ عَلٰی اَقْرَبِ الْمَسَالِکِ** نامی ایک کتاب میں ضمناً یہ مسئلہ میری نظر سے گزرا:

مَسْئَلَةُ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ سُبِيَتْ بِالْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰى اَهْلِ الْمَغْرِبِ تَخْلِيْصُهَا وَافْتِدَاؤُهَا وَلَوْ اَتَى ذَالِكَ عَلٰى جَمِيْعِ اَمْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ

''ایک مسلم خاتون اگر مشرق میں قید ہو جاتی ہے تو اہل مغرب پر اس کا فدیہ دینا اور اسے رہا کرانا واجب ہوگا خواہ اس میں مسلمانوں کی ساری دولت لگ جائے۔''

اس سے پہلے کچھ اسی طرح کی بات **مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر** میں دیکھی تھی جو کتاب **البحر فی مذهب الاحناف** کے حوالے سے نقل کی گئی تھی۔ میں نے یہ دیکھا تو مجھے ہنسی بھی آئی اور رلائی بھی۔ میں نے دل میں کہا، کہاں ہیں ان فقہاء کی آنکھیں کہ آج وہ تمام مسلمانوں کو ظالم اہل کفر کے شکنجوں میں دیکھیں؟

یہاں میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ پورا وطن اسلامی ایک اٹوٹ وحدت ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اس کے کسی ایک حصے پر بھی زیادتی ہوتی ہے تو گویا پورے وطن پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا تو منصب یہ ہے کہ وہ ملک کے پیشوا اور وطن کے سربراہ بنیں۔

وہ اوروں کو بھی آمادہ کریں کہ وہ ان کی دعوت میں شامل ہوں، اور اسلام کی جس موج نور سے ان کے قلب وذہن منور ہیں، اس سے ان کے دل و دماغ بھی روشن ہو جائیں۔

اسی طرح اخوان کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ حکومت جس نے اسلامی بستیوں پر ظلم کیا اور وہ برابر ظلم پر مصر ہے، وہ ایک ظالم و جابر حکومت ہے جس کے سیل عدوان پر بند لگانا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے لیے مستعد ہوں، اور متحد ہو کر اپنے اوپر سے یہ جوا اتارنے کی کوشش کریں۔

انگلستان برابر مصر کو تنگ کر رہا ہے۔ حالاں کہ اس سے معاہدہ ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ معاہد مفید ہے یا مضر، اصلاح طلب ہے یا لائق نفاذ، کیوں کہ اس کا کوئی حاصل نہیں۔ بلاشبہ یہ معاہدہ مصر کے گلے کا ایک طوق اور اس کے پیروں کی ایک بیڑی ہے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ جدوجہد کر۔کے ان بیڑیوں اور شکنجوں سے رہائی حاصل کر لے؟ قوت کی زبان سب سے زیادہ مؤثر زبان ہے۔ اگر وہ آزادی اور حریت کا خواست گار ہے تو اسے جدوجہد کرنی چاہیے اور قوت فراہم کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے۔

انگلستان فلسطین کے ساتھ بھی زیادتیاں کر رہا ہے۔ وہ اہل فلسطین کے حقوق پامال کر رہا ہے، فلسطین ہر مسلم کا وطن ہے۔ وہ اسلام کا نشیمن ہے، وہ نبوت کا گہوارہ ہے۔ اسی کی آغوش میں وہ مسجد اقصیٰ ہے جس کے چاروں طرف رحمت و برکت کے ڈونگرے برستے ہیں لہٰذا فلسطین انگلستان کے اوپر ایک دین ہے۔ ہمارا جوش ٹھنڈا نہیں ہو سکتا جب تک اسے حاصل نہ کر لیں۔ انگلستان اس بات کو خوب سمجھتا ہے۔ اسی لیے اس نے لندن کانفرنس میں اسلامی ممالک کے نمائندوں کو دعوت دی۔ اس موقع پر ہم اسے یاد دلاتے ہیں کہ عربوں کے حقوق میں کمی نہیں کی جاسکتی۔ اور فلسطین میں اس کے نمائندے جو مسلسل وحشیانہ حرکتیں کر رہے ہیں، یہ مسلمانوں کا اعتماد اور حسن ظن حاصل کرانے والی چیزیں نہیں ہیں۔ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ان حریت پسند اور بے قصور جانوں سے اپنے جابرانہ حملے روک لے۔

ساتھ ہی ہم اس ممبر کی سیڑھیوں سے مفتی اعظم کی خدمت اقدس میں اخوان کی نیک تمناؤں اور پاکیزہ عقیدتوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اگر ان کے گھروں کی تلاشیاں لی جاتی اور فرزندوں کو محبوس کیا جاتا ہے، تو اس سے موصوف کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اور آل حسینی کا کوئی

نقصان نہ ہوگا۔ یہ چیز تو ان کے مجد وشرف کو چار چاند لگائے گی اور عزت وکرامت کے فانوس کو اور زیادہ روشن کر دے گی۔

ساتھ ہی ہم اسلامی وفود کو انگلستان کے مکر وفریب سے خبر دار کرتے ہیں، اور یہ تاکید کرتے ہیں کہ وہ عربوں کے سارے حقوق کا تحفظ کریں۔ ان میں کسی کتر بیونت پر وہ راضی نہ ہوں۔

یہاں میں اخوان کو یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جمعیۃ الشبان المسلمین (تنظیم جوانان اسلام) کے دفتر پر تمام اسلامی تنظیموں کی ایک کمیٹی بنی ہے، تاکہ باہمی تعاون سے ایک قرش کا کوپن نکالیں جو مجاہدین فلسطین کی آزادی کے لیے سنہ ہجری کے آغاز میں تقسیم ہوگا۔ اور یہی کوپن تمام تنظیمون کے مختلف کوپنوں کی جگہ استعمال ہوگا۔ تو اخوان کو میری تاکید ہے کہ وہ اس کمیٹی کی حوصلہ افزائی کریں، اس کے کوپنوں کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں۔ پرانے کوپنوں کے حسابات جو ان کے ذمہ ہوں ان کو صاف کرلیں، اور باقی ماندہ کوپن دفتر کے حوالے کر دیں۔ تاکہ ختم کیے جاسکیں۔

پھر ان اسلامی ممالک کے سلسلے میں بھی ہمیں انگلستان سے حساب کرنا ہے۔ جہاں وہ بالکل ناجائز طور پر قابض ہے۔ ہم تمام فرزندان اسلام کی ذمہ داری ہے کہ ان کی آزادی و بازیابی کے لیے جدوجہد کریں۔

رہا فرانس جو ایک زمانے تک اسلام دوستی کے دعوے کرتا رہا تو اس سے بھی مسلمانوں کو بڑا لمبا حساب کرنا ہے۔ اس نے ہمارے بھائی شام کے ساتھ جو شرمناک رویہ اختیار کیا ہے اسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ظہیر بربری اور مغرب اقصیٰ کے مسئلے میں اس نے جو موقف اختیار کیا ہے اسے بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ بات بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے بہت سے عزیز بھائی مغرب اقصیٰ کے حریت پسند مجاہد نوجوان قید خانوں میں محبوس اور دور دراز جزیروں میں نظر بند ہیں، عن قریب وہ دن آئے گا جب یہ حساب چکایا جائے گا۔ زمانہ تو برابر کروٹیں لیتا ہے۔ وہ کبھی کسی ایک کا ہو کر نہیں رہتا۔

پھر اٹلی سے بھی ہمیں کم حساب نہیں کرنا ہے۔ یہ طرابلس، عرب مسلم طرابلس، ہم سایہ قریبی اور عزیز طرابلس، دوتشی اور اس کے کارندے اسے مٹانے، فرزندان اسلام کو نابود کرنے، اور وہاں سے اسلام اور عربیت کا ایک ایک نشان محو کر دینے کے درپے ہیں۔ ظاہر ہے وہاں عربیت یا اسلام کا کوئی نشان رہ بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ وہ اٹلی کا ایک حصہ سمجھ لیا گیا؟ اس کے

بعد بھی دو تشی کو شرم نہیں آتی کہ وہ حامی اسلام ہونے کا دعویٰ کرتا اور مسلمانوں سے ہم دردی و دوستی کی بھیک مانگتا ہے۔

مسلم بھائیو!

یہ ایسی گفتگو ہے جو دلوں کو لہولہان اور جگر کو پاش پاش کیے دیتی ہے یہاں بس اتنے ہی المیوں کا ذکر کافی ہے، کہ یہ تو ایسا سلسلہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔تو تم اس سے بخوبی واقف رہو، نیز اس سے دوسروں کو بھی آگاہ کرو اور بتاؤ کہ اسلام فرزندان اسلام کی محکومی پر راضی نہیں اگرچہ جان و مال کی بازی لگ جائے کہ اس زندگی سے ــــــ غلامی و محکومی اور ذلت کی زندگی سے تو موت بھلی ہے۔اب اگر تم نے ایسا کیا اور عزم و ارادے میں سچے ثابت ہوئے تو یقین مانو فتح و نصرت تم پر سایہ کرے گی، اور عزت و سطوت تمہارے قدم چومے گی۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَاوَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (المجادلہ:۲۱)

”اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہوکر رہیں گے۔اللہ تو بڑی قوت والا اور سب سے زبردست ہے۔“

حرف آخر

مسلم بھائیو!

میں نے اس تقریر میں تمہارے فکر کے ایک مخصوص پہلو کا نہایت مختصر اور جامع خلاصہ پیش کر دیا۔میں چاہتا تھا کہ آج مصری معاشرے کی کچھ اقتصادی اور اجتماعی مشکلات کا بھی جائزہ لیتا اور چاہو تو تم مصری معاشرے کے بجائے مسلم معاشرہ بھی کہہ سکتے ہو، کیوں کہ مرض تو سب جگہ ایک ہی ہے۔ایسا میں ضرور کرتا، مگر وقت تنگ ہے۔پھر مرض بھی اصلاً ایک ہی ہے اور وہ ہے اخلاقی بگاڑ۔ بلند قدروں کا فقدان، شخصی مصالح کی فکر، حقائق سے فرار، علاج سے گریز اور پھوٹ۔اللہ برا کرے اس پھوٹ کا کہ یہ اصل روگ ہے۔اور دوا بھی بس ایک ہی ہے، اور وہ ہے ان برائیوں سے پرہیز۔میرے بھائیو! وہ ہے روحوں کا علاج، طبیعتوں کی اصلاح۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (الشمس:۱۰)

”کامیاب ہوا جس نے اسے صاف کیا، اور ناکام ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔“

یہ دین اس وقت قائم ہوا ہے جب تمہارے اسلاف نے نہایت مضبوط و محکم بنیادیں اپنائیں اور پھر وہ اسی راہ میں مر مٹے۔

وہ مضبوط بنیادیں کیا تھیں؟ اللہ پر ایمان، اس فانی زندگی سے بے رغبتی، خلد بریں سے دل چسپی، حق کی خاطر جان و مال کی قربانی، راہ خدا میں موت کی تمنا، قرآن کی پیروی اور اس سے کامل وابستگی۔

تو یہی بنیادیں تم بھی اپناؤ۔ نفس کی اصلاح کرو، دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرو، اس کی جڑیں گہری کرو، امت کو خیر کی راہ دکھاؤ اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔

مسلم بھائیو!

مایوس نہ ہونا کہ مایوس ہونا کفر ہے۔ کل جو خواب تھا، آج وہ حقیقت ہے۔ آج جو خواب ہے کل وہ حقیقت ہوگا۔ اور وقت میں تو بڑی وسعت ہے۔ شر و فساد کی جڑیں اگرچہ نہایت گہری ہیں، مگر مسلم قوموں کے اندر صحت و سلامتی کے عناصر بھی نہایت توانا اور زبردست ہیں۔ پھر کمزور ہمیشہ کمزور نہیں رہتا، نہ طاقت ور ہمیشہ طاقت ور رہتا ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ (القصص:۵)

”ہم چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں کچلا جا رہا تھا ان پر احسان کریں، اور بنا دیں انھیں سردار پیشوا، اور بنا دیں انھیں ملک کا وارث اور زمین میں انھیں غلبہ و تمکن عطا کریں۔“

زمانے کے بطن سے عن قریب بڑے بڑے حادثے جنم لیں گے اور عظیم کاموں کے لیے بے شمار مواقع حاصل ہوں گے۔ یہ عالم تمہاری دعوت کی طرف، راستی و کامیابی اور سلامتی کی دعوت کی طرف یقیناً متوجہ ہوگا، تاکہ ان آلام سے نجات پائے، جن میں آج وہ گرفتار ہے۔ اب امتوں کی قیادت اور قوموں کی سیادت تمہیں حاصل ہوگی کہ یہ دن تو برابر گردش میں ہیں، اور تمہیں تو اللہ کی طرف سے وہ امیدیں ہیں جو انھیں نہیں ہیں۔ لہٰذا کمر کس لو، اور ابھی سے سرگرم ہو جاؤ، کہ ہوسکتا ہے کل موقع نہ ملے۔

ہمارے جو بھائی غیرت وحمیت سے سرشار ہیں انھیں میری تاکید ہے کہ وہ ذرا ٹھیریں اور مناسب وقت کا انتظار کریں۔مگر جو کوتاہ ہیں ،ان سے کہوں گا کہ وہ اٹھیں اور سرگرم عمل ہوجائیں کہ میدان جہاد میں آرام حرام ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (العنکبوت:٦٩)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم ضرور انھیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

میرے عزیزو! بڑھے چلو، بڑھے چلو، تھکو نہیں، تھکو نہیں ۔واللہ اکبر وللہ الحمد۔

حسن البنا